ادوار تاریخ اسلامی (۱)

مدخل الدراسات تاريخ الاسلامي

کاوش: علی شرف الدین



دار الثقافة الاسلامية پاکستان

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ

(قلم ٣٧)

نام کتاب..................مدخل الدراسات تاریخ الاسلامی

تالیف....................علی شرف الدین

ناشر.....................دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

زیرطباعت...................علی شرف الدین

http://www.sibghtulislam.com/

﴿فہرست﴾

☆☆☆☆☆۔☆☆☆☆☆

عرض ناشر:

تاریخ کلی ہے اسکی تین انواع ماضی، حاضر اور مستقبل ہیں لیکن یہ انواع دیگر انواع و اقسام سے مختلف ہیں کیونکہ ہر ایک نوع سے انشقاق انشگاف ہوتا جاتا ہے۔ تاریخ میں حاضر گزشت زمان کے بعد ماضی سے مل جاتے ہیں اس طرح وہ حاضر نہیں رہتے بلکہ ماضی بن جاتے ہیں۔ تاریخ میں گذشتہ کی خبر دینے والے گزشتگان کے تجربات سے متعارف اور مستقبل بہتر بنانے کے فارمولے دینے والے تینوں عناصر جمع ہوتے ہیں یعنی سرمائے تحقیق ''ماضی'' ہے، عمل تحقیق ''حاضر'' اور استفادہ تاریخ ''مستقبل'' ہے۔ اس کی مثال انسان اور دیگر موجودات کی سی ہے جن کا پیدا ہونا ماضی، بڑے ہونا حال اور مرجانا ان کا مستقبل ہے۔

قرآن کی غیبی خبریں بھی تین قسم کی ہیں غیب ماضی، غیب مستقبل، غیب حاضر، قرآن کریم میں غیب کو شہادت کے مقابل قرار دیا ہے۔ عالم شہادت سے مراد وہ تمام عوالم ہیں جہاں بشر کے حواس خمسہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پہنچ سکتے ہیں۔ بعض محسوسات ایک زمانہ کیلئے غیب بنتے ہیں جبکہ دوسرے زمانہ میں وہ عالم شہادت ہوتے ہے ایک چیز عالم غیب میں تھی لیکن گزشت زمان کے بعد عالم مشہود میں داخل ہوتی ہے، یعنی بعض چیزیں فی زمانہ غیب میں ہیں لیکن بعض وسائل جیسے دوربین، خوردبین وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے ان تک رسائی نہیں ہو پارہی تھی لیکن جوں ہی حجاب ہٹایا جائے یا وسائل پیدا ہوجائیں تو وہ شہود میں تبدیل ہونگے۔ اس کے بالمقابل میں ایک چیز عالم شہود میں تھی پھر یہاں سے ناپید ہوکر عالم غیب میں چلی گئی اب اس تک کسی بھی قسم کے وسائل ذرائع خوردبین دوربین کے ذریعہ رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی قصہ کہانی نقل کرتے ہیں وہ تضادات تخرصات خرافات دعوائے بلادلیل پر مبنی ہیں۔ آئندہ آنے والے زمانے میں پیش آمد حادثات کی خبر دینے کو عربی میں ملاحم کہتے ہیں۔ اس کے مصادر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس میں بعض باطنیوں کے خودساختہ اخبار ہیں جن کا کوئی مصدر و ماخذ نہیں۔ ان کے مصدر و ماخذ بقول معزالدین اشرفی تلوار ہے۔ بقول مورخین، اخبار ماقبل تاریخ کی خبروں تک رسائی سوائے وصل برب العالمین ممکن نہیں ہے۔ اللہ اپنے نبی کی تسلی و تشفی یا نبوت کی دلیل کی خاطر اسکی خبر دیتا ہے۔

تاریخ اسلامی ایسی صفات و امتیازات کی حامل ہے جو ہمیں کسی اور ملل ونحل قوم وملت کی تاریخ میں نہیں ملتے مثلاً علماء تاریخ نے تاریخ کی تقسیم بندی میں کہا ہے تاریخ کا پہلا حصہ ماقبل تاریخ ہے یعنی خلقت کائنات کی تاریخ، اسے ماقبل تاریخ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی معلومات نہیں جبکہ قرآن نے خبر دی ہے خلقت کائنات کا آغاز ایک مائع سے ہوا ہے جسے اللہ نے ہماری سمجھ کیلئے ماء کہا ہے یہ ایک مادہ سیلان ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ ''اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے؟ تو کیا (پھر بھی) وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' (انبیاء ۳۰) دوسرے مرحلے میں فرمایا ہے۔ ﴿كَانَتَا رَتْقًا﴾ ''اور پھر ہم نے انہیں جدا کردیا ہے۔''

تیسرے مرحلے میں فرمایا: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ ''میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔'' (بقرہ ۳۰)

یہاں خلیفہ اس کی بیوی اس کی اولادوں ان کے رقیب وحریف کا ذکر کیا ہے جسے کوئی رد نہیں کرسکتا۔ تاریخ اسلامی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین تاریخ کا مصدر ہے اس سے الگ کوئی جز نہیں ہے۔ عقائد، احکامات، اخلاق، سیاست، اقتصادیت اس تاریخ کا حصہ ہیں تاریخ میں اس کا کردار ہے جبکہ تاریخ کے بغیر عقائد احکام ناقص وادھورے ہونگے۔

استاد انورالجندی اپنی کتاب اسلام وتاریخ کے ص ۹۱ پر لکھتے ہیں اسلام وتاریخ اپنی پیدائش کے حوالے سے جڑواں ہیں یہ ساتھ پیدا ہوئے اور ساتھ ہی رہیں گے۔ تاریخ اگر خلقت کائنات سے متعلق ہے تو اسلام اس حوالے سے اپنا نظریہ دیتا ہے۔ اگر ہدایت نسل انسان کی بات ہے تو اس کے بارے میں رمز وخبر رکھتا ہے۔ اگر فروغ نبوت انبیا مد نظر ہے تو اسلام اس بارے میں اپنی رائے دیتا ہے۔ اسلام بیان تاریخ میں اقوام کے عروج وزوال صعود وسقوط کے علل کو بھی بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم تاریخ اسلام کا پہلا مصدر ہے تاریخ کے بغیر عقائد و احکام شریعت مجمل ومبہم ہیں۔ یہاں سے فرق باطنیہ سے تعلق رکھنے والے بعض فرقوں کا قرآن و تاریخ سے بیزار ہونا اور ان کے بارے میں طعن وطنز کا فلسفہ سمجھ میں آتا ہے۔

تحریف کے قہرمان ثالوث یہود وصلیب ومجوس کے ساتھ ان کے گماشتے فرقے باطنیہ نے عربوں اور اسلام دونوں کو مسخ کیا ہے مثلاً انھوں نے یہ مشہور کیا

کہ دین اسلام حضرت علی کی تلوار سے پھیلا ہے۔جبکہ صفحات تاریخ گواہ ہیں کہ اسلامی جنگوں میں اسلام نے طریقہ تسلم کو کس حد تک ترجیح دی ہے۔سب سے زیادہ مزاحمت کرنے والے مشرکین مکہ سے کس قسم کا سلوک کیا۔میدان احد میں کتنے بر جستہ اصحاب نبی نے جام شہادت نوش کیا۔غزوات او رسرایا میں نبی کریم نے کن کن کو قیادت لشکر سونپی،لہذا یہ نعرہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اسلام کو بدنام او رداغ دار بنانے والے ٹولوں کی کارستانی ہے۔اسی طرح کہتے ہیں اسلام حضرت خدیجہ کے مال و دولت جود وسخاوت سے پھیلا ہے یعنی اس ضمن میں رشوت ستائی کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔جبکہ قریش میں اس وقت مال و دولت کے حوالے سے ابو سفیان معروف تھا۔اسی طرح حضرت ابو بکر نے کئی غلاموں کو آزاد کرایا۔لیکن حضرت خدیجہ کے مال سے کوئی مظلوم ومقہور غلام آزاد کیا گیا ہو تاریخ میں اسکا تذکرہ نہیں ملتا۔

کبھی کہتے ہیں نبی کریم کے اخلاق کریمہ وعفو درگزر اسلام کے پھیلنے کا سبب بنا۔لیکن یہاں انکے نزدیک اخلاق سے مراد،اخلاق مسیحی ہے جس میں دوسروں کی سروری آقائی اور قرآن حضرت محمدؐ اقدار اسلامی اور مسلمانوں کی اہانت تذلیل وتحقیر جسارت برداشت کرنے کا نصاب درس شامل ہے۔جبکہ قرآن اور سیرت حضرت محمد ﷺ اس کے سراسر منافی ہیں۔قارئین ان عوامل کی وجہ سے عام انسانوں کیلئے تاریخ اسلام پڑھنا،لکھنا تنہا دشوار ہی نہیں بلکہ اکتاہٹ کا باعث بنتا ہے۔یہاں سے تاریخ کے بارے میں ضد ونقیض پر مشتمل نظریات وسلوک نے جنم لیا۔

۱۔بعض کا کہنا ہے تاریخ میں جو کچھ بیان ہے وہ افسانے اور کہانیاں ہیں یا ہماری تاریخ دوسروں نے لکھی ہے۔اس حوالے سے سوال ہو سکتا ہے آپ نے کیوں اپنی تاریخ نہیں لکھی کیا آپ اپنی تاریخ لکھنے کے قابل نہیں تھے یا آپکی تاریخ اوپر نہیں جاتی جیسے فاطمین کے سلسلے عبداللہ مہدی سے اوپر نہیں ملتے۔

۲۔بعض دیگر اپنی ہر بات منوانے کیلئے شدومد سے کہتے ہیں یہ بات تاریخ میں ہے آپ کو ماننا پڑے گا۔اس اقدام سے ہر چیز کو لوگوں پر ٹھونسا گیا ہے۔جیسا کہ آج عزاداران امام حسین کے نام سے اسے قصے کہانیوں اور جعلیات سے پُر کر کے حسین اور آپ کے اہداف کو ناپید اور نا قابل استفادہ بنایا ہے۔آج عوام کو ڈنڈے کے زور سے جعلیات کو تسلیم کروایا جاتا ہے۔اس عمل میں انھیں عبا وقبا سے آراستہ اشخاص کی پشت پناہی حاصل ہے۔اسی طرح انہوں نے بعض اصحاب کے کردار کو مسخ کیا ،جن اصحاب نے ۲۴ سال حیات پیغمبرؐ میں اپنے ناچیز وجود کو اسلام کی راہ میں وقف کیا اور اسے افتخار سمجھا، آج انھوں نے ان شخصیات کو اسلام کے دشمن کے طور پر متعارف کروایا ہے،ان پر منابر اسلام سے سب وشتم وغلاظت گوئی کی جاتی ہے۔اسی طرح انھوں نے اہل بیت نبی کا نام لیکر لوگوں کو دھوکہ دیا اور بیت خطابی بیت قداحی بیت مغیرہ کے ارمانوں کو عملی جامعہ پہنایا ہے۔

۳۔بعض نے تاریخ کو یکسر مسترد کیا اور کہا تاریخ میں ہر الٹی سیدھی بات ہے لہذا ہم تاریخ کو نہیں مانتے۔اس طرح ایک عظیم سرمایہ علمی اور فکری سے نسل انسان کو محروم رکھنے کی مذموم کوشش کی گئی۔یہ گروہ ایک مستند معتبر تاریخ بلکہ غیر معتبر سے بھی محروم ہے۔انکا کہنا ہے ہماری تاریخ غیروں کی لکھی ہوئی ہے حالانکہ تاریخ چاہے غیروں کی ہو یا اپنوں کی لکھی ہو تاریخ 'تاریخ ہے لیکن یہی لوگ مستشرقین کی لکھی گئی یا مجہول المولف تاریخ کا شدومد سے استناد کرتے ہیں۔

۴۔تاریخ حیات انسانی کا تسلسل ہے،تاریخ عروج وزوال اقوام کا نام ہے،تاریخ تمدنوں اور پسماندگی کا نام ہے،تاریخ ادیان وفرق کا نام ہے،تاریخ ہی سے دینِ صحیح اور دینِ فاسد کی شناخت ہوتی ہے۔کسی تاریخ کے حصے کو رد کرنے یا قبول کرنے کے لیے دلائل شواہد ونظائر اور ترجیحات کا ہونا ضروری ہے۔لہٰذا تاریخ کو سرے سے مسترد یا اس کے مندرجات کو من عن قبول کرنے والے دونوں جادّہ مستقیم سے منحرف ہیں۔تاریخ کو انہی مکتوبات،صفحات اور مندرجات سے نکالنے کی مثال ان جواہر شناس ماہرین کی سی ہے جو زمین، پہاڑوں کے شکم اور سمندروں کی تہہ سے قیمتی اشیاء نکالتے ہیں۔یہ جواہرات صرف اسی طبیعت کو چیر کر اور اسے تسخیر کر کے حاصل کئے جاسکتے ہیں لہٰذا تاریخ اخذ کرتے وقت مؤرخین کی حیات پر اثر انداز ہونے والے عوامل واسباب کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے اور اسباب جاننے سے پہلے مؤرخین کی مجموعی حیات پڑھنا بے حد ضروری ہے۔

صفحاتِ تاریخ کے مندرجات تضادات ومختلف تناقضاتوں کا مجموعہ ہیں،تاریخ انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے،چنانچہ آگے کے صفحات میں تاریخ کی تعریف میں بیان کیا جائے گا کہ تاریخ گزشت شب وروز کا نام ہے۔تاریخ کبھی کسی شہر ملک عمارت سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی کسی قوم وملت کے ظہور وزوال سے متعلق یا کسی دین ومذہب وفرق سے متعلق ہوتی ہے۔ہماری حاضر کاوش تاریخ اسلام سے متعلق ہے جس میں ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلام نے کب، کس

عرصہ میں اور کس جگہ پر اپنا علم ظہور گاڑھا ہے اور اس پر آج تک کتنے نشیب و فراز کے ادوار گزرے ہیں۔

قارئین مسلمانوں کی برگشت اسلام کی طرف ہے۔ اسلام کی برگشت قرآن اور سنت محمد ﷺ ہے جبکہ دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو اسلام تک جانے سے روکنے کیلئے متعدد دیواریں کھڑی کی ہیں تا کہ مسلمان یہ ہمت جرات نہ کر پائیں کہ وہ دوبارہ ان دیواروں کو عبور کر کے ساحل قرآن و سنت تک پہنچ جائیں۔

تمہید

ان الحمد لله ،نحمده و نستغفره،ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا،من يهده الله فلا مضل له،ومن يضلل فلا هادی له. واشهد ان لا اله الا الله لا شريک له،واشهد ان محمداً عبده و رسوله.

﴿ قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيايَ وَ مَماتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِينَ، لا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ’’کہہ دیجئے کہ میری نماز, میری عبادتیں, میری زندگی, میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے‘‘ (انعام ۱۶۳،۱۶۴)

اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں

﴿ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقاتِهِ وَلاتَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ’’اے ایمان والو! اللہ کا خوف کرو جیسا کہ اس کا خوف کرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔‘‘ (آل عمران ۱۰۲)

حمد و ستائش اس ذات والا کیلئے مخصوص ہے جو ہر قسم کے عوارض و حوادث سے منزہ ہے، تمام تعریفیں اس ذات کیلئے سزاوار ہیں جو نوک قلم تاریخ و مورخین اور جباروں کے صفحات کی زد سے ارفع و اولیٰ ہے۔ درود و سلام بے نہایت ان ذوات سالت و سلسلہ ہدایات پر جو بشر کیلئے مصطفیٰ رب العالمین قرار پاتے ہیں بالخصوص زیب انبیاء ختم رسالت محمد مصطفی ﷺ کیلئے جنہوں نے تمام تر نامساعد حالات کے باجود انسانیت کیلئے سعادت دارین کے اصول حیات چھوڑے۔ ہم حاضر کتاب مدخل الدرستہ التاریخ اسلامی کے یہ چند صفحات دراسات تاریخ کی ضرورت کے پیش نظر تقدیم قراء کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تا کہ مدارس و حوزات میں اس دین کے شعبے کو متروک و مہمل چھوڑنے کی وجہ سے اس میں داخل وضعیات کی شناخت و تمیز جو ناممکن ہو چکی ہے اسے ممکن بنانے کی سعی ہو جائے۔ اس المیہ کی طرف اشارہ کروں کہ کتاب امام و امت کی تدوین کے وقت کشف ہوا کہ تاریخ اسلام میں خلفاء اموی عباسی و فاطمین صفویوں نیز ان کی طرف سے منصوب سلاطین آل بویہ سلجوقیوں, ترکیوں اور ان کے بعد سربراہان, صدور و وزراء نے تاریخ اسلام کے صفحات کو ریزہ خور قلم فروشوں اور اپنے کردار سے تاریخ کو مسخ کیا ہے, اسکے ساتھ ہی ہم پر سیکولر سیاست کرنے والوں کا کردار بھی واضح ہوا۔ اسی طرح کتاب قرآن میں حضرت محمد لکھتے وقت مدح و صفت محمد کے نام سے نبوت و رسالت کو مستشرقین باطنین براہمہ کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ پیش کر کے قادیانیت کیلئے راستہ ہموار کرنے والوں کے صفحات بھی واضح ہوئے جس پر ہم نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے نبی کریم کے بعد خلفاء راشدین سے لے کر الی یومنا ھذا کے ادوار تاریخ کو پیش کیا جائے۔ ان ادوار کو ہم نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ دور دراسات تاریخ اسلامی ۲۔ دور رسالت

۳۔ دور رشادت ۴۔ دور ضلالت ۵۔ دور لحادیت

قارئین تاریخ پڑھنے سمجھنے اور صحیح و سقم میں تمیز کرنے کے اصول و موازین وضع ہونے چاہیے۔ کوئی شخص کسی بھی جہت کے تحت تاریخ لکھے وہ اخبار ہی ہونگے جو صدق و کذب دونوں پر مشتمل ہونگے کیونکہ ہمارے اور مؤرخ تاریخ کے درمیان ایک طویل عرصہ حائل ہے۔ جس طرح معاشرے میں خشک و تر دونوں چلتے ہیں تاریخ بھی ایسی ہی ہے۔ تاریخ چونکہ ناگزیر ہے اور ہم اسے نہ من و عن قبول کر سکتے ہیں اور نہ چھوڑ سکتے ہیں۔ جیسے پہلے ذکر کیا ہم ان صفحات کے اندر سے نکات کو نکال کر اپنے امراض اجتماعی سیاسی ثقافتی کا مداوا کریں گے۔ یہاں تاریخ کے صفحات میں موجود اخبار صدق و کذب میں تمیز کرنے کیلئے رہنما اصولوں کو سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ قارئین کرام جہاں حقائق کو الٹ پلٹ کر منافقین کی پیش کردہ مصنوعات تاریخ میں شامل ہیں وہاں مومنین نے بھی حسن نیت اخلاص کے ساتھ بغیر کسی اصول و ضوابط کے بغیر جھجک نقل کیا ہے جیسے اسرائیلی مصنوعات کو حرام گردانے والے مفتیاں اپنے گھروں میں انھیں خوشی سے استعمال کرتے ہیں۔ فی زمانہ حقائق میں تغیر و تبدیلی, تمسیخ کرنے کی ایک شکل مذکر کو مؤنث بنا کر خانہ نشین اور مؤنث کو مذکر بنا کر معاشرے کی بھاگ ڈور ان کے سپرد کرنا ہے چنانچہ ہر آئے دن کہتے ہیں ہم نے خواتین کو آگے لانا ہے یہاں تک مقدرات اسلامی سے کھیلا گیا اور جمہوریت کے علمبرداران چور دروازے سے انھیں قانون ساز ایوانوں میں لے لائے۔

معاشرے کے پاسداران خرافات نے مجھے خرافات کے خلاف آواز اٹھانے اور تہمت واختراع کے مقابل مردانگی دکھانے کی سزاء میں مجھے مؤنث بنا کر بیواؤں' کنیزوں کی مانند خانہ نشین بنایا ہے۔ مجھے خرافات کے ٹھیکداروں کے سامنے خاضع بنانے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔ قارئین یہ تنہا میرے ساتھ نہیں ہوا بلکہ جس نے بھی انکے اکاذیب' کہانیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا انھوں نے اسکا روزگار ایسے ہی تنگ کیا ہے۔ چنانچہ مناظرِ بلتستان نے علاقہ نصیری آباد سابقہ علاقہ کواردو کے نوجوان نصیریوں کی پیشانیوں پر یا علی مدد کی پٹیاں باندھ کر مولانا شکور اور ثاقب صاحب کو خوفزدہ کرنے اور خانہ نشین کرنے کیلئے آئے۔ ان افراد نے دعوٰی کونو مع الصادقین کا لیبل لگا کر کذب وکاذبین کا ساتھ دیا اور میرے دوست احباب کے ساتھ عزیز وا قارب کو بھی ہم سے دور کیا ہے۔ اس صورت حال میں جن افراد نے یہ سطور لکھنے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا یہ برادران اسلام آباد کے مضافاتی علاقے واہ میں سکونت پذیر ہیں اور اپنی درآمد اور اقتصادی حالات میں بہت نچلی سطح کی زندگی گزار رہے ہیں لیکن دین ودیانت کے چہرے پر داغے گئے داغوں کو اپنی عزت ووقار اور آبرو سے صاف کرنے کی قربانی دینے پر آمادہ ہیں۔ ان میں جناب خادم حسین صاحب، ارشد شیرازی، جناب تاثیر شاہ' مبشر حسین' ابرار حسین' محمد علی' ناصر شاہ صاحب اور محمد تیمور اسی طرح علاقہ چیچہ وطنی کے برادر جناب بابر اقبال و عرفان حبیب بھی اس کاوش میں معاون بنے۔ تاریخ اسلام پڑھنے سے پہلے بطور تمہید یا مقدمہ تاریخ کے عنوان سے کچھ تمہیدات تاریخ کو لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی رب جلیل کریم کے حضور میں دست خاضع ولرزاں بلند ہے کہ اللہ انھیں اپنے سایہ رحمت عنایت میں محفوظ رکھے اور دین اور دینی معاشرہ پر لگنے والے داغوں کو صاف کرنے کی توفیق عنایت کرے۔

رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

علی شرف الدین

﴿ مَا كَانَ اللهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾ ''اللہ مومنوں کو اس حال میں رہنے نہیں دے گا جس حالت میں اب تم لوگ ہو اور یہاں تک کہ پاک (لوگوں) کو ناپاک (لوگوں) سے الگ کردے اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں پر مطلع نہیں کرے گا بلکہ (اسی مقصد کیلئے) اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔'' (آلعمران ۱۷۹)

مدخل الدراسات التاريخ الاسلامي

درسات تاریخ اسلامی سے مراد اس تاریخ کے تمام عناصر ترکیبی پر سیر حاصل بحث کرنا ہے جس میں مکان و زمان، سن و ماہ اور شخصیات غرض و غایت و فوائد کا بیان شامل ہے۔ یہ عنوان تین کلموں پر مشتمل ہے:

۱۔دراسة　　　　۲۔التاريخ　　　　۳۔اسلامي

ہم پہلے مرحلہ میں ان تین کلموں کی توضیح و تفسیر پیش کریں گے۔

۱۔دراسات:

کلمہ دراسہ مادۂ درس سے لیا ہے، درس کسی اثر کو مٹانے یا اپنے سامنے خاضع وانکسار کرنے کو کہتے ہیں۔ ''درسة الرياح' درساً ''یعنی ہوا کے تکرار سے راستہ مٹ گیا۔ اسی سے لباس کہنہ کو دریس کہتے ہیں یعنی بوسیدہ لباس، کسی چیز کے بار بار تکرار ہونے سے پھٹنے کو بھی درس کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے طالبعلم اپنی پڑھائی کو بار بار تکرار کرتا ہے تاکہ ازبر ہو اور اسکا کوئی حصہ فراموش نہ ہو جائے اسے دراسہ کہتے ہیں۔ چنانچہ کسی عبارت یا علم کو اگر تکرار کے ساتھ پڑھا جائے یا اسے حفظ کیا جائے تو وہ اس شخص کیلئے خاضع ہو جاتا ہے مثلاً ''ہم نے اس مسئلے کو مدروس کیا'' یعنی اس کا تجزیہ و تحلیل کیا اور بار بار اس پر غور کیا ہے۔ اسی پس منظر کے تحت پڑھنے لکھنے اور یاد کرنے کیلئے مختص جگہ کو مدرسہ کہا جاتا ہے جہاں انسان ابتدائی تعلیم حاصل کرتا ہے اور حفظ کرنے کیلئے درس کو بار بار دہراتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہر وہ چیز جسے آپ تجزیہ تکرار و تمرن سے جانتے ہیں اسے درس کہتے ہیں، کلمہ درس قرآن کریم کی ان آیات میں آیا ہے۔

﴿ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴾ ''کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟'' (قلم ۳۷)

﴿ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴾ ''اور نہ تو ہم نے پہلے انہیں کتابیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا بھیجا ہے۔'' (سباء ۴۴)

﴿ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴾ ''جو تم (اللہ کی) کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جو کچھ پڑھتے ہو۔'' (آلعمران ۷۹)

﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''اور ہم نے انہیں اعلیٰ مقام پر اٹھایا۔'' (مریم ۵۷)

مفسر کبیر ادیب شعراوی نے اپنی گرانقدر تفسیر کی ساتویں جلد ص ۴۲۸ میں اس آیت میں کلمہ درس کی تفسیر میں کہا ہے:

کلمہ درس تکرار عمل کو کہتے ہیں مثلاً فلاں نے درس فقہ پڑھا اور اس طرح پڑھا گویا اس کا ملکہ ہوا یا اس کو ملکہ حاصل ہوا ہے۔ ایک شخص کا کسی کتاب یا موضوع کو ایک دفعہ پڑھنا درس نہیں کہلاتا بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اسے بار بار پڑھے تاکہ اس کا ملکہ طبیعت میں شامل ہو جائے۔ ہمیں یہ واضح ہونا چاہیے کہ علم اور ملکہ میں بہت فرق ہے، علم معلومات حاصل کرنے کو کہتے ہیں جبکہ ملکہ درس پڑھنے کے بعد اس کی تطبیق کرنا ہے جو عملی زندگی کا حصہ بنتی ہے۔ علم کو درس کہنے کی یہ منطق ایک تجربہ حسی سے ہے جیسے ہم جو یا گندم کو اس کے خوشہ سے نکالتے ہیں اسے صاف کرتے ہیں چنانچہ اس عمل کو دراسة کہتے ہیں۔

درسات تاریخ سے ہماری مراد یہ ہے کہ تاریخ کو اس کے تمام زاویوں اور عناصر ترکیبی 'مکانی و زمانی' شخصیات 'اہداف و غایات' علل و اسباب پر محیط ہو کر پڑھیں۔ دراسات تاریخ سے ہمارا مقصد امت اسلام اور امت قرآن ہیں۔ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو سدھارنے اور بہتر بنانے اور شقاوت و بدبختی ذلت و پستی

سے نجات کیلئے قرآن اور سنت و سیرت محمدؐ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا قرآن و سنت ہمیں گزشتگان تاریخ کے بارے میں کیا ہدایت دیتے ہیں۔ جب کسی قوم کے قدم پھسل جاتے ہیں ان میں لغزش آتی ہے اور اسکا وجود ہواؤں کی زد میں آجاتا ہے اور وہ شکاریوں کے جال میں پھنس جاتی ہے تو اسے اپنے اندر استقلال استقامت پیدا کرنے اور اپنی شوکت و سروری کو واپس لانے کیلئے قرآن کیا ہدایت فرماتا ہے پیغمبر کیا ہدایت فرماتے ہیں؟

قرآن ذلت سے نجات اور اپنا عزت و وقار کھونے والوں کیلئے اپنی سعادت بحال کرنے والوں کیلئے کیا ہدایات دیتا ہے کیونکہ تنہا ہم نہیں بلکہ آدم صفی اللہ سے الی یومنا ھذا قوموں نے جنگ جدال، ترقی، تمدن، تخلف پیش رفت دیکھی ہے لہذا ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ گزشتگان کی سیرت کو پڑھنا چاہیے کیونکہ گزشتگان اور ہمارے درمیان مندرجہ ذیل نکات میں اشتراک پایا جاتا ہے:

۱۔ ہم انسان ہیں اور وہ بھی انسان تھے۔ تاریخ سازی میں پہلا کردار انسان ہی ہے، انسان ہی محور تاریخ ہے۔

۲۔ دوسرا عنصر سرزمین ہے جہاں ہم بستے ہیں یہاں ہی گزشتگان زندگی گزار کر گئے ہیں۔

۳۔ حوادث عروج و زوال ہیں۔ یہ حوادث و واقعات کسی علل و اسباب کے تحت وقوع پاتے ہیں۔

۵۔ وہ بھی تزاحم، تصادم، جدال سے گزرے ہیں اور ہمیں بھی اس دور سے گزرنا ہے۔

۶۔ تاریخ میں خالق کائنات مدبر کائنات کے مشیت کی مداخلت کو دیکھنا ہے۔

جہاں سے امتیں زوال و سقوط، دیار نیست و نابود کی طرف گئی ہیں ہمیں اس راستے پر چلنے سے گریز کرنا ہوگا۔ اسی طرح جہاں سے اقوام و ملل پستی نابودی سے عزت و سعادت کی طرف پہنچی اس راستے کو بھی درک کرنا ہوگا۔ لہذا عقلاء نے کہا ہے عاقل وہ ہے جو دوسروں کی خطا لغزش سے عبرت و نصیحت لیتا ہے۔

تاریخ ہمیں یہ باور کراتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ انسان کے فکر و عمل میں تضاد ایک مہلک ترین جراثیم کی مانند ہے۔ جہاں انسان کی فکر کچھ اور عمل کچھ ہے، اسکے عقائد اور اعمال میں تصادم ہے۔ مغرب ایک الحادی فکر کے ساتھ دنیا میں سرگرم ہے جہاں انکے عقائد و عمل میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے ان کی فکر الحادی ہے اور وہ الحاد کیلئے کام کرتے ہیں لہذا وہ وقتی طور پر کامیاب نظر آتے ہیں۔ جبکہ انسان مسلمان کے عقائد یہ ہیں کہ اللہ موجود ہے انبیاء آئے ہیں انسان کو یہاں سے کسی اور حیات میں منتقل ہونا ہے یہ اس کے زاویہ فکر میں ضعیف درجہ پر ہی کیوں نہ ہوں موجود ہیں، لیکن عملی زندگی میں وہ دانستہ یا تقلید کورانہ کو اپناتے ہوئے ان سے متصادم اعمال بجالانے پر تلے ہوئے ہیں لہذا عقائد و اعمال میں اختلاف کی وجہ سے انکی دنیا بھی برباد ہو رہی ہے اور آخرت بھی۔ لہذا ہمارے لئے گزشتگان کی تاریخ کو پڑھنا ناگزیر اور ضروری ہے چنانچہ حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو وصیت کرتے وقت فرمایا:

"ای بنی انی وان لم اکن عمرت عمر من کان قبلی فقد نظرت فی اعمالھم و فکرت فی اخبارھم وسرت فی آثارھم حتی عدت کاحدھم، بل کانی بما انتھی الی من امورھم قد عمرت مع اولھم، الی آخرھم فعرفت صفو ذلک من کدرہ و نفعہ من ضررہ فاستخلصت لک من کل امر نخیلہ (خلاصتہ) وتوخیت لک جمیلہ و صرفت عنک مجھولہ"

"اے فرزند! اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی لیکن میں نے ان کے اعمال میں غور کیا ہے اور ان کے اخبار میں فکر کی ہے اور ان کے آثار میں سیر و سیاحت کی ہے اور میں صفائی اور گندگی کو خوب پہچانتا ہوں نفع و ضرر میں امتیاز رکھتا ہوں میں نے ہر امر کو چھان پھٹک کر اس کا خالص نکال لیا ہے اور بہترین تلاش کر لیا ہے اور بے معنی چیزوں کو تم سے دور کر دیا ہے"۔ (نہج البلاغہ حکمت ۳۱)

دراسہ تاریخ اسلامی کا مفہوم و معنی یہ بھی ہے کہ شخص قاری تاریخ اسلامی یا مؤلف و محرر تاریخ اسلامی، تاریخ اسلام کے تمام ابعاد و حدود کو پڑھیں تمام ذی ربط مطالب کو سامنے رکھ کر پیش کریں ورنہ یہ دراسات نہیں کہلائیں گے بلکہ لقلقہ لسانی کہلائے گا۔ تاریخ اسلامی کے حدود و ابعاد میں ہم دیکھیں گے کہ جس وقت حضرت محمدؐ نے اعلان رسالت کیا اس وقت آپ کی شخصیت کو عامۃ ناس کس تناظر سے دیکھتے تھے اس وقت مکہ جزیرۃ العرب میں اور اس کے گرد و نواح میں کس دین کا راج تھا، اس وقت افاق اور اجتماع میں کیا اثرات مرتب ہوئے تھے۔ اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی صورت حال کیا تھی، خود آپ کی رسالت کا مضمون محتویٰ کیا تھا اور یہ کس سمت کی طرف گرائش و جھکاؤ رکھتی تھی۔ آیا یہ رسالت یہودیت کی طرف گرائش رکھتی ہے جسکا مقصد صرف دولتِ دنیا بنانا تھا جس طرح آج کل کے بعض

انقلابی علما خدمت خلق کے نام سے این جی اوز کے ساتھ اشتراک کرتے ہیں اور سادہ لوح مولویوں کو دھوکہ دے رہے ہیں یا نصرانیت کی طرف جھکاؤ تھا، جہاں رہبانیت یعنی دنیا سے قطع تعلقی اور اذکار و ادعیہ کی تلقین ہے یا اللہ کے نازل کردہ آئینِ حیات تورات و انجیل کو معطل کئے ہوئے تھے جیسے آج کل روشن خیال سیاستمدار آیات قرآن اور سنت رسولؐ کی جگہ حقوق بین الاقوامی کی اسناد دیتے ہیں۔ مظلوم و مقہور انسانوں کیلئے نازل شدہ تغیر ناپذیر آئین کو پس پشت ڈال کر ہر آئے دن اس قرآن کے خلاف دعویدار دہری شریعت والے قانون وضع کرتے ہیں۔ اب تو قانون کے محافظ اور سیاست مداروں اور شارحین قانون کے درمیان قانون سازی کیلئے ہاکی میچ چل رہا ہے۔

کعبہ کے اندر ریا یا ہر رکھے گئے ۳۶۰ متوسلات اصنام مشرکین کی جگہ قرآن اور محمدؐ کے ساتھ متوسلیات اختراع کئے گئے ہیں۔ دستار پوشوں اور عمامہ پوشوں کا اصرار ہے ان سے گزرے بغیر اللہ تک پہنچنا ناممکن ہے انھیں یہ آیت کریمہ بے معنی و بے مصداق نظر آتی ہے۔ جہاں اللہ فرماتا ہے میں تمہاری رگ حیات سے بھی زیادہ سے قریب ہوں۔

زمان بعثت نبی کریم میں معجزے طلب کرنے والوں کی رد میں اللہ نے سورہ اسراء کے ذریعہ انھیں رد کیا۔ آج ہر پیر و ملنگ و مفاد پرست صوفی ازم کے پرچار کرنے والے طلسمات گالی یا گولی کے ذریعہ استدلال کنندہ کو دبا دیتے ہیں۔

قارئین دراسۃ تاریخ کے اہداف و غایات میں سے ایک شناخت سنن و قوانین تاریخ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اس کائنات میں قانون تشریعی کے علاوہ بعض دیگر متعدد مختلف سنن و قوانین نافذ ہیں۔ ان میں سے ایک سنت، سنت کونی ہے جیسے لیل و نہار کی گردش، سیل انجم سیار، شمس و قمر ایک قانون اور سیر کے تحت محدود و معین منزل کی طرف گردش میں رہتے ہیں۔ کسی بھی دن سننے میں نہیں آیا کہ سورج دیر سے طلوع ہوا یا دیر سے غروب ہوا ہے۔ اسی طرح چاند و دیگر ستارے وغیرہ اپنے اپنے مدار میں رو بہ عمل ہیں۔

علم تاریخ، رائج اور متداول علوم میں ایک بڑے مقام و منزلت کا حامل ہے۔ مکاتب انسانی اور اسلامی میں کتب تاریخ نے ایک معتبر جگہ بنائی ہے۔ علم تاریخ کی اہمیت و منزلت کسی سے پوشیدہ نہیں کیونکہ یہ بہت فوائد اور حیات بخش ثمرات کا حامل ہے۔ ابن اثیر نے تاریخ کے بارے میں لکھا ہے: "اللہ نے جس انسان کو طبع سلیم اور علم سے نوازا ہے، اسے راہ مستقیم دکھائی ہے وہ جانتا ہے دنیا و آخرت دین و دنیا میں تاریخ کے کیا فوائد و ثمرات ہیں جس دن سے انسانِ عاقل نے اس کی اہمیت کو درک کیا، اس کی طرف اسکی توجہ بڑھتی جارہی ہے"۔ بسا اوقات بعض نے علم تاریخ کو ہی ایک وسیلہ ذریعہ تربیت انسان بنایا ہے طبقات انسانی سے کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ قائدین سیاسی ہوں یا فرق مذاہب باطلہ ہوں، سب تاریخ کو تقدیس و تجلیل کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے سیاستدان نے زیادہ تر ہٹلر کارل مارکس وغیرہ کی تاریخ کو پڑھا ہے۔ کیونکہ ایک طرف سے مغرب انہیں اس پر اسکالرشپ دیتی ہے تو دوسری طرف سے انہیں آمریت سکھاتی ہے۔ جب تاریخ اس قدر کثیر الفوائد ہے تو کیونکر مسلمان اس علم سے اپنے عقیدے اور شریعت کی سربلندی اور فروغ اشاعت کے لیے استفادہ نہ کریں۔ وہ شخص جو اپنے رب کے ساتھ اپنے دین کے ساتھ اپنی دعوت میں مخلص ہے اسے چاہیے کہ وہ تاریخ کو پڑھے اور اس کے ذریعے اپنے دین کو فروغ دے اور اپنی امت کو اپنے سلف گذشتہ اخیار صلحاء سے وصل کرے۔ یہاں تاریخ سے مراد مجرد معلومات حکایات کہانیاں نہیں بلکہ تاریخ کا مقصد امت کو عروج و بلندی تک پہنچانا ہے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس اہمیت اور کثیر الفوائد علم کو قرآن کریم کی آیات کی شعاعوں میں دیکھیں اور پڑھیں گے۔

تاریخ کا تجزیہ تحلیل اس کے عناصر ترکیبی سے جداگانہ طریقے سے اخذ کرنا ہوگا تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تاریخ کے عناصر میں سب سے اہم کردار کس عنصر کو حاصل ہے۔ خاص کر ہم دین کے حوالے سے دیکھیں کہ تاریخ سازی میں دین کا کوئی کردار ہے یا نہیں۔ شہید باقر الصدرؒ نے اپنے دروس قرآنی میں اس موضوع کے مطالب کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے اٹھایا ہے۔ ان کا کہنا ہے تاریخ کا بنیادی عنصر انسان ہے انسان سے ہی تاریخ منتج ہے لہٰذا تاریخ کو گردش دینے والا انسان ہی ہے کیونکہ دیگر موجودات کی حرکت سے انسانی حرکت مختلف و ممتاز ہے۔ حرکت انسانی حرکت باہدف باغرض و غایت ہے یہ ایک مقصد اور غرض و غایت کی طرف رواں دواں ہے۔ حرکت انسان کے اندر اس کا مستقبل ہے دوسری طرف انسان کی ہر سرگرمی کی طرف اسے حرکت دینے والا عنصر اس کے ذہن میں جاگزین مستقبل ہے جو ابھی معدوم ہے لیکن وہ اس تک رسائی کیلئے پُرعزم ہے۔ قرآن کریم کی اکثر و بیشتر آیات تاریخ پر مشتمل ہیں۔ اس میں بہت سی آیات آیات

محکمات ہیں اور کم آیات متشابہات ہیں تاہم قرآن سے نامحرموں کے لیے تمام قرآنی آیات متشابہ ہیں خاص کر کے منافقین ومعترضین ہمیشہ آیات متشابہات سے استناد کرتے ہیں تاہم تاریخ کے لیے آیات قرآن سے استناد کرنے کے لیے ایمان بہ قرآن کے علاوہ مصادر قرآن فہمی اور مزاج قرآن شناسی کا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔جب ہم قرآن کی آیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں تاریخ کے بارے میں قرآن میں کثیر آیات ملتی ہیں۔قرآن نے تاریخ کو پیش کرتے وقت ان نکات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾''(ان سے) کہہ دیجیے: زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے؟۔''(انعام ۱۱)

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾''تم سے پہلے مختلف روشیں گزر چکی ہیں پس تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔''(آل عمران ۱۳۷)

﴿ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴾''اور ہم نے اس قوم پر ایک بارش برسائی پھر دیکھو ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔''(اعراف ۸۴)

﴿ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴾''اور یہ بھی یاد کرو جب تم کم تھے اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔''(اعراف ۸۶)

﴿ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾''پھر دیکھو مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔''(اعراف ۱۰۳)

﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴾''پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔''(یونس ۳۹)

﴿فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴾''مگر جب انہوں نے نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے بچالیا اور انہیں (زمین پر) جانشین بنا دیا اور ان سب کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو جنہیں تنبیہ کی گئی تھی (نہ ماننے پر) ان کا کیا انجام ہوا۔''(یونس ۷۳)

﴿فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴾''تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو گرفت میں لے لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا، پس دیکھ لو ظالموں کا انجام کیا ہوا۔''(قصص ۴۰)

﴿ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴾''پس دیکھ لو! ان کی مکاری کا کیا انجام ہوا، ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو نابود کر دیا۔''(نمل ۵۱)

﴿ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾''چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لو تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔''(زخرف ۲۵)

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴾''کہہ دیجیے: زمین میں چل پھر کر دیکھ لو گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔''(روم ۴۲)

شقاوت وبدبختی دکھ مصیبت پریشانیوں سے نجات اور راہ سعادت سے ہم کنار ہونے کیلئے نبی کریم بھی محتاج تھے لہذا اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ گزشتہ انبیاء کی تاریخ کو پڑھیں اسے سامنے رکھیں۔نبی کریم کے نصاب رسالت میں سے ایک تاریخ انبیاء بھی تھی۔

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴾''یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں اور آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ ہی آپ ان کے پاس (اس وقت) موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''(آل عمران ۴۴)

﴿ وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ''اور (وہ) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا): میں تمہارے پروردگار کی طرف نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر کے رکھتے ہو، اگر تم صاحبان ایمان ہو تو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے۔'' (آل عمران ۴۹)

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ' وَلَٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ ''اور آپ اس وقت (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور آپ مشاہدہ کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ لیکن ہم نے کئی امتوں کو پیدا کیا پھر ان پر طویل مدت گزر گئی اور نہ آپ اہل مدین میں سے تھے کہ انہیں ہماری آیات سنا رہے ہوتے لیکن ہم ہی (ان تمام خبروں کے) بھیجنے والے ہیں۔'' (قصص ۴۴۔۴۵)

۲۔التاریخ:

ماہرین لغت اور مورخین کے درمیان اختلاف ہے کہ تاریخ کلمہ عربی ہے یا عجمی۔ ابن منظور، فخر رازی اور سخاوی نے کلمہ تاریخ کے بارے میں لکھا ہے: تاریخ تورخ سے ہے تورخ کا معنی وقت کی تعریف ہے۔ ارخ، ورخہ دونوں کے ایک معنی ہیں۔ لغت میں تاریخ وقت کا اعلان کرنا ہے یعنی ہم نے وقتِ کتابت کو بیان کیا، وقت کا تعین کیا۔ چنانچہ ان کے مطابق یہ کلمہ عربی ہے۔

۱۔بنوتمیم نے کہا ہے: ''ورخت الکتاب توریخاً'' قیس نے کہا: ''ارخته تاریخاً'' ان دونوں کے نزدیک یہ کلمہ عربی ہے۔

۲۔ابوالفرج اصفہانی سے نقل کیا ہے یہ لفظ عجمی ہے: اصل میں یہ کلمہ فارسی (ماہ روز) سے مآخوذ ہے یعنی چاند، دن اس کی جوالیقی نے بھی تائید کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے: تاریخ عربی ہے نہ فارسی بلکہ مسلمانوں نے اسے اہل کتاب سے لیا ہے۔

۳۔لغت نے ترقی کا تسلسل جاری رکھا چنانچہ آگے چل کر اس لفظ کا حادثہ نقل کرنے پر اطلاق ہونے لگا یعنی کسی بھی واقعہ کے وقوع ہونے کو بھی تاریخ کہا جانے لگا۔ تاریخ گزشتگان اور ان کے آثار کا پتہ لگانے کو کہتے ہیں، تاریخ ایک انشائی اور ادبی فن ہے جسے مورخ نے تاریخ کے واقعات لکھتے وقت اپنایا ہے۔

۴۔ڈاکٹر حسین نصار اور مستشرق نے لکھا ہے: بعید ہے کہ یہ کلمہ فارسی ہو، دونوں نے عربی ہونے کو ترجیح دی ہے اور کہتے ہیں یہ کلمہ ارخت سے بنا ہے یہ کلمہ اس وقت کے تمام لغات، سامی، عبرانی کی لغات میں رائج تھا تاریخ مہینہ کو کہتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے: یہ لفظ عربی ہے یہ مشتق (و۔ر۔خ) ہے جنوبی یمن والے اسے استعمال کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کلمہ ''تاریخ'' ''ارخت'' سے مشتق ہے، جنگلی گائے کے بچہ کو کہتے ہیں یعنی جس طرح جنگلی گائے سے بچہ نکلتا ہے اسی طرح تاریخ بھی وقت سے نکلتی ہے۔

۵۔مقرزی نے کہا ہے: تاریخ زمان ماضی میں رونما ہونے والے حوادث کو کہتے ہیں، بعض نے تاریخ کی تعریف یوں کی ہے، تاریخ اس علم کو کہتے ہیں جس میں زمان اور زمانیات سے متعلق بحث و گفتگو کی جاتی ہے، بعض نے کہا ہے تاریخ ظاہر و باطن میں ربط جوڑنے کا نام ہے، بعض دیگر نے کہا ہے یہ ایک علم نظری انسانی ہے جس میں حوادث زمان وقت کی تفسیر تعلیل توجیہ بیان کی جاتی ہے۔ بعض نے بہت سے حوادث کے مجموعے کو کہا ہے جو انسانوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہوا ہے، بعض دیگر حوادث اوضاع عالم کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کو کہتے ہیں، بعض نے حیات انسانی پر حاکم قواعد و ضوابط کو تاریخ کہا ہے، امام شیرازی نے کہا ہے تاریخ حوادث کے مفردات کو زمان و مکان اور خاص افراد سے جوڑنے کا نام ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ عربی کلمہ ہے جو اسلامی آثار میں ملتا ہے۔ تاریخ میں وسعت آنے سے کسی بھی چیز کا وقت تعین کرنے کو تاریخ کہا جانے لگا۔

تاریخ اصطلاح میں ایک فن ہے جس میں زمانے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث کے وقت کا تعین کیا جاتا ہے یعنی پیدا اور وفات پانے والے اولاد ذرواۃ، آئمہ، حکام، علماء، انبیاء حتیٰ زلزلہ، چاند گرہن، سورج گرہن، حکومت کا قیام اور زوال، قصص انبیا، تخلیق کائنات، وبا پھیلنا وغیرہ کے وقت معین کرنے کو

تاریخ کہتے ہیں۔ دکتر حسین نصار نے کہا ہے: لفظ تاریخ کا آغاز تین اوقات سے گزر کر سامنے آتا ہے:

۱۔ سامیوں نے اپنے مہینے سورج کی بجائے چاند سے معین کئے وہ اپنی تاریخ دن کی بجائے رات سے طے کرتے تھے چنانچہ تاریخ ہجری بھی اسی طریقے سے ہے جو کچھ مہینہ میں واقع ہوتا اسے لکھتے تھے۔

۲۔ بیشتر مؤرخین نے ماضی کے حوادث کو تاریخ کہا ہے ماضی سے اُنکی مراد وہ ماضی ہے جو انسان سے مربوط ہے، یعنی جب سے انسان نے روئے زمین پر اپنے آثار چھوڑے ہیں، اُنکا ذکر کرنا تاریخ کہلاتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے تاریخ یونانی کلمہ "ہسٹری" کے ہم معنی ہیں۔ ہسٹری ان کے پاس ان حوادث کا تجزیہ و تحلیل کرنا ہے جو افرادا جتماعات سے متعلق پڑھتے ہیں۔

۳۔ بعض نے کہا ہے تاریخ کسی چیز کے وقت اور انتہا کو کہتے ہیں۔ تاریخ مصدر ہے اور اس کا فعل ارخہ لکھا ہے، جبکہ لغت بنی تمیم میں ورخ آیا ہے لیکن ارخۂ کا رواج کہیں نظر نہیں آیا کہ کسی نے روخۂ استعمال کیا ہو۔ بعض مفکرین نے کہا ہے تاریخ کی برگشت فارسی کے کلمہ ماہ روز کی طرف ہے یعنی مہینہ اور دنوں کا حساب یا وہ زمانی اوقات جس کا حساب چاند کے ظہور اور خفا سے بنتا ہے۔

تاریخ علوم انسانی میں سے ہے۔ یہ لغو اوہام خیال اور خرافات کوئی و افسانہ کوئی نہیں بلکہ تاریخ نویسی عمل انسانی ہے۔ انسان ہمیشہ بہت سی چیزوں حرکات وسکنات، شخصیات یا اپنی آرزوں اور تمنیات سے متاثر و محکوم ہوتا ہے۔ لہذا تاریخ دان کو تاریخ نویسی کے موقع پر قلم تاریخ اس کے دست عقل میں رکھنا چاہیے، لکھتے وقت اسے احساس ہونا چاہیے کہ وہ جس کا ذکر کر رہا ہے اس کی حرکات معتبر او رصادق ہیں یا نہیں، اس کی کوشش حقیقت بیانی پر مشتمل ہونی چاہیے، اسکی غرض و غایت کسی بھی نقل کے موثق ہونے کی تصدیق ہونی چاہیے۔ محقق کے اہداف میں کسی قطع تاریخ کی توثیق و تائید یا نفی ہونی چاہیے۔ اس کا مقصد تاریخ نویسی اور اس کی تحلیل و تجزیہ ہونا چاہیے۔ مؤرخ چاہے جتنے بھی مواد و مصادر جمع کرے تھوڑی دیر کیلئے ان پر سوچ و بچار کرے، غور وفکر کرے، تفکر و تدبر کرے اور ان معلومات یا ان وثیقہ جات و منقولات کو عقل اور تجربے کے سامنے اور اصل نقل کے سامنے خاضع کرے۔ اسے ایکسرے سے گزارے تا کہ ایک مسلم صحیح و واضح، نا قابل تردید اور شک و شبہات سے دور تاریخ پیش کرے۔ تاریخ کو خشک بیانی اور فلسفہ یونانی سے نکال کر حقائق و تجربات کے سامنے نمایاں کرے۔ کسی بھی مسئلہ اختلافی کو جو کثرت اختلاف و جنجال کا شکار ہے ایک نظریہ کو ترجیح دے کر باقی نظریات کو اس ایک نظریے پر فدا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ متاثر ہوئے بغیر غیر جانبدار ہو کر کسی ایک کو ترجیح دیں یا اسے مشکوک چھوڑ کر بعد میں آنے والوں کیلئے چھوڑے۔ دوسری طرف اگر لکھنے والا ایک بڑی شخصیت کا مالک ہو تو اس کی سطورات بعد میں آنے والوں کیلئے وحی منزل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں چنانچہ وہ اپنی نقل میں لکھتے ہیں کہ فلاں مؤرخ نے لکھا ہے۔ مطالب کو واضح کرنے کیلئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

بطور مثال بہت سی ادبی کتب میں یہ عنوان آیا ہے، **متکلمه بالقرآن** یعنی اپنی تمام گفتگو کو آیات قرآن کے ذریعے پیش کرنے والے۔ یہاں کسی کا نام نہیں کسی خاتون کا ذکر کہیں نہیں آیا لیکن بعد میں کسی نے اسے بنام فضہ خادمہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کہا، پھر انہوں نے اس فضہ کا نسب بتاتے وقت کہا یہ بلاد نوبخت کی اسیر تھی بعض نے کہا ہے بادشاہ ہندوستان سے جنگ کے نتیجے میں مدینہ کے بازار میں بردہ فروش ہو کر آئیں۔ اس فضہ کے ماں باپ یا شوہر کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اب اگر آیت اللہ جوادآملی جیسے فقیہ اور مفسر و عارف شخص اپنی کتاب میں لکھیں کہ "**فضه یک زن عارفه بود**" تو یہ بعد میں آنے والے کیلئے وحی منزل بن سکتی ہے جب کہ حقیقت میں یہ ایک افسانہ ہے۔

دوسری مثال بہت سی کتابوں میں حوالہ شیخ عباس قمی کی نفس المهموم، مفاتیح الجنان، منتہی الآمال کی طرف دی جاتی ہے اور ان کے نام سے توثیق کی جاتی ہے اور یوں اپنے مدعیٰ کو ثابت کیا جاتا ہے، حالانکہ محدث قمی ارسال مرسلات میں خود قہرمان تھے۔

تیسری مثال سورہ کہف میں جہاں حضرت موسیٰ اور عبد صالح کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی سند وہب بن منبہ کی روایت کے تحت عبد صالح کو خضر سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن یہ خضر کہاں کے رہنے والے تھے، کس نبی کے بیٹے تھے یا اولیاء میں سے تھے یا نہیں بیان نہیں ہوا۔ تمام صوفیوں عرفانیوں امثال طاؤس و قمی و کفعمی کے مرسلات کی سند ان پر رکتی ہے۔ ان کی حیات سے متعلق اقوال عقائد جامع تضادات پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح امام مہدی کے ظہور کا ذکر تاریخ اسلامی میں حضرت علی کے بعد سے شروع ہوتا ہے کہتے ہیں آپ نے وفات نہیں پائی بلکہ غیبت میں گئے ہیں۔

اس کے بعد ہر امام کی وفات کے بعد اس کو امام مہدی گردانا گیا۔نیز ہر تحریک چلانے والے کے قتل کے بعد اس کو مہدی گردانا گیا۔یہاں تک امام حسن عسکری کی وفات کے بعد سعد اشعری اور نوبختی کے کہنے کے مطابق شیعہ پندرہ فرقوں میں بٹ گئے۔

آپ کے بعد امام کون تھا؟ محدث قمی نے لکھا ہے: آپ کی ماں کا عقد عالم برزخ میں حضرت محمد اور حضرت عیسیٰ نے پڑھا ہے۔محدث غالی ہاشم بحرانی نے ۱۲۰ آیات اور ۴۵۰ روایات سے آپ کے وجود کے بارے میں استدلال کیا ہے لیکن یہ تمام آیات اپنی جگہ آیات متشابھات ہیں، آیات متشابھات مصادیق کثیرہ کی حامل ہوتی ہیں ان میں سے ایک مصداق پر اکڑنا علامت منافقین بتاتی ہے۔آیات محکمات اور روایات مستندات سے مایوس ہونے کے بعد اس نظریہ کو اقوام وملل کے عقائد میں گردانا گیا، گویا ملل ونحل کے عقائد بھی ایک مصدر عقائد میں سے ہیں۔جیسا کہ مرتضی مطہری فرماتے ہیں ہم بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔لیکن یہاں اقوام وعالم سے مراد اقوام صالح نہیں بلکہ مفاد پرستوں کی اختراعات ہیں۔جس کی نمائندگی آج مرتضی زیدی صاحب فرمارہے ہیں اور آپ کے نام سے شہر سازی میں مصروف ہیں۔

کلمہ تاریخ کے ارتقائی منازل:

کلمہ تاریخ اپنے ارتقائی منازل میں گزشتہ زمانے میں وقوع ہونے والے حوادث واقعات کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کیلئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن اس کا استعمال انتہائی سست روی سے ہوا۔بعض مؤرخین نے اس کی ابتداء تیسری صدی سے کی ہے۔تاریخ محمد بن سلیمان الکافیجی کی نظر میں تاریخ وہ علم ہے جس میں زمان اور احوال اور اس سے متعلق وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔

ابن بشر مؤرخ نجد عثمان بن بشر نے عنوان نجد فی التاریخ میں لکھا ہے، علم تاریخ شریف ہے اس میں عبرتیں ہیں اور زمانے کی گردش کے بارے میں آگاہی ہے، گذشتگان کے حالات ہیں جو ذہن وافکار کو بیدار کرتے ہیں اور انسان عاقل اپنے آپ کو اپنے جیسوں سے، جو اس دنیا سے گزر گئے ہیں موازنہ کرتے ہیں۔

کتاب البحث فی التاریخ ص ۷ میں آیا ہے تاریخ لغت عرب میں زمان بیان، وقت اور نئے واقعہ کے اثبات کو کہتے ہیں، علامہ سخاوی متوفی ۱۴۴۵ھ ق اپنی کتاب اعلان بالتوبیخ لمن ذمت تاریخ میں لکھا ہے: تاریخ وقت کو کہتے ہیں اس کو توڑخ بھی کہتے ہیں۔ارخة الکتاب ورخنه ،امی بینة وقت الکتابه۔ تاریخ ایک فن ہے جس میں زمانے میں واقع ہونے والے حوادث کا تعین کیا جاتا ہے۔

علامہ جوہری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے بعض نے کہا ہے، کلمہ تاریخ اَرَخ یا اِرَخ وحشی گائے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، کیونکہ یہ ایک نئی چیز ہے عام خیال یہ ہے کہ یہ کلمہ عربی الاصل ہے، چنانچہ ابوالفرج قدامہ بن جعفر نے اپنی کتاب الخروج میں لکھا ہے ہر چیز کی تاریخ اس کے آخر کو کہتے ہیں جہاں اس کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے کہتے ہیں یہ فلاں قوم کی تاریخ ہے یعنی اس کی شرافت یہیں پر انتہا ہوتی ہے، مقرزی کہتے ہیں، کسی چیز کی بزرگی، کرم اور فخر اس پر انتہا ہوتی ہے۔

کتاب التاریخ تالیف سعید بدر الحلوانی ص ۱۰ میں لکھا ہے تاریخ دن رات کے مجموعے کو کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے تاریخ الشیء اس کی غایت اور انتہا کو کہتے ہیں۔بعض نے کہا ہے کلمہ تاریخ ترجمہ یا تبدیل لغت ماہ وروز کا، کلمہ تاریخ اپنی جگہ اس کی اصل عربی ہے یا معرب فارسی ماہ وروز سے نکالا ہے یا سریانی ہے، اس میں اختلاف ہے۔ماہ سے مراد مہینہ اور روز سے مراد دن، یعنی زمانہ ان کے نزدیک چاند کے ظہور وغیاب سے بنتا ہے یہاں سے تاریخ کا حساب قمری درست قرار پاتا ہے نہ کہ شمسی، لہٰذا تاریخ کا مفہوم معرفت وقت اور اعلام بالوقت ہے۔جوہری نے اپنی کتاب صحاح اللغت ج ۱ ص ۱۸ میں لکھا ہے تاریخ تعریف وقت کو کہتے ہیں۔

ابن خلدون اپنی مقدمہ تاریخ ص ۶ پر لکھتا ہے تاریخ ظاہر میں ایام دول اور گزشتہ زمانوں کے اقوال کے تکرار کو کہتے ہیں۔مقرزی نے کہا ہے: تاریخ زمان ماضی میں رونما ہونے والے حوادث کو کہتے ہیں، بعض نے تاریخ کی تعریف یوں کی ہے کہ تاریخ اس علم کو کہتے ہیں جس میں زمان اور زمانیات سے متعلق بحث وگفتگو کی جاتی ہے اس کے مقابلے میں بعض نے کہا ہے کہ تاریخ ظاہر و باطن میں ربط اور جوڑنے کو کہتے ہیں یا حوادث میں ایک دوسرے پر اثرات مرتب کرنے کو کہتے ہیں، بعض دیگر نے کہا ہے یہ ایک علم نظری انسانی ہے جس میں حوادث زمان کے وقت کی تفسیر وتعلیل توجیہ کرنا شامل ہے۔بعض نے بہت سے حوادث کے مجموعے کو تاریخ کہا ہے جو انسانوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہوتے ہیں، بعض دیگر حوادث اوضاع عالم کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کو کہتے ہیں، بعض نے حیات انسانی

پر حاکم قواعد وضوابط کو تاریخ کہا ہے امام شیرازی نے کہا ہے: تاریخ حوادث کے مفردات کو زمان ومکان یا خاص افراد سے جوڑنے کو کہتے ہیں۔

تاریخ ایک بڑا ظرف ہے ایک وسیع میدان ہے بلکہ ایک ایسا جامع باغ ہے جس میں ہر قسم کے پھل ہیں۔ جس میں گزشتہ علماء ودانشوران ودانشمندان نے اپنی صلاحیت کی حدود میں رہتے ہوئے معارف بیان ہوئے ہیں۔ تفسیر علوم دینی طبیعیات، کیمیائی، فزکس، جغرافیائی، ریاضی بشریت کے حاصل کردہ معارف کا نچوڑ و خلاصہ ہے۔ اس ظرف میں اہل فکر ودانش بحث وکاوش کیلئے گزشتہ علماء محققین کے ثمرات اور تحقیق تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

تاریخ ایک منطقہ، علاقہ ہے۔ ابحاث علمیہ گرانقدر ثمرات وفوائد سے بھری ہے۔ اس میں واضح ہے کہ گزشتگان ان علوم وفنون تک کیسے پہنچے اور اگر ہم چاہیں تو ان تک کیسے اور کب پہنچ سکتے ہیں اور ہماری ان تک رسائی کے راستے میں کیا موانع، کیا مشکلات اور رکاوٹیں حائل ہیں اور ہم سے کس قدر جد وجہد تلاش و کوشش مطلوب ہے۔

کیا تاریخ ایک سیاہ رات میں جاری حرکت جبری کی مانند ہے جو ارادے اور مشیت سے باہر ہے۔ دنیا میں موجود تقدیم وتاخیر پسماندگی، سعادت، شقاوت، ذلت وعزت، آبرو کو جن اقوام سے نسبت دی جاتی ہے یہ جبری اور ماوراء اختیار ہے یا یہ سب کچھ انسان کا پیدا کردہ ہے۔ یہ انسان ہے جو اپنی ترقی وتمدن، سعادت و عزت سب کو ویران کرتا ہے یا ان ویرانیوں، بربادیوں اور شکستگی سے خود اور اپنی قوم کو نجات دلاتا ہے۔

تاریخ کے اس تعارف سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ بڑے بڑے واقعات وحوادث کو نہیں کہتے بلکہ ہر ایک چیز کی اپنی حیثیت حدود کے اندر اس کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ چھوٹے گاؤں کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے، جس طرح بڑے شہروں کی ہوتی ہے چھوٹے بڑے قبائل وعشائر کی اپنی تاریخ ہوتی ہے، جس طرح تمام انسانوں کی تاریخ ہوتی ہے۔ ادیان ومذاہب میں فرقوں کی اپنی تاریخ ہوتی ہے مثلاً اشاعرہ کی تاریخ تیسری چوتھی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں بعض سنیوں کی تاریخ ہندوستان کے شہر بریلی سے شروع ہوتی ہے لہٰذا یہ خود کو بریلوی سے متعارف کرواتے ہیں، اتر پردیش کے ایک گاؤں بریلی میں احمد رضا خان نے اسکی بنیاد رکھی ہے۔ موسوعہ میسرہ کی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ اور ۲۸۴ کے مطابق گیارہویں ہجری میں دیوبندی فرقہ کی بنیاد پڑی۔ تحریک اسماعیلیہ فارس مغرب میں ۲۶۲ ہجری سے شروع ہوئی ہے۔ نویں صدی ہجری کو صفویوں نے اس میں ترمیم کر کے اثناعشریہ کے نام سے تبریز سے نئی دعوت کا آغاز کیا۔ اسلام سرزمین مکہ سے محمدؐ نے شروع ہوا لہٰذا اس کی تاریخ مکہ ومدینہ ہے۔ جبکہ فرقوں کی تاریخ اور نقطہ آغاز تیسری صدی سے بارہویں صدی تک سلمیہ شام، فاس مغرب، تبریز فارس سے بریلی ودیوبند سے ہند آغاز ہوا ہے۔ یہاں ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ آخر ان فرقوں کو مکہ ومدینہ کی جگہ دیوبند، بریلی اور محمدؐ کی جگہ جعفر صادق اور احمد رضا خان کیوں پسند ہیں۔ اسلام کی تاریخ ہجرت نبی، قمری مہینے محرم الحرام سے ہوتی ہے، اس کے بالمقابل میں مسیحیت تاریخ میلادی کیوں پسند آتی ہے۔ بعض کا آغاز سال نوروز ۲۱ مارچ سے یا یکم جنوری میلاد مسیح، زردشتی سے شروع کرتے ہیں۔

شریعت اسلام میں ہر انسان کی تاریخ ولادت لکھنے کی ہدایت کی گئی تاکہ اس کے اوپر عائد فرائض وواجبات کا تعین کریں۔ قارئین جب بچھڑے یا ہر مولود ذی حیات کی ایک تاریخ ہے تو کیونکر راقم محصور ناظم آبادی کی تاریخ نہیں۔ لہٰذا یہاں دیکھنا ہوگا ان کا محاصرہ کب سے شروع ہوا؟ ان کی کتابیں پڑھنے، خریدنے اور پھر بعد میں چھپنے پر پابندی کس تاریخ کو لاگو کی گئی؟ حاضر کتاب کی تدوین کے وقت وہ کس دکھ اور مصیبت سے گزرے ہیں؟

یہاں سے ان دوستوں کے اعتراضات بھی رفع ہو جاتے ہیں، جن کا کہنا ہے "اب تو انہوں نے شخصیات کو بھی نہیں چھوڑا" جب شخصیات کے اس مظلوم پر ظلم ڈھانے کی تاریخ ہے تو کیونکر ان شخصیات کی نشاندہی کی تاریخ نہ ہو۔ یہ اعتراض قرآن سے اجنبیت کا نتیجہ ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اپنے انبیاء کی رسالت کو روکنے والوں کا ذکر کیا ہے تو ہمارا عمل بھی انبیاء کی رسالت کو پہنچاتے وقت روکنے والوں کی نشاندہی کرنا تاسی بہ قرآن ہے۔

غرض ہم دوبارہ موضوع کی طرف واپس آتے ہیں، تعیین وقت میں عرب جاہلیت میں کس فکر ونظریہ پر قائم تھا۔ اس بارے میں کتاب تاریخ والمورخون العرب تالیف سید عبدالعزیز سالم ص ۴۰ پر آغاز تاریخ گزاری کی تفصیل یوں آئی ہے کہ عرب ہر مشہور ومعروف رونما ہونے والے حوادث سے تاریخ کو شروع کرتے تھے:

۱۔ عرب عدنانیوں نے اپنی تاریخ کو حضرت اسماعیلؑ کے مکہ میں آمد وقیام سے شروع کیا۔

۲۔بعض عربوں نے ان کی اولاد منتشر ہونے سے شروع کیا۔

۳۔بعض نے تاریخ کو عمر بن لحی خزاعی ، جو کہ قبیلہ جرہم کے مکہ بدری کے بعد زعامت وریاست مکہ پر قابض ہوا جس نے دین ابراہیم کی بجائے بت پرستی کی بنیاد رکھی تھی وہاں سے شروع کیا۔

۴۔بعض نے کعب بن لوی کی وفات سے شروع کیا۔

۵۔بعض نے حرب فجار سے شروع کی۔

۶۔بعض نے تاریخ عام الفیل سے شروع کی جس سال رسول اللہ پیدا ہوئے تھے وہ سال بادشاہ کسریٰ نوشیروان کی تخت نشینی کا بتیسواں سال تھا۔

۷۔قریش نے والد ابی جہل ہاشم بن مغیرہ مخزومی کے احترام میں ان کی وفات سے شروع کیا۔

۸۔بعض نے کعبے کی تعمیر سے شروع کیا۔

۹۔قوم حمیرہ نے بادشاہ تبع کی تاج پوشی سے شروع کیا۔

۱۰۔عرب غسان نے سد مأرب ٹوٹنے سے شروع کیا۔

۱۱۔اہل صنعا نے یمن پر حبش غالب آنے سے شروع کیا۔

۱۲۔پھر یمن پر فارس کے غالب آنے سے شروع کیا۔

۱۳۔پھر عربوں نے ایام مشہور سے شروع کیا۔

۱۴۔حرب بصوص حرب فجار سے شروع کیا یہاں تک ظہور اسلام ہوا۔

۱۵۔مسلمانوں نے ابتداء میں بعثت نبوی سے شروع کیا۔

۱۶۔ہجرت مدینہ کرنے کے بعد سے شروع کیا۔

۱۷۔خلیفہ دوم کے دور میں باقاعدہ غروب آفتاب محرم کا چاند دیکھنے سے شروع ہوئی لیکن آج بدقسمتی سے سیکولر مسلمان حتیٰ کہ یہاں علماء مفتیان تاریخ میلادی چلاتے ہیں۔

فوائد وغایات علم تاریخ:

موضوع ومحور تاریخ انسان ہے' تاریخ انسانوں کیلئے لکھی جاتی ہے اور انسان ہی اس کو لکھتے ہیں، یہی تاریخ کا مرکزی نقطہ ہیں کیونکہ تاریخ تعیین ایام حوادث ہے اور حوادث صنع انسان ہیں۔زمانہ اس کا ظرف زمان جبکہ زمین اس کا ظرف مکان ہے۔حوادث وواقعات، اجتماعات انسانی تصادفی یا اتفاقی نہیں کیونکہ معلول مسبب از اسباب حرکت از محرکات ہے۔یہ اعمال اپنی جگہ معلول افکار وعقائد متضاد ومتناقصات ہیں اسی کا نام حرکت تاریخ ہے۔

انسان کا آغاز جیسا کہ آیات قرآن سے ثابت ہے آدم اول سے ہوا ہے۔لہٰذا ہم جب تاریخ لکھیں گے تو ہماری تاریخ آدم سے شروع ہوگی لہٰذا آدم سے پہلے کی تاریخ کو لکھنا ایک قسم کا وہم خیال اور توہم پرستی ہوگا' اسے ایک مستند ومعتبر عمل نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد معلومات وذرائع نہیں ہیں۔

جو کچھ اس بارے میں مواد معلومات پیش کرتے ہیں وہ ایک مواد جامدہ ہے جسکا آثار قدیمہ کے نام نہاد ماہرین دعویٰ کرتے ہیں ہم ان کے دعویٰ پر کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکتے ہیں۔

تاریخ میں غوطہ زن ہونے سے ہمیں، کیا عوائد وفوائد ملیں گے، اس سلسلے میں صاحب کتاب تاریخ التاریخ نے چند فوائد عوائد بیان کئے ہیں۔تاریخ کے فوائد دوسرے علوم کے فوائد سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں دوسری طرف علم تاریخ کے تمام فوائد کو تعداد میں لانا ہمارے لئے ممکن نہیں تاہم یہاں پر علم تاریخ کے چند فوائد کتاب [تاریخ التاریخ مدخل الی علم تاریخ تالیف ڈاکٹر سعد بدیر حلوانی ص ۷] سے پیش کرتے ہیں:

۱۔علم تاریخ ہمیں ماضی سے سبق لے کرحاضر کی تدبیر،ماضی کے واقعات کی تفسیر کر کے مستقبل کے راستوں کو روشن کرنے اور مستقبل کیلئے آمادہ ہونے کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

۲۔تاریخ میں مردان صالح نکلے ہیں،مصلحین نکلے ہیں جو اچھے اعمال وافکار کے حامل تھے ان کی سیرت وکردار ہمارے لئے نمونہ عمل ہے ان کی پیروی کر کے ہم بھی نیک اعمال انجام دیتے ہیں جبکہ غیر صالح اور اہل ظلم وجور نے برے اعمال چھوڑے ہیں ان کے برے اعمال سے ہم نفرت کرتے ہیں ان لوگوں کے اعمال کو دیکھ کر ہم برے اعمال سے پرہیز کرتے ہیں یہ بھی تاریخ کا ایک فائدہ ہے جو ہمیں تاریخ سے ملا ہے۔

۳۔تاریخ نے ہمارے لئے ایسی روایات ونقولات چھوڑی ہیں کہ گزشتہ زمانے کے حالات کو پڑھ کر انسان کو اپنے دور کے مسائل کا حل ملتا ہے،چنانچہ تاریخ میں آنے والے بڑے سے بڑے سیاستمدار جن کا تاریخ میں ذکر ہے اور جنہوں نے تاریخ کا رخ موڑا ہے،ان کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اپنے لئے خاص نشست،شب بیداریاں ترتیب دیتے تھے جس میں اپنے سے پہلے کے گذشتگان کی تاریخ کو پڑھتے اور پڑھواتے تھے جیسے معاویہ،نابلیوں بونا برت گاندھی نہرو وغیرہ بہت سی راتیں خبروں میں غور وغوض میں گذارتے تھے۔

۴۔تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ بہت سے لوگوں نے زمین کی کھدائی کر کے گذشتگان کے کنزاوران کے دفن کردہ آثار وذخائر کو نکالا ہے اور بہت سی جگہوں سے وہ کشتیاں جو جنگوں میں غرق ہوئی ہیں انھیں کھود کر قیمتی جواہر وپتھر وغیرہ نکالے ہیں۔

۵۔تاریخ ہمیں گذشتگان کی سخاوت وفکر اور ترقی وتمدن کی خبر دیتی ہے ہم اسے پڑھ کر اس کی روشنی میں تمدن وترقی کی راہیں تلاش کرتے ہیں اور یوں ہم اجتماعی و ثقافتی ترقی وتمدن کی راہوں کو طے کرسکتے ہیں۔

۶۔ملکوں اور قوموں کو بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں اور کبھی یہ مشکلات آپس میں جنگ وجدال،فساد،قطع تعلقات کی نوبت تک پہنچا دیتی ہیں لیکن اس خطرناک صورتحال سے نجات کیلئے انھوں نے معاہدات وقرارداد اور فیصلہ جات چھوڑے ہیں ان کی روشنی میں ملکوں اور قوموں کے درمیان،ان مشکلات کا حل نکلتا ہے ہمیشہ نزاع کے موقعہ پر ثالثی ملتی ہے ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ ان اختلافات کے موقع پر ماضی میں کیا طے پایا تھا۔کس قسم کے معاہدے طے پائے تھے انھیں سامنے لاکر فیصلہ کیا جاتا ہے اور حالات کو معمول کی صورت میں واپس لایا جاتا ہے۔

۷۔کوئی علاقہ منطقہ کسی فرد یا اقوام وملت کی ملکیت تھی ایک وقت یا زمانہ گزرنے کے بعد اختلاف ہوتا ہے ایک کہتا ہے یہ ہمارا ہے اور دوسرا کہتا ہے یہ ہمارا ہے۔یہاں ہم تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے مدد لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں پہلے اس پر کون قابض تھا اس طرح تنازعات واختلافات کا واحد حل تاریخ ہی سے ملتا ہے۔

۸۔تاریخ ہماری وراثت وانساب سے متعلق مشکلات کا حل ہے،صلہ ارحام کون کس کا وارث ہے اور کسی کے ذمہ کس کا حق ہے اور کس نے کس کا حق ضائع کیا ہے جیسے مسائل کا حل تاریخ سے ہی ممکن ہے۔

۹۔مختار انسانوں کے افعال واعمال کو قرآن کریم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک افعال عبث وبیہودہ اور بیگانہ ہیں جنہیں اگر کوئی صاحب عقل انجام دیتا ہے تو مستحق توبیخ وملامت قرار پاتا ہے۔دوسرے افعال وہ ہیں جن کے انجام دینے میں اہداف ومقاصد نظر میں رکھے گئے ہیں۔یہ مقاصد اپنی جگہ دو صورتوں میں پورے ہوتے ہیں۔یعنی یہ جلب منافع وفوائد یا دفع نقصان وضرر کے خاطر انجام دیے جاتے ہیں۔مطالعہ تاریخ تالیف تاریخ بھی ایک عمل انسانی ہے۔یقیناً اس کے اہداف ومقاصد کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے اسکا جواب اپنی جگہ چند نوعیت کا حامل ہے۔ایک انسان اپنی ذات کیلئے تاریخ پڑھتا ہے تاکہ تاریخ سے کچھ فوائد حاصل کرے یا کوئی کارنامہ انجام دینا چاہتا ہے مثلاً اگر حوزات علمیہ میں مصروف با اصطلاح اہل حصول علم دین اگر تاریخ کو پڑھیں گے تو وہ تاریخ انبیاء وائمہ علماء پڑھیں گے وہ "لینذر قومھم" کے موقعہ پر سیرہ انبیاء سے اقتباس کرینگے لیکن بدقسمتی سے وہ ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ انکے نصاب میں تاریخ موجود ہی نہیں دوسری وجہ یہ افراد یہاں کے علماء امثال صادق حسن،جان علی اور شاہ مرتضی زیدی کی سیرت کو ہی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔

۱۰۔تاریخ انسانی زندگی کیلئے بہت سے فوائد اور گراں قدر حکمتوں پر مشتمل ہے،انسان کو چاہیئے ہمیشہ تاریخ کے سلسلے میں بحث وتحقیق کرے اور اسے سمجھنے کی کوشش

کرے اور اس سے عبرتیں اور نصیحتیں حاصل کرے۔

تاریخ، مستقبل کے بارے میں ایک علم و معرفت ہے جو ایک انسان دوسرے انسان تک پہنچاتا ہے تاکہ وہ گذشتہ سے تجربہ حاصل کرے۔ تاریخ یعنی گذشتگان کے تجربہ اور آگاہی سے استفادہ کرے، لہٰذا خداوند متعال نے قرآن کریم میں انبیاءؑ، مصلحین امم، طاغوت اور مجرمین پر گزرنے والے واقعات کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ اسلامی اور اس کا باب اول، فصل اول قرآن حکمت وعظ عبرت کیلئے ہے، قصص قرآن میں مثبت و منفی کردار دونوں ساتھ ساتھ ذکر ہوئے ہیں۔ موسیٰؑ کے ساتھ فرعون اور قبطیان کا ذکر ہے، ابراہیمؑ کے ساتھ بت پرستوں کا ذکر ہے، عیسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کا ذکر اور محمدؐ کے ساتھ صنادید و اکابر قریش کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ انسانیت کیلئے صادق ترین تاریخ، تاریخ انبیاء ہے جسے قرآن نے قصص کہا ہے۔ تاریخ انبیاء جہاد و مقاومت، شجاعت و مردانگی صبر و استقامت کی داستان ہے جو آپکو تاریخ بشریت کی قوم و ملت اور زعماء میں نہیں ملے گی۔ یہ اپنی نقل میں صراحت صداقت رکھتا ہے۔

انبیاء ہی نے تاریخ بنائی ہے انبیاء ہی نے باطل ہٹ دھرموں اور جاہلوں کے خلاف اعلان بغاوت کیا ہے مشکلات کے مواقع پر صبر و استقامت دکھائی اور راہ اللہ میں اذیت و تکالیف برداشت کی ہیں لہٰذا ان کی سیرت اور ان کے قصے انسانیت کیلئے چراغ ہدایت اور نشانِ منزل ہیں۔ اللہ نے قصص انبیاء کو قصص حق، لمحہ تفکر، مقام عبرت کہا ہے۔ قصص قرآنی کے اہداف و مقاصد قرآن میں بیان ہوئے ہیں لیکن حیرت افسوس میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب ہم بلند و بالا یادگار عاد و ثمود مانند شان و شوکت کے مظہر مدارس کو دیکھتے ہیں جہاں قرآن و سنت و اہلبیت کا بورڈ آویزاں ہوتا ہے لیکن انکے نصاب میں قصص قرآنی موجود نہیں ہیں کیونکہ یہاں دروس قرآنی پر پابندی ہے۔ جبکہ تغیرات و تبدیلی زمانہ کے ساتھ ہر قسم کا نصاب آسکتا ہے مثلاً انگریزی زبان صحت مند کھیل کود شطرنج کمپیوٹر آسکتا ہے لیکن درس قرآن کیلئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔

تاریخ سے استفادہ کرنے والا دوسرا انسان وہ ہے جو اس راہ میں قدم رکھنے کی وجہ سے مشکلات اور مصیبتوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسے کوئی تسلی دینے والا نہیں کوئی راستہ دکھانے والا نہیں چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب حضرت محمدؐ کو پریشان حال پایا تو آیات ایوب و یونس نازل فرمائیں۔ ہم بھی مصیبت زدہ انسان ہیں اور ہمیں بھی تاریخ پڑھنے کی سوچ در آئی ہے۔ ہمیں اپنے استاد مرحوم کی ہدایت کی وجہ سے کسی چیز کا آغاز قرآن سے کرنے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ ہم جب اپنے اس عمل کا آغاز قرآن سے کرتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم میں یہ آیات نظر آتی ہیں۔

﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ''اگر لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے بھی تکذیب کی قوم نوح نے۔'' (حج ۴۲)

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ ''نوح کی قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' (شعراء ۱۰۵)

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ﴾ ''قوم عاد نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' (شعراء ۱۲۳)

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ﴾ ''(قوم) ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔'' (شعراء ۱۴۱)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ﴾ ''ان سے پہلے نوح اور عاد کی قوم اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی تھی۔'' (ص ۱۲)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی ہے اور ہر امت نے۔'' (غافر ۵)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس اور ثمود نے تکذیب کی ہے۔'' (ق ۱۲)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی، پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہنے لگے: دیوانہ ہے اور (جنات کی) جھڑکی کا شکار ہے۔'' (قمر ۔ ۹)

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ﴾ ''ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی۔'' (قمر ۔ ۲۳)

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ﴾ ''لوط کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا۔''

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴾ "ثمود اور عاد نے اس کھڑکا دینے والے واقعے کو جھٹلا دیا تھا۔" (حاقہ ۴)

۱۱۔ تاریخ، انسانی زندگی کیلئے بھی بہت فائدہ مند ہے چنانچہ جن چیزوں پر گذشتگان نے عمل کر کے اچھے نتائج اور ثمرات اخذ کئے ہیں آئندہ آنے والی نسل بھی ان سے بہرہ مند ہو سکتی ہیں۔

۱۲۔ تاریخ، انسان کے ایمان بہ آخرت کو تقویت دیتی ہے۔ وہ تمام اقوام و ملل جو اپنے دور میں اپنے قوم و قبیلہ، مال و دولت، طاقت اور کثرت اولاد پر فخر کرتی تھیں اور عیش و عشرت سے زندگی گزاری آج ان کا کوئی نام و نشان نہیں یا جرم و جنایت میں مگن تھے ان کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے انسان بخوبی جان لیتا ہے کہ اس دنیا کی کسی بھی چیز کو بقا نہیں، یہاں سے ہمیں بھی گزرنا ہے۔

فوائد تاریخ میں ہے کہ یہ ہمیں تلقین کرتی ہے کہ تاریخ انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ اس سلسلہ میں فیلسوف اسلام آیت اللہ محمد باقر صدر اپنے سنن تاریخ میں لکھتے ہیں۔ انسان کی ترقی و تمدن پیشرفت میں دو قسم کی صعوبات و مشکلات پائی جاتی ہیں:

(۱)۔ طبیعی، جس طبیعت کو اللہ نے بنایا ہے وہ آسانی سے فراہم نہیں ہوتی بلکہ انسان نے اسے آشنائی افہام و تفہیم سے مسخر کیا ہے اس سلسلے میں انسان نے بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

(۲)۔ مشکلہ اجتماعی ہے، یعنی انسانی معاشرے میں قائم رکاوٹیں یا مشکلات جو انسان کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ ہم بھی انسان ہیں لہذا اگر کسی نے رکاوٹ کھڑی کی تو ہم اسے ہٹا بھی سکتے ہیں۔ انسان ہی مفسد کو فساد سے روکتا ہے۔ مفسد کو اس کی پاداش دیتا ہے، مفسد کی ابتدائی نقل و حرکات کو روکتا ہے چاہے وہ فساد کنندگان افراد کی صورت میں ہوں یا جماعت حاکم کی صورت میں۔ نیک کردار والوں کو اچھی پاداش سے نوازتے ہیں برے کردار والوں کو سزا دیتے ہیں۔ اس طرح سے ترقی و تمدن حضارت حسنات و سیئات انسان ہے۔

تاریخ ایک بڑا ظرف ہے جس میں گزشتگان کے تمام علوم و معارف کا ذخیرہ ہے علوم دین' علوم دنیوی' حدیث تاریخ' طبیعت' کیمیا' فلکیات' جغرافیات' ریاضیات سب اسی صندوق تاریخ میں ذخیرہ ہیں۔ انہی ذخائر پر تکیہ کر کے بعد کے علماء و مفکرین نے اپنا سفر علمی شروع کیا اور اسے آنے والوں تک پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ تاریخ نے ہمیں بہت سے علوم و معارف کے نابغہ روزگار شخصیات سے متعارف کروایا جنھوں نے علوم و فنون کا ابتکار و اختراع کیا ہے ان کے کارناموں اور شخصیات سے ہم علم تاریخ ہی کی بدولت آشنا ہوئے ہیں۔

تاریخ پڑھنے اور سمجھنے کے دیگر فوائد میں سے ایک کائنات میں دگرگوں حوادث قوموں کے درمیان انقلاب کسی کی ویرانی اور کسی کی آبادی جیسے عمرانی مسائل شامل ہیں۔ ان حوادث اور دگرگونی میں اللہ کی مشیت اور بشریت کا کردار کتنا ہے؟ اس حوالے سے ہمارے پاس دو کتب ہیں ایک کتاب تکوین یعنی آسمان و زمین ہے جسے ہم دیکھتے ہیں یہ پڑھی نہیں جاتی، یعنی یہ کتاب دیکھنے کی ہے۔ ہم کائنات کی کتاب منظور کی کتنی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور انھیں اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کس طرح مکروہات اور ملائمات کو اپنے سے دور کرتے ہیں۔ دوسری کتاب کتاب تشریعی ہے اللہ نے ہمیں اس کتاب منظور میں تدبر و تفکر و تعمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ دنیا میں جاری حوادث طبق قانون اور اصول کے تحت انجام پاتے ہیں۔ ہمیں کبھی یہ قوانین واضح و روشن ملیں گے اور کبھی متشابہ و متماثل، کبھی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ملیں گے اور ان پر غور کرنے سے ہمیں پتہ چلے گا ہمیں کن کن اسباب و عوامل سے دور رہنا چاہیے اور کس طرح ہم برے حوادث اور برے واقعات سے دور رہ سکتے ہیں، کس طرح صالحین و مجاہدین کی پیروی کر سکتے ہیں اور کیسے مفسدین و مجرمین سے دور رہ سکتے ہیں؟ اس کے ذریعے طاقت و قدرت حاصل کرنے کا طریقہ نہیں ملتا ہے لیکن جو اسے نظر انداز کرتا ہے وہ اس کے گرفت میں آتا ہے اس میں جہالت بڑھتی ہے اور وہ ان کے سامنے خاضع و خاشع ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کی کثیر آیات میں کتاب تکوین کو دیکھنے اور اس پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ کتاب مقروء ہے جسے ہم پڑھتے ہیں۔

تاریخ کو صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی ابتداء کب اور کس نے کی؟ اس سلسلے میں تاریخ آداب عرب مصطفیٰ صادق رافعی اپنی کتاب کی پہلی جلد ص ۲۱۳ پر لکھتے ہیں عرب قرائت نہیں جانتے تھے بلکہ صرف خطوط طبیعت کو پڑھ سکتے تھے۔ اس حوالے سے وہ اپنی حس بصارت کو استعمال میں لاتے یعنی لوح حافظہ پر نقش کرتے تھے۔ وہ ایک خاص حافظہ کے مالک تھے۔ عرب بادیہ نشینوں کی زندگی کی ضروریات، احتیاجات محدود ہونے کی وجہ سے ان کی قوت حافظہ غیر متوقع انداز

میں وسیع اور گہری تھی، لیکن محققین علماء یا اہل تحقیق کے نزدیک یہ منطق قابل قبول نہیں کیونکہ اقوام غیر عرب بھی غیر متمدن اور بادیہ نشینی کے مراحل سے گزرے ہیں لیکن ان میں کوئی ایسی غیر عادی قوت حفظ دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کے علاوہ یہ منطق بھی درست نہیں کہ عرب جاہلیت ان پڑھ تھی۔ عرب کو ایک قوم جاہل، نادان اوران پڑھ کہنے کی منطق کو رواج دینے کا سلسلہ ابن خلدون سے شروع ہوا ہے۔ جبکہ عرب دیگر اقوام وملل کی طرح صاحبانِ علم و دانش تجربہ وثمرہ صاحب نظم ونسق تھے۔ بعض عرب کو عرب جاہلی وبدو کہنے کا یہ تصور قرآن سے استنباط کرتے ہیں، لیکن ان آیات میں کلمہ جاہلیت آیا ہے، جس کے معنی ان پڑھ نہیں بلکہ جاہلیت کے معنی قوانین واصول احکام سے بغاوت، انحراف وروگردانی کرنے کے ہیں۔ لہٰذا بعض علماء نے کلمہ جاہلیت کو تمام ادوار عرب کیلئے ہونے کو مسترد کیا ہے ان کے نزدیک یہ بعثت پیغمبرؐ سے ملے ہوئے دور تک محدود ہے۔ جہاں ان لوگوں نے رسالت، حاکمیت اللہ و رسولؐ کو مسترد کیا۔ لیکن یہ منطق بھی عقل وجدان کے خلاف ہے۔ کیونکہ آج بھی دین وشریعت سے روگردانی ہورہی ہے، بلکہ آج دعویٰ مسلمانی کرنے والے بھی قانون الٰہی پر، قانون بشری کو ترجیح دے رہے ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں: اقوام عالم کے حالات انھیں میسر نعمتیں اوران کی گرائش وجھکاؤ ایک حالت پر باقی نہیں رہتے۔ ایام روزگار اور زمانہ بدلتا رہتا ہے جس طرح اشخاص، اوقات اور ملک بدلتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کی سنت ہے جو گذشتہ اقوام میں گذر چکی ہے زمانہ کسی کی ملکیت نہیں چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر انسان کو تمدن اور ترقی میں اپنے کردار کے نتیجہ کا انتظار کرنا چاہئے۔ موقع وفرصت سے فائدہ اٹھانا چاہئے تاکہ اپنی قابلیت سے اس کا استحقاق حاصل کرے گرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

دنیا ایک ناعورہ (پن چکی) کی مانند ہے جو ایک حالت پر نہیں رکتی بلکہ گھومتی رہتی ہے تاریخ میں لوگوں کے حالات بدلتے رہے ہیں یہ ایک حالت پر کبھی نہیں رہی۔ ہر انسان اور قوم کو پرواز کی آرزو وامید رکھنی چاہیے۔ اگر چہ وہ نیچے ہی کیوں نہ گر جائے۔ کیونکہ کوئی نہیں جو اسے جدوجہد سے روکے اور نہ کوئی حتمی فیصلہ ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے، ممکن ہے کہ وہ بشریت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں بشرطیکہ وہ اس کے اہل ہوں۔ پرواز وعروج ابدی ہے اور نہ سقوط وزوال بلکہ خداوند متعال نے قرآن میں پرواز اور سقوط کی بنیادی شرط "اندرونی تبدیلی" بتائی ہے۔ ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ "ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عنایت فرماتا ہے اس وقت تک اسے نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہیں بدلتے اور یہ کہ اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔" (انفال ۵۳)

تذکیر بماضی:

جن لوگوں کا دل دنیا ہی سے بندھا ہوا ہے تاریخ ان کیلئے اس غفلت سے بیدار رہونے کا ذریعہ ہے۔ تاریخ انھیں گزشتہ اقوام، ملت یا عزیز واقاریب رفتگان پر پڑنے والی مصیبت درد والم سے آگاہ کرتی ہے جو ان کیلئے باعث تسلی بنتی ہے۔ تاریخ ایک سرمایہ حیات ومطیع وتابعدار سواری حرکت ہے جس پر انسان سوار ہو کر انحراف ضلالت تباہ کاریوں ویران کن طوفانوں سے نجات حاصل کرسکتے ہیں تاریخ سے عبرت نصیحت تسلی لینے کے بارے میں علی ابن ابی طالب نے اس سلسلہ میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا ہے:

"وخلف لكم عبراً من آثار الماضين قبلكم، من مستمتع خلاقهم ومستفتح خناقهم، ارهقتهم المنايا دون الامال وشذبهم عنها تخرم الاجال، فلم يمهدوا في سلامة الابدان ولم يعتبروا في انف الاوان ....او لستم ابناء القوم والاباء واخوانهم والاقرباء؟ تحتذون امثلتهم، وتركبون قدتهم، وتطاون جادتهم؟ فالقلوب قاسية عن حظها، لاهية عن رشدها، سالكة في غير مضمارها، كان المعنى سواها وكان الرشد في احراز دنياها" (خطبہ ۸۱)

حضرت فرماتے ہیں: تمہارا تاریخ سے رشتہ اجنبی اورانجان نہیں بلکہ تاریخ کا تمہارے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ یہ تاریخ تمہارے آباء واجداد اور تم جیسوں کی تاریخ ہے۔ جس نہج پر گزشتگان چلے ہیں اس پر تمھیں بھی ایک دن چلنا ہے یہ جملہ ان لوگوں کیلئے ہے، جن کے پاس دنیا ہی ہدف ہے اور دنیا ہی ان کی غرض وغایت اور امید وآرزو ہے چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت نے یہ جملہ فرمایا ہے:

"...فقد رأيت من كان قبلك ممن جمع المال، وحذر الاقال وامن العواقب طول امل واستبعاد اجل. كيف نزل به الموت، فازعجه

عن وطنه،واخذه من مامنه،مھمولا علی اعواد الممنایا یتعاطی به الرجال الرجال،حملاً علیٰ المناکب وامسا کا بالانامل اما رایتم الذین یاملون بعیدا ویبنون مشیدا ویجمعون کثیرا کیف اصبحت بیوتھم قبورا وماجمعوا بورا وصارت اموالھم للوارثین وازواجھم لقوم آخرین '' (نہج البلاغہ رقم ۱۳۰)

مؤرخ وتاریخ:[بحث فی التاریخ ص ۱۳]

قدیم کتب تاریخ کوملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، مؤرخین کوکسی بھی موضوع سے متعلق جوکچھ ملا اسے وہ جمع کرتے جاتے تھے، چاہے یہ کام صحیح ہو یا غلط، بے ہودہ ہو یا سودمند اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا چنانچہ گزشتہ مؤرخین کے نقولات ترسیل ومرسلات ہیں جن کا سرہ کہیں نہیں ملتا بس یہی ملتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے نقل کیا ہے، سب مجھول الحال مجھول النسب روات سے پر ہیں۔

ان منقولات کے بارے میں عصر حاضر کے مفکرین ومحققین دونظریات رکھتے ہیں انکا کہنا ہے انہوں نے یہ عمل حسن نیت کے ساتھ کیا ہے اور ذخائر کو ضائع ہونے سے بچایا ہے۔اگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے تو ہم بہت خسارے میں ہوتے۔اس لئے ہم ان کے ممنون ومشکور ہیں جیسے مجلسی، قمی، ابوالفرج اصفہانی، آغانی وغیرہ۔جبکہ یہ کتب دیکھنے سے انسان قیامت کی تمنا کرتا ہے جب وہ ابوالفرج کی ''آغانی''، ابوالمعلیٰ معری اور متنبہ کے اشعار کے مجموعہ دیکھتا ہے، انہی سے اسلام دھند میں گم ہوا ہے۔دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ تاریخ اغلاط سے پُر ہے یہ صفحات ہمارے کسی کام کے نہیں انہیں کوڑےدان میں پھینکنا چاہیے اور ہمیں نئے سرے سے تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے۔دونوں گروہ کا کہنا ہے ہمیں تاریخ نئے سرے سے لکھنی چاہیے ہم ان جامعین خرافات کے عمل کو حسن نیت کہیں یا سوئے نیت؟۔

مؤرخین کا سب سے پہلا طبقہ وہ ہے جنھوں نے جو کچھ ان تک پہنچا، سب کو جمع کیا ہے اس میں اکثر وہ چیزیں جمع کی گئی ہیں جو ان کے عصر میں تھیں یا جہاں وہ نہیں تھے اس زمانے میں کسی کے پاس وہ مواد مدون شدہ نہیں تھا خاص کر کے اسلام کی پہلی صدی کے کچھ حصے جو دوسری صدی میں شروع ہوئے۔

ایک صدی یا بیس تیس سال تک کی تاریخ کہیں بھی لکھی ہوئی نہیں تھی، اس وقت تک تاریخ لوگوں کو زبانی حوالے سے ملتی تھی چنانچہ کچھ چیزیں حفظ اور یاد رکھنے والوں نے بھلا دیں، جبکہ کچھ اضافہ یا کمی واقع ہوئی۔اس کے بعد مسلمانوں میں فتنہ کا دور رہے پھر لوگ گروہوں میں بٹ گئے ہر ایک نے اپنی خواہشات اور مرضی سے خبریں جعل کرنے کا کام شروع کیا، اس وجہ سے صحیح اور غلط میں خلط پیدا ہوا۔

اسلامی تاریخ کو پڑھنے والے یا اس پر بولنے والے یا اس کو لکھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ جو صفات وشرائط ایک مورخ کیلئے ضروری اور ناگزیر ہیں انہیں اپنے اندر پیدا کرے۔گزشتہ اور اس کے گردوپیش حالات سے متعلق لکھنے والے مؤرخ کیلئے کثیر مصادر کا ہونا ضروری ہیں تاکہ اسے وسعت مصادری سے بہت سے مختلف حقائق کشف ہوجائیں اسی وجہ سے تاریخ لوگوں کیلئے اہمیت کی حامل ہے۔یہاں سے انسان مؤرخ کیلئے ضروری ہے کہ بحث سے متعلق تمام وسائل جو اس کی دسترس میں ہوں، تاریخ کے بارے میں وسیع اطلاعات مختلف نظریات کو جمع کرے۔خلاصہ کلام یہ کہ مؤرخ کیلئے ضروری ہے وہ ایسی صفات، اخلاقیات کا حامل ہو۔نیز کتاب کو لکھتے وقت ایک دقیق بہتر نہج کو اپنائے لہٰذا ہم یہاں ان صفات وشرائط کا تذکرہ کریں گے جن سے تاریخ کے محقق کو گذرنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں علماء نے چند مراحل کا ذکر کیا ہے:

۱۔مورخ کو سب سے پہلے تاریخ کے دسیوں موضوعات میں سے ایک موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے، جیسے تاریخ اعلان رسالت حضرت محمدؐ، تاریخ ہجرت، تاریخ اصحاب، تاریخ غزوات، تاریخ مکہ، تاریخ مدینہ، تاریخ بنی امیہ، بنی عباس، فاطمین، علویین جس تاریخ کو بھی زیر بحث وتحقیق لانا ہے اسے معین کرے۔

۲۔منتخب کردہ موضوع سے متعلق تمام مصادر کو سامنے رکھیں۔

۳۔ان مصادر کی حیثیت واعتبار کو عند المؤرخین معلوم کرے۔

۷۔تاریخ کی جس کتاب کو بعنوان مصدر اٹھایا ہے دیکھنا چاہئے کہ یہ کتاب جدید ہے اور اس کتاب میں مواد تاریخ کا حوالہ دیا ہے تو محقق تاریخ کو چاہیے اس حوالہ شدہ کتاب کو تلاش کریں اس تک رسائی حاصل کریں، دیکھیں حوالہ شدہ مواد اس میں ہے یا نہیں اس نے جھوٹی نسبت تو نہیں دی، چنانچہ فرق باطنیہ نے اس روش کو اپنایا ہے اسی طرح کوئی یہ نہ کہے کہ حوالہ دینے کے بعد اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی ہے ہاں اگر یہ حوالہ صحیح تھا تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی لیکن اگر ایسا نہیں تو اس نے

دھوکہ دیا ہے۔اگر کتاب قدیم ہے تو اس کی کیا قدر و قیمت ہے اور یہ دیکھنا لازمی ہے کہ مؤلف نے کتاب لکھتے وقت کن کن کتابوں پر بھروسہ کیا ہے۔

٨۔مورخ نے تاریخ لکھتے وقت تسلسل سے کام لیا ہے یا بیچ میں سے کوئی چیزیں چھوڑی ہیں۔

٩۔اس وقت تاریخ لکھنے والے زیادہ تر مغربی انداز تالیف سے متاثر ہیں اور اپنی پوری توجہ ان کے مصادر پر دیتے ہیں جبکہ مغربی مؤرخین تاریخ کے تمام مصادر کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ان کی نظر میں صحیح وہی ہے جو عقل قاصر، ان کی پیدا کردہ تفسیر اور خواہشات کے مطابق ہو۔

انسان مؤرخ کیلئے ضروری شرائط:

بہت سے مؤلفین کا کہنا ہے تاریخ کی کشتی میں سوار ہو کر گزشتہ کے حالات کے بارے میں فیصلہ دینے والے اور اس بارے میں حکم کرنے والے کیلئے ضروری ہے:

١۔عقل اور سلوک میں توازن رکھتے ہوں، غلط و صحیح میں تمیز کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، وہ تاریخی حوادث کی تفسیر کرنے میں لغزشیں نہ کھاتے ہوں اور اپنا توازن نہ کھو بیٹھتے ہوں۔

٢۔تاریخ کے جس موضوع پر وہ قلم اٹھانا چاہتا ہے جو وہ پیش کرنا چاہتا ہے اس میں امانتداری کا خیال رکھیں' امانتداری کو اپنا شیوہ بنائے کیونکہ اس پر سوائے اللہ اور اس کے ضمیر کے کوئی رقیب و ناظر نہیں ہوتا' اسے چاہیے حق کی جانب داری کرے حق کی حمایت میں کھڑا ہو، اس کی حمایت میں فیصلہ دے کسی سے کسی کی خاطر مجاملہ وغیرہ نہ کرے اور جانبداری اور درگزری بھی نہ کرے۔

٣۔ایک مؤرخ کیلئے صابر ہونا انتہائی ضروری ہے اسے ہر وقت صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے' تاریخ کے بارے میں حکم صادر کرنے کیلئے جلدی نہ کرے بلکہ اس کی تہہ تک جائے' جس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہے ممکن ہے اس کے مصادر انتہائی تحقیق کے متقاضی ہوں۔اسے مصادر کے ایک پہلو پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ اسکے تمام اطراف کے مصادر کی طرف متوجہ ہو، تا کہ اس کا حکم اس واقعہ کے بارے میں قاری کو ایک محکم و پائیدار بنیاد سے جوڑے اور اسے دلیل و براہین سے مستفید کرے ایسے دلائل و براہین پیش کرے جنہیں کوئی دوسرا رد نہ کر سکے۔

٤۔مؤرخ پر کسی کی رقابت لالچ' پیش کش' خوف و ہراس' ڈرانے دھمکانے کا اثر نہ ہو وہ ان میں سے کسی چیز سے متاثر نہ ہو' مؤرخ کو حاکم سے مقام و منصب اور مال و دولت کی طمع و لالچ نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ہی اس کے تازیانے اور غصہ سے ڈرنا چاہیے اگر مؤرخ ایسی استقامت نہ دکھا سکا تو آپ کتب تاریخ کو حقیقت کے مخالف اور متصادم و متعارض پائیں گے ایسی صورت میں وہ مؤرخ نہیں بلکہ منافق ہوگا کیونکہ یہ اپنی کمائی کے پیچھے ہوگا اور اس کی شخصیت حکمرانوں کے خوف و ہراس میں کمزور ہو جائے گی ایسی ذہنیت اور کمزوری کے حامل افراد کو تاریخ کا کام نہیں کرنا چاہیے اور اس پر قلم نہیں اٹھانا چاہیے۔

٥۔مؤرخ کو ایسے مواد کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے مطالعے سے مدد لینی چاہئے جو اسے سچ اور حقیقت تک پہنچنے میں کافی حد تک معاون و ثابت ہو اور جس سے اسے مزید آگاہی حاصل ہو۔خاص کر اپنے مورد نظر موضوع میں اسے ان قوموں کی لغات سے مکمل آشنا ہونا چاہیے جنکی وہ تاریخ لکھنا چاہتا ہے مثلاً کوئی شخص تاریخ دولت عثمانیہ پر قلم اٹھانا چاہتا ہے تو اس کا بغیر کسی شک کے ترکی کی قدیم لغات سے آشنا ہونا ضروری ہے اس کیلئے ترکی اور حروف عربی سے آشنائی ضروری ہے۔نہ یہ کہ وہ حروف جو بعد میں لاطینی میں تبدیل ہوئے ہیں۔اسی طرح امت عربیہ کی تاریخ لکھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ انگریزی اور فارسی زبان سے آشنا ہو کیونکہ ان دونوں نے عالم عربی کے بہت سے حصے پر استعمار گری کی ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص عصر انقلاب کے بارے میں یا فرانس کی جدید استعمار گرائی پر لکھنا چاہتا ہے جو اس نے بیسویں صدی میں کی ہے تو اس شخص کیلئے ضروری ہے کہ زبان اٹلی سے آشنا ہو۔مؤرخ کے وسائل میں جس قدر اضافہ ہوگا اور اسے جس قدر اجنبی قدیم و جدید لغات آتی ہوں گی اتنا ہی اسے زیادہ تاریخ سمجھنے میں مدد ملے گی اور اسے وسیع پیمانہ پر مصادر میسر ہونگے۔

٦۔مؤرخ کو انتقادی صلاحیت کا حامل ہونا ضروری ہے وہ نصوص کا تحلیل و موازنہ کرے اور کسی نص کو جب تک اس کی صحت پر یقین نہ ہو تسلیم نہ کرے۔اسی طرح وہ مصادر کو ایک دوسرے سے جوڑنے اور ترتیب دینے اور حوادث کو پیش کرنے میں خلط نہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو دوسروں کی تقلید نہ کرے بلکہ اسے چاہیے اپنی شخصیت کو تاریخ کی کتاب میں پیش کرے اور ان وسائل و ذرائع کو بروئے کار لائے جو اسے استبداء وابتکار حقائق تاریخی کی طرف پہنچاتے ہیں۔

۷۔عواطف سے پاک ہو: مؤرخ کیلئے ضروری ہے کہ عواطف وخواہشات گرائش اور دیگر میلانات سے آزاد ہو۔وہ انسان جو کسی کی طرف گرائش رکھتا ہو یا کسی شخص موضوع کی جانبداری کرتا ہو یا اس کے جواز کیلئے فلسفہ تراشی کرتا ہو اس کے تجزیات فلسفے حقائق واقعیت سے قریب نہیں ہو سکتے۔اس کی تاریخ اس کے نقطہ نظر کے تحت اور عقل ومنطق حقیقت سے دور رہوتی ہے۔اگر مؤرخ کمیونزم یا مارکسزم کی طرف رغبت رکھتا ہے تو وہ تاریخ کے محرک کو اقتصادی عامل گردانتا ہے چنانچہ اس فکر کے حامی جب تاریخ اسلامی کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس کی تفسیر عامل اقتصادیات سے کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں دین اسلام حضرت خدیجہ کے مال سے پھیلا ہے یا پیغمبرؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کھانا کھلانے سے کیا ہے۔اسی طرح ریموفرائیوڈ یہودی اصل جو ۱۳۱۲ ہجری کو نمسا میں پیدا ہوا وہ دنیا کے تمام تغیرات کی تعبیر میلانات جنسی سے کرتا تھا۔اس طرح ہٹلر کی فکر کے حامی دین اسلام کے پھیلنے میں تلوار کی مثال دیتے ہیں اور اسی تسلسل میں کہتے ہیں اسلام حضرت علی کی تلوار سے پھیلا ہے۔حضرت علی کی پوری شخصیت کو جنگی شخصیت میں محصور کرتے ہیں۔اسی طرح فکر مسیحی کے نظریہ فدا سے متاثر تحلیل گر جب امام حسین کے قیام کا تجزیہ کرتے ہیں تو دلیل استدلال افہام وتفہیم سب کو کنارے پر لگا کر انھیں عیسائیوں کا مسیح بنا کر امت کے جرم وجنایت کیلئے فدا ہونے والی شخصیت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اسی وجہ سے اکثر وبیشتر عزادار سینہ پیٹنے والے کہتے ہیں ایک شریعت محمدؐ ہے جس میں ہزاروں پابندیاں ہیں جبکہ شریعت حسین میں رونا پیٹنا کافی ہے۔تاریخ کے تجزیہ نگار کو چاہیے،تاریخ کے مؤرخ کے میلانات ونظریات پہلے مرحلے میں معلوم کرے،ورنہ خطاء ولغزش کے جہنم میں گر جائے گا۔اسی طرح واقعہ کربلا کے مؤرخ عوانہ بن حکم سائب کلبی جن سے طبری نقل کرتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کسی نہ کسی طریقے سے یزید کو جرم قتل امام حسین سے بری گردانیں اور تمام تر ذمہ داری امام حسین کی ناعاقبت اندیشی کی طرف پلٹائیں۔

جبکہ اس کے بالمقابل ابو مخنف جو گرائش علوین رکھتے تھے انھوں نے واقعہ کربلا کو بڑھا چڑھا کر عقل وعقلانیت سے باہر کیا ہے چنانچہ ابو مخنف کی نقل کے مطابق صبح عاشورا سے عصر عاشورا تک انصار وبنی ہاشم اور امام حسین کے ہاتھوں قتل ہونے والے لشکر کی تعداد لاکھوں تک بتائی ہے۔اگر کوئی خود اپنے کو قتل کیلئے پیش کرے اور کوئی مزاحمت نہ کرے تو بھی اس تعداد کیلئے چند دنوں کی ضرورت ہے نہ کہ عصر کے وقت تک تمام کو قتل کر سکتے ہیں۔واقعہ کربلاء پر دروغ باقی کرنے والوں کے چہرے اب بے نقاب ہو چکے ہیں۔مقتل ابو مخنف روضۃ الشہداء اور اس کے مؤلف اسرار شہداء،حیات القلوب ناسخ التواریخ طریق البکاء،غرض سب واضح ہو چکے ہیں لیکن عبا وقباء میں ملبوس بزرگ علماء جو مدعیان اجتہاد بھی ہیں کہتے ہیں،**العہدہ علی الراوی** یعنی تمام جھوٹ راوی کے ذمہ لگا کر انھیں بیان کر سکتے ہیں ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے یا بقول قبلہ مظہر کاظمی،سلمان نقوی کہ اعلیٰ ارفع مقاصد کے حصول کیلئے جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ بندش صرف معاویہ کیلئے خاص تھی کہ وہ اپنے اقتداء کیلئے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا!۔ان لوگوں کی نظر میں تورات اناجیل مجامع روایات غیر تصحیح شدہ تاریخ طبری مسعودی یعقوبی ناسخ التواریخ بحار مجلسی منتہی الامال سب برابر ہیں ان سے اخذ کر سکتے ہیں۔ایک مسلمان مؤرخ کو زیادہ تر اس مواد پر اعتماد کرنا چاہیے جو آیات محکمات قرآن سے متصادم نہ ہو۔

۸۔جن کتابوں کو تاریخ لکھنے کیلئے انتخاب کیا جائے ان کا کئی زاویوں سے جائزہ لینا ضروری ہے:

۱)ان کے مؤلف کون ہیں؟۔

۲)تالیف کے وقت مؤلف نے کس نہج کو اپنایا ہے؟۔

۳)مؤلف کی سطح معلومات قوت فیصلہ ودیگر علمی مقام وحیثیت کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کریں۔

۴)دین و دیانت اور فرق و مذاہب آزاد فکر تعصب گرائی کے حوالے سے کس قسم کے رجحانات رکھتا ہے؟۔

۵)سیاسی حوالے سے اسکی گرائش کس حد تک ہے؟۔

۶)اخلاق کے حوالے سے کس قسم کے اخلاق کا حامل ہے؟۔

۹۔مؤرخ میں تاریخ پر بحث کرتے وقت ان صفات سے متصف ہونا ناگزیر ہے جس طرح دیگر موضوعات کیلئے دیگر صفات کا ہونا ضروری ہوتا ہے اُسے موضوع پر بحث کرتے وقت صابر ہونا چاہیے۔مشقت بحث اس کو نہ تھکائے تھکاوٹ کا کوئی تصور اس کے پاس نہ ہو بحث کرتے وقت پیچھے نہ رہے۔مصادر کم ہونے کی وجہ سے

تحقیق رکنی نہیں چاہیے، تاریخی پیچیدگی اور گہرائی اسے اس عمل سے باز نہ رکھے۔اس کی اختراعات اضطرابات اس کو عمل سے نہ روکیں دوسری طرف اسے چاہیے اپنے عمل میں جلدی نہ کرے نہ جلدی میں کتاب کے موضوع کو مختصر کرے تا کہ جلدی فوائد حاصل کر سکے چونکہ یہ چیز علم وحقیقت کے ساتھ زیادتی ہے۔مؤرخ کو چاہیے کہ امین،شجاع،مخلص ہو جھوٹ نہ بولے غلط چیزوں سے نسبت نہ دے اصحاب مقام ومنصب،سلطان وحکمراں کے ساتھ موافقت نہ کرے حقائق اور واقعات جو دوسرے نہیں جانتے انھیں نہ چھپائے چونکہ تاریخ کی کتاب دوسروں تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتی لہذا بحث میں دقت وتحقیق مؤرخ کیلئے ضروری بلکہ واجبات میں سے ہے۔یہ مؤرخ کی صفات میں شمار نہیں ہوتا کہ وہ بہت دقت کا حامل ہے کیونکہ یہ اسکے واجبات میں سے ہے یہ اسکی ستائش میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ ستائش میں وہ چیز شامل ہوگی جو انسان نے خود کسب کی ہو۔جس طرح کسی معمار نے ایک اچھی دیوار سیمنٹ لگا کر بنائی تو یہ اس کی تعریف میں شامل نہیں ہوتا چونکہ یہ صفات اس کیلئے واجب ہیں لہذا دقت مؤرخ کی ضروریات میں سے ہے نہ کہ اسکے اخلاقیات میں سے۔

۱۰۔مؤرخ کیلئے ضروری ہے کہ وہ نام ونمود شہرت خواہی سے خود کو دور رکھے نہ کہ وہ اپنے لئے القاب،مقام ومنصب حاصل کرنے کا خواہاں ہو بلکہ وہ خود کو اپنی علمی کاوشوں کیلئے وقف مختص کرے اور اپنی کاوشوں کو تقسیم نہ کرے اپنی تمام تر توجہ اسی موضوع کی طرف مختص کرے کیونکہ حقیقت علمی جب بھی کشف ہوتی ہے تو یہ تمام اقسام کسب وکام درآمد،مقام ومنصب سے ما فوق ہوتے ہیں۔ان لوگوں کے فرائض میں سے ہے جنھوں نے خود کو تحقیقات کیلئے وقف کیا ہے اور خود کو موتکف بنایا ہے کہ وہ تمام علوم وفنون میں بحث کریں اور انسانیت،علم وتمدن کیلئے ایک تحفہ پیش کریں۔

۱۱۔مؤرخ کو چاہیے کہ مناسب عقل مند اور سمجھدار رہے تا کہ وہ واضح اندازہ میں حقائق میں تمیز اور حقائق کو ایک دوسرے سے جوڑے تا کہ مناسب موقع پر اس کے فوائد حاصل ہوں۔حوادث تاریخی جو اگر کبھی ایک دوسرے سے بے ربط ہوں انھیں اگر وہ مخلوط رکھے گا تو اس کیلئے ایک دوسرے سے ربط دینا مشکل ہو جائے گا۔

۱۲۔ضروری ہے مؤرخ صاحب ذوق وشوق اور رغبت کا حامل ہو۔اسے چاہیے دوسروں کے نظریات کو دوسروں کی سوچ کو درک کرے تا کہ اس کیلئے واضح ہو جائے کے تاریخ میں یہ شخصیات کیسے وکب آگے بڑھیں؟ کیسے ان مقامات تک پہنچیں؟ وہ یہ بھی درک کرے کہ ان شخصیات کا تاریخ کے ان صفحات میں موقع ومحل کیا تھا انقلاب کے دور میں کیسے تھے مقابلے کے دور میں کیا رویہ اپنایا اور کامیابی کے دور میں کیسے رہے۔اسی طرح ہر ایک حالات اوقات میں انکے کردار کا جائزہ لے۔

۱۳۔شخصِ مؤرخ کیلئے ضروری ہے تاریخ لکھتے وقت مسلمات متواترات متشابھات سے متاثر اور مرعوب ومرغوب ہوئے بغیر تاریخ لکھے کوئی بھی مضمون مسودہ من وعن درج کرنے سے گریز کریں ورنہ حاطب حشیش ہوگا یعنی اندھیرے میں چیز تلاش کیلئے ہاتھ مارنے جیسے ہوگا جیسا کہ آج کل علامہ مجلسی کی غث وسمین سے بھری کتب کو دریا یا جنگل سے تشبیہ دیتے ہیں جہاں سب کچھ پایا جاتا ہے۔

۱۴۔مورخ کو نقد ذاتی کا حامل ہونا چاہیے جہاں اس کے افکار خطاء کریں اسے اس کا ادراک ہونا چاہیے۔نقد ذاتی سے مراد یہ نہیں کہ مؤرخ اپنے افکار سے برگشت کرے اور سیاست سے مؤافقت کرے کہ وقت وحالات بدل گئے ہیں۔وہ کسی کے تعجب وتفریط سے متاثر نہ ہو نہ کسی نص اور نہ ہی کسی واقعہ کی پرواکرے ایک ایسا انسان جو قاضی کی صفت رکھتا ہو اس کا تمام ہم وغم عدالت تک پہنچنا ہے اسے دنیوی گرائش سے پاک ہونا چاہیے مؤرخ کو بھی ایسا ہونا چاہیے۔

تمدنوں کا عروج وزوال

ا۔سیاسی:

جب کسی قوم کی قیادت ورہبری عیش پرست مترفین اور مملکت کا اجراء ونفاذ ظالمین ومجرمین اور طاغوت کے پاس آتا ہے تو وہ طغیان اور سرکشی میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اپنے اقتدار کی ہوس میں ہر نئی دعوت کو اس ڈر سے کہ کہیں یہ نئی دعوت ان سے اقتدار نہ چھین لے کچلتے ہیں۔دوسری طرف لوگوں میں پھیلنے والی ہر قسم کی برائی،جرائم اور حالات کے سامنے خاضع اور خاموش رہتے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے:"جب میری امت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرے تو سمجھ لینا اسے ہر حال میں یہاں سے جانا ہے"ایک اور حدیث میں ہے: میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جنھیں تم ارباب منکر سے جانتے ہو گے جس نے بھی نہی از منکر کیا تو وہ دین میں سالم رہ جائے گا اور جس نے ان کی پیروی کی یا اس پر راضی رہا وہ نہیں بچ پائے گا۔

۲۔اقتصادی:

جب امت عیاش، سرمایہ دار اور غریب وفقیر گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے تو امت کا سقوط وزوال ناگزیر ہوجاتا ہے اس وقت اکثر لوگ پیاس بھوک اور محرومیت کی زندگی گزارتے ہیں ترقی وتمدن پاش پاش ہوجاتی ہے اور ارباب عیش ونوش اقتدار پر مسلط ہوجاتے ہیں ۔ظلم ،انفجار کی مانند ہے جو کسی بھی وقت منفجر ہونے کیلئے تیار رہتا ہے لہٰذا اسلام نے ہر قسم کے ظلم کو رد کرنے کی دعوت دی ہے ۔ایک سزا اللہ نے اس دنیا کی گردش میں رکھی ہے ،اس کا نافذ کنندہ خود اللہ سبحانہ ہے اس حوالے سے سزا عام طور پر فرد کو نہیں بلکہ اجتماع کو دی جاتی ہے ۔اجتماع کو ایسی سزائیں کیسے ملتی ہیں اس کو سمجھانے کیلئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں ۔اجتماع کی مثال ایک انسان کی ہے ،ایک انسان کا وجود اپنی جگہ ایک مملکت ہے ،اس کے اندر سینکڑوں نظام چلتے ہیں اس نظام میں جو خلل واقع ہوتا ہے وہ خلل اپنی جگہ چند اقسام کے ہوتے ہیں ۔ایک خلل زود اثر ہوتا ہے ،ہر وقت اثر کرتا ہے اور جان لیوا ہوتا ہے ۔جیسے حرکت قلب فیل ہونے والے مرض یا سم قاتل وغیرہ اور بعض خلل اپنی جگہ دیر اثر ہوتے ہیں انھیں طویل مدت درکار ہوتی ہے کہ وہ اپنا اثر دکھائیں ،شاید بعض انسانوں کو پتہ نہ چلے کہ ان کے جسم میں یہ خلل آیا ہے ،کیونکہ عام انسان ہمیشہ اپنی صحت کی آزمائش نہیں کرتے ،لہٰذا خلل جب تک وسیع پیانے پر اثر دکھانا شروع نہیں کرتے انھیں پتہ نہیں چلتا ۔دس بیس سال کے بعد انھیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عرصے سے اس بیماری میں مبتلا ہیں چنانچہ ابتداء میں یونانی یا ہومیو پیتھک یا پیناڈول یا پیراسٹامول سے گزارا کرتے ہیں ،لیکن جب وہ مرض اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو بعض جگہ علاج کی گنجائش ہوتی ہے اور بعض جگہ نہیں ہوتی اور پھر وہ مرض جان لیوا ہوتا ہے اور وہ انسان مرجاتا ہے ۔اس طرح بیماریاں قوموں کو بھی لاحق ہوتی ہیں ،قوموں میں مختلف اجتماع کے مختلف نظام ہوتے ہیں ۔ایک نظام مال ودولت ہے یا نظام اقتصاد جو کسی بھی ملک کی گردش میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے ،اگر یہ عہدہ ایک عیش ونوش اور تکبر وغرور کے حامل فرد کے پاس ہے جو دوسروں کو بھی اس میں شامل کرتا ہے تو یہ پوری قوم کو تباہی کی طرف لے کر جاتا ہے ۔جس کا ذکر اللہ سبحانہ نے قرآن میں مختلف آیات میں کیا ہے ۔جب ہم کسی قوم کو تباہ وبرباد کرتے ہیں تو اہل ترف وعیش ونوش والوں کو آگے لاتے ہیں ۔

﴿ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴾ ''اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے جو آخرت کی ملاقات کی تکذیب کرتے تھے اور جنہیں ہم نے دنیاوی زندگی میں آسائش فراہم کر رکھی تھی کہا :یہ تو بس تم جیسا بشر ہے ،وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔'' (مومنون ۳۳)

﴿ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴾ ''البتہ صبر کرنے والے اور نیک اعمال بجالانے والے ایسے نہیں ہیں ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۔'' (ھود ۱۱)

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴾ ''اور ہم نے کسی بستی کی طرف کسی تنبیہ کرنے والے کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے مراعات یافتہ لوگ کہتے تھے: جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے ۔'' (سباء ۳۴)

﴿ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے عیش پرستوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔'' (زخرف ۲۳)

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ﴾ ''یہ لوگ اس سے پہلے نازپروردہ تھے ۔'' (واقعہ ۴۵)

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾ ''تمہارا پروردگار وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو ،اللہ تم پر یقیناً نہایت مہربان ہے ۔'' (اسراء ۶۶)

﴿ حَتَّى إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴾ ''حتیٰ کہ جب ہم ان کے عیش پرستوں کو عذاب کے ذریعے گرفت میں لیں گے تو وہ اس وقت چلا اٹھیں گے ۔'' (مومنون ۶۴)

ارکان تاریخ:

۱۔قانون ۲۔زمین ۳۔انسان ۴۔اللہ

تمام مرکبات مادی ومعنوی کے اجزاء اپنے کردار کے حوالے سے دونوعیت یعنی اجزاءرکنی اوراجزاءغیررکنی میں تقسیم ہوتے ہیں۔اجزاءرکنی اس جزء کو کہتے ہیں جس کے فقدان سے یہ چیز بھی فاقد ہوجاتی ہے اسے اس چیز کا رکن کہتے ہیں۔رکن کی جمع ارکان آتی ہے جہاں رکن کا فقدان ہو وہاں وہ چیز بھی نایاب ہوگی۔ تاریخ کے بھی ارکان ہیں۔ارکان تاریخ میں قانون،انسان، زمین اوراللہ کا ارادہ شامل ہے۔اگران چاروں ارکان میں سے ایک بھی منہا ہوجائے تو تاریخ کا وجود بھی نہیں ہوگا۔

مداخلت ربانی:

اللہ سبحانہ وتعالی کہاں کہاں مداخلت کرتے ہیں؟فتح وکامیابی ہمیشہ صاحبانِ قدرت والوں کی ہے۔جبکہ ہزیمت وشکست ضعیف وناتوان قدرت و طاقت سے محروم گروہوں کا مقدر ہے۔یہاں فتح وکامیابی کیلئے میدان جنگ میں اترنے سے پہلے فتح وکامیابی کے اسباب کاتعین کرنا ہے،وہی شخص وہی گروہ فاتح نکلے گا جو ان اسباب کا عالم ہوگا اور جو ان اسباب سے جاہل ونادان ہوگا اسے ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔جتنی سبب شناسی ہوگی،اسی تناسب سے غلبہ ملے گا۔اس سلسلے میں اللہ نے اپنے نبی کریم ہرگزرنے والی سختیوں اوردگرگوں حالات کے بارے میں فرمایا:یہ ایک نظام کے تحت عمل پذیر ہوتے ہیں۔آپ اس نظام سے مستثنیٰ نہیں جو حالات گذشتہ انبیاء کے ساتھ گزرے ہیں یہی آپ کے ساتھ بھی ہوں گے۔یعنی اس قانون کا سب کوسامنا ہوگا جیسا کہ:

﴿فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ "اب کیا یہ لوگ اس کا انتظار کررہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے ساتھ اللہ کا جوطریقہ رہا ہے وہی ان کے ساتھ بھی برتا جائے؟یہی بات ہے تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔" (فاطر۴۳)

﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ "یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے" (فتح ۲۳)

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ "ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عنایت فرماتا ہے اس وقت تک اسے نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہیں بدلتے اور یہ کہ اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔" (انفال ۵۳)

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ "کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اس قسم کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلوں کو پیش آئے تھے؟انہیں سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ اس حد تک جھنجھوڑے گئے کہ(وقت کا)رسول اور اس کے مومن ساتھی پکار اٹھے کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی؟(انہیں بشارت دے دی گئی کہ)دیکھو اللہ کی نصرت عنقریب آنے والی ہے۔" (بقرہ ۲۱۴)

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ﴾ "ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے ہوئے نگراں لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی،نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی ومددگار ہوسکتا ہے۔" (رعد ۱۱)

اگرایک انسان کو اس تاریخ کے برے نتائج سے خود کو نکالنا ہے اور سعادت مندوں کی صف میں شامل کرنا ہے تو اسے تاریخ کے معین کردہ اصول سے گزرنا ہوگا۔قرآن تاریخ کی اہمیت کی خاطر اور اس کے فوائد کثیرہ کی خاطر انسان کو تاریخ پڑھنے سمجھنے،غور کرنے کی مسلسل مکرردعوت دیتا ہے۔

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا﴾ "کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہ تھے

کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ اللہ نے ان کا سب کچھ ان پر الٹ دیا، اور ایسے نتائج ان کافروں کے لیے مقدر رہیں" (محمد ۱۰)

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے، اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے، اور انہی کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں؟ یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے اور زیادہ بہتر ہے جنھوں نے (پیغمبروں کی بات مان کر) تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟" (یوسف ۱۰۹)

﴿ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ، أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ "پھر (قابل فکر ہے) کتنی ہی بستیاں ان کے ظلم کی وجہ سے ہم نے تباہ کیں اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے کنویں اور اونچے قصر بیکار پڑے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہو جاتے؟ حقیقتاً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔" (حج ۴۵، ۴۶)

﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَحِيصٍ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴾ "ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کیا جو ان سے قوت میں کہیں زیادہ تھیں، پس وہ شہر بہ شہر پھرے، کیا کوئی جائے فرار ہے؟ ان میں ہر صاحب دل کیلئے یقیناً عبرت ہے جو کان لگا کر سنے اور (اس کا دل) حاضر رہے" (ق ۳۶، ۳۷)

درج بالا آیات میں تاریخ پڑھنے پر دعوت دی ہے کہ تاریخ استثنیٰ بردار نہیں ہے۔

﴿ سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ﴾ "یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آ رہی ہے، اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔" (احزاب ۶۲)

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴾ "یہ ہمارا دستور ہے جو ان تمام رسولوں کے ساتھ رہا ہے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔" (اسراء ۷۷)

﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ ﴾ "اور بتحقیق آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جاتے رہے اور تکذیب و ایذا پر صبر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی اور اللہ کے کلمات تو کوئی بدل نہیں سکتا، چنانچہ سابقہ پیغمبروں کی خبریں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔" (انعام ۳۴)

کائنات کی تاریخ چاہے عالم طبعی ہو، انسانی ہو یا اجتماعی ہو دونوں میں دگرگونی کی برگشت ربانی ہے یعنی اللہ ہی اس کائنات کو دگرگوں اور حرکت میں لاتا ہے۔ اس میں انسان کا اختیار ہے انسان کا کردار ہے۔

﴿ وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا ﴾ "اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً انہیں بہت وافر پانی پلاتے" (جن ۱۶)

﴿ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَاوَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴾ "اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ کی گئی ہو۔ جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔" (کہف ۴۹)

قانون تاریخ کی خصوصیات میں سے ایک اس کیلئے ایک طویل وقت درکار ہے۔ ایک انسان کے لیے ممکن نہیں اسے انتظار نہیں کرنا چاہیے یا توقع نہیں

رکھنی چاہیے کہ اس تاریخ پر عمل کرنے کے ثمرات و پھل کو وہ خود دیکھ سکے۔ ایک انسان اس قانون کے ساتھ چلتے وقت اپنی عمر گزار دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں بھی پیش کرسکتے ہیں کہ ایک انسان جو کشتی میں سوار ہے جب وہ دریا کی موجوں سے گزرتا ہے تو موجوں کو پیچھے چھوڑتا ہے وہ خود گزر جاتا ہے لیکن یہ لہریں اس کا پیچھا کر رہی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ثمرات کو نہیں دیکھ پاتا۔ وہ مایوس ہو کر اس دنیا سے گزرتا ہے۔ اس کی ایک مثال سنن کو نبیہ جو اللہ نے وضع کئے ہیں سے بھی دے سکتے ہیں مثلاً چاند پر موجود انسان بارہ دفعہ چکر لگائے لیکن زمین پر موجود انسان کا یہ ایک چکر ہو گا یعنی اس قانون کی اثر پذیری کیلئے وقت درکار ہے۔ تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے ایک انسان قانون کی پابندی کرنے کی وجہ سے اس کے ثمرات کا مستحق ہوا ہے لیکن یہ بات وقت گزرنے کے بعد پتہ چلتی ہے جیسے ہم بعد میں آگاہ ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴾ "یہ ہمارا دستور ہے جو ان تمام رسولوں کے ساتھ رہا ہے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔" (اسراء ۷۷)

اسی طرح ایک قانون ہے کہ اللہ اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو اپنے حال پر چھوڑتا ہے اور جب ان کے انجام زوال وفناء ہونے کا وقت آتا ہے تو ان کے اوپر اللہ کا قانون لاگو ہوتا ہے وہ لوگ اللہ کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ یہ ان پر لاگو ہو کر رہے گا، وہ آخر میں فناء ہو کر ہی رہیں گے۔

﴿ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴾ "کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو نابود کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو ہم نے تمہیں نہیں دیا؟ اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں جاری کر دیں پھر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں۔" (انعام ۶)

نبی اکرمؐ کی جماعت کو فتح ہوئی اور مشرکین کو شکست ہوئی کیوں کہ آپؐ اس وقت اسباب فتح وظفر کے حامل تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی محمدؐ اور ان کی جماعت کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین قریش کو شکست ہوئی کیونکہ فتح ہونے کے اسباب محمدؐ کے ساتھ تھے اور شکست کے عوامل حلیف قریش کے ساتھ تھے۔ لیکن یہ اسباب شب ہجرت کے وقت پیدا ہوئے تھے۔

﴿ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ "اور یہ لوگ اس بات پر بھی تلے رہے ہیں کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ لیکن اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد یہ خود یہاں کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے" (اسراء ۷۶) یہاں سے واضح ہوا کہ اللہ کو کسی بھی وقت اور کسی بھی میدان میں شکست نہیں ہوتی جبکہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کیلئے کبھی شکست ہوتی ہے اور کبھی وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محمدؐ کی شکست و فتح کے درمیان فیصلہ کرنے والے صرف اسباب ہیں لہٰذا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورہ انفال کی آیت ۶۰ میں محمدؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کو یہ حکم دیا تم دشمنوں سے پہلے ان اسباب و سائل سے مسلح ہو﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾ "اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا"۔

قانون ربانی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ دگر کوئی صرف اور صرف کسی قوم وملت کی خواہش، کوشش اور صلاحیت واہلیت کے تحت نہیں بلکہ اس قانون کا سرہ اللہ سے ملتا ہے جس کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴾ "جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد کرے؟" (آل عمران ۱۲۴)

قانون دگرگونی اجتماع:

شہید الصدر کا کہنا ہے ۔ایسے ہی ایک قانون اجتماع میں بھی جاری ہے یعنی اجتماعی دگرگونی بھی بطور صدفہ نہیں ۔اس سلسلے میں فرماتے ہیں تغیر اجتماعی کا بھی ایک قانون ہے ۔اجتماع انسانی میں عروج و زوال قانون ہی کے ذریعے ہوتا ہے ۔آپ اپنے حلقہ دروس کے درس پنجم میں جو منگل ۳ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ کو دیا گیا میں فرماتے ہیں یہ قانون ایک کلی و عمومی اور مطرد قانون ہے یہ اتفاقی ' اچانک اور تصادفی کے تحت ہے نہ اس میں جوامع بشری میں کفر و ایمان و نفاق میں فرق کارفرما ہوتا ہے بلکہ یہ قانون اسی طرح ایک ہمہ گیر تخلف ناپذیر قانون ہے ۔جس طرح قانون طبیعی میں جسم کا اوپر سے نیچے گرنا 'پانی کا سیلان اور اس کا ابلنا وغیرہ ایک قانون کے تحت ہوتا ہے ۔جو قانون حرکت بشر میں کارفرما ہے وہ کیسا اور کونسا قانون ہے اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں ۔جب ہم کہتے ہیں تاریخ جبری تصادفی نہیں بلکہ ایک قانون کے تحت چلتی ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ قانون تاریخ اپنی جگہ جبری ہے، قانون تاریخ اپنی جگہ دیگر قوانین کی طرح ہے ۔کچھ قانون عیاں و نمایاں جبکہ کچھ نہاں و پنہاں دقیق و باریک ہوتے ہیں ۔دور او رنزدیک کے لئے عینک کے شیشے جدا جدا ہوتے ہیں ۔یہ قانون دائمی تغیر ناپذیر ہے یہ قانون جس دن سے کشف ہوا ہے ابھی تک اور قیام قیامت تک تغیر ناپذیر رہے گا جیسے قوانین منطق ریاضیات جمع 'ضرب 'تفریق 'تقسیم 'وغیرہ قانون تغیر ناپذیر ہیں 'یہ کسی سبب و مسبب کے تحت ہیں ۔قرآن میں اسے سنت کہا گیا ہے قرآن نے چندین جگہ فرمایا ہے اللہ کی سنت قابلِ تغیر و تبدل نہیں ہے ۔یہ ایک قانون کے تحت جاری ہے ۔انسانی معاشرے میں تغیر و تبدل ،عروج و صعود ،سقوط و زوال سب ایک قانون اصول و ضوابط کے اندر طے پاتے ہیں یہ جبر طبیعی نہیں جیسے ایک پتھر اوپر کی منزل سے نیچے گرتا ہے یا بادلوں سے بارش برستی ہے ،بلند پہاڑ کی چوٹیوں سے پانی زمین پر آتا ہے اور نہ ہی یہ صدفہ یعنی اتفاقی ہے ، بلکہ یہ اصول ،ضوابط کے تحت انجام پاتے ہیں انھیں قرآن کریم نے سنن کہا ہے اور یہ ترمیم ،استثناء بردار نہیں ہے ۔آیات میں فرمایا ہے ۔[ولن تجد لسنه الله تبديلا] ۔

سنن الٰہی اپنی جگہ دو نام سے پہچانے جاتے ہیں ۔

۱۔ سنن فتح و ظفر ،نصرت و عزت ،اقتدار و مکنت امن و سکون ،عیش و راحت آور ۔

۲۔ سنن سقوط و زوال ،پست و ذلت ،ہزیمت و شکست ،ننگ و عار ،فقر و فاقہ ،بے چینی و بے چارگی ،غلامی و اسیری جسے سنن عقوبات کہتے ہیں جو آئین حیات بخش اسلام سے پہلوتہی 'انصراف گرائی 'تمرد و سرکشی اور بے پروائی سے جنم لیتی ہیں ۔اگر معاشرہ فاسد و کافر ہے تو پہلے قانون کے جاگزین ہونے سے بدلے گا ۔سنن عقوبات کے استحقاق کا آغاز ظلم سے ہوتا ہے ،ظلم جیسا کہ روایات میں آیا ہے ،کتاب نہج البلاغہ میں مولا امیر المومنینؑ سے نقل ہے ؛ظلم کی تین قسمیں ہیں ؛ پہلا ظلم انسان اپنے نفس پر کرتا ہے ،جہاں وہ اس نفس کیلئے معین کردہ حقوق نہیں دیتا ۔اسے کسی اور چیز میں مصروف رکھتا ہے ۔دوسرا ظلم ،اپنے خالق و معبود کے ساتھ ہے جہاں وہ اس ذات والا کو چھوڑ کر اس کی کسی مخلوق کے سامنے خاضع ہو جاتا ہے جو حقوق اللہ کی طرف سے اس پر عائد ہیں وہ اللہ کی بجائے اس معبود خود ساختہ کو دیتا ہے ۔تیسرا ظلم جو اپنے ہم نوع انسانوں پر کرتا ہے ان کے حقوق سلب کرتا ہے ،جب ظلم فروغ پاتا ہے تو فسق و انحراف پیدا ہوتا ہے جب فسق و انحراف کی تکرار ہوتی ہے تو عصیان و نافرمانی اور سرکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے ،یہاں سے ارتکاب ظلم میں اضافہ ہوتا ہے اور فسق و نفاق کا ارتکاب کرتا ہے ،جب فسق و نفاق اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں تو عقوبات کا استحقاق پیدا کرتا ہے :

﴿ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴾ ''اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بد عہد پایا اور اکثر کو ان میں فاسق پایا ۔'' (اعراف ۱۰۲)

﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾ ''اور یاد کرو موسیٰ کی وہ بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی تھی ''اے میری قوم کے لوگو تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ''؟ پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے ،اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔'' (صف ۵)

﴿ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ ''یہ لوگ بھلائی سے پہلے برائی کے لیے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (جو لوگ اس روش پر چلے ہیں ان پر خدا کے عذاب کی) عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ تیرا ربّ لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کے ساتھ چشم پوشی سے کام لیتا ہے ۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرا ربّ سخت سزا دینے

والا ہے۔'' (رعد ٦)

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ''پس جب انہوں نے وہ باتیں فراموش کر دیں جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو نجات دی اور ظالموں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے برے عذاب میں مبتلا کر دیا۔'' (اعراف ١٦٥)

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ''مگر ظالموں نے اس قول کو جس کا انہیں کہا گیا تھا دوسرے قول سے بدل دیا تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔'' (بقرہ ٥٩)

ظلم بذات خود خواہشات نفس کی پیروی اور اسکے دلدل میں ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے۔ ظلم خواہشات نفس کی پیروی سے نکلتا ہے اور خواہشات نفس کی پیروی اپنی جگہ باہر سے تعلیم دی جاتی ہے جیسا کہ آج کل کے ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹی وی، مجلّات اور درسگاہیں، سب کے نصاب انسان کو خواہشات نفس کی پیروی سکھاتے ہیں۔ بدقسمتی سے حارسان و حافظان و شارحان دین اس کی توثیق فرماتے ہیں۔

جب انسان جادہ مستقیم سے، فطرت سے ہدایت عقل و شریعت سے ہٹ کر ہر کس و ناکس کی پیروی کرتا ہے تو یہاں سے وہ ظلم کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ ''مگر ظالم لوگ نادانی میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں پس جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' (روم ٢٩)

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ ''تب ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی جدھر وہ چاہتا تھا'' (ص ٣٦)

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ''پس اگر وہ آپ کی یہ بات نہیں مانتے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ بس اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ اللہ ظالموں کو یقیناً ہدایت نہیں کرتا۔'' (قصص ٥٠)

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟'' (جاثیہ ٢٣)

سنن قوانین شرعیہ:

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے گزشتہ ادوار میں انبیاءؑ کی قوموں کو اوامر و نواہی وعدہ و وعید دیے اور ہمیشہ سے اللہ نے اپنے اوامر کی اطاعت کرنے والے اور نواہی سے باز رہنے والوں کیلئے اپنے وعدے پر وفا کیا انھیں فتح و نصر سے نوازا اور جن جن لوگوں نے اللہ کی نواہی کا ارتکاب کیا اور اوامر کو مسترد کیا تو اللہ نے وعید پر عمل کیا اور انھیں دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔

سنن آزمائش:

اللہ نے انبیاءؑ کو بہت سی جگہ آزمائشی مراحل سے گزارا تا کہ انبیاءؑ پر ایمان لانے والوں کے ایمان کا صیقل کرے اور ان میں دنیا کی مشکلات کے ساتھ مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ انہی حقائق کو دلنشین کرنے کیلئے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کی طرف نشاندہی کی گئی ہے جسے آپ قرآن میں موجود ابتلاء و آزمائش سے متعلق آیات میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ''اور بے شک آپ سے پہلے (بھی) بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے پھر ہم نے انہیں سختیوں اور تکالیف میں مبتلاء کیا تا کہ وہ عاجزی کا اظہار کریں۔ پھر جب ہماری طرف سے سختیاں آئیں تو انہوں نے عاجزی کا اظہار کیوں نہ کیا؟ بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھائے۔'' (انعام ۴۲۔۴۳)۔

قرآن کریم میں اقتدار حکومت برتری کو ہمیشہ گردش میں رکھنے کا تذکرہ ملتا ہے جیسے **"تلک الایام نداولها بین الناس"** یہ گردش بھی ایک قانون کے تحت روبہ عمل ہے اور ایک قانون کے تحت ہے۔ اس قانون کی تفسیر قرآن نے دو طریق سے کی ہے۔ ایک یعنی طاقت وقدرت والے ہی غالب رہیں گے جہاں جہاں قدرت ہوگی وہ غلبہ پائے گی اور کمزور وضعیف مغلوب ہونگے۔ یہاں دیکھنا ہوگا طاقت وقدرت کے مصادیق کیا ہیں۔ دوسرا دخالت ارادہ ربانی ہے کبھی اللہ خود مداخلت فرماتا ہے، یہاں غلبہ دخالت ربانی سے ہوگا کئی آیات میں اسکا تذکرہ ہے۔ اسکا مصداق جلی غزوہ بدر ہے جہاں کمزور نے قوی پر غلبہ پایا ہے لیکن یہاں یہ بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ مداخلت ربانی کے کیا اصول ہیں۔ قومیں اسی اشتباء میں ہیں کہ طاقت وقدرت کسے کہتے ہیں اسکے مصادیق کیا ہیں اور اللہ کہاں کہاں مداخلت کرتا ہے اور یہ مداخلت کس قانون کے تحت ہے۔

انسان ہمیشہ اپنی خواہشات کے حصول کی جنگ میں لڑتا ہے۔ یہ ایک طولانی اور مادام العمر جنگ ہے، لہذا سورہ انشقاق آیت ۶ میں آیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ﴾ ''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے''۔ لہذا وہ اپنی خواہشات ومیلانات سے جنگ میں رہتا ہے۔ اس جنگ میں ہمیشہ وہی لوگ کامیابی سے ہمکنار اور سرخرو ہوتے ہیں جنہوں نے اس جنگ میں عقل کو خواہشات کے مقابلہ میں کھڑا کیا کیونکہ خواہشات اسے حیوانیت کی طرف لے جاتی ہیں، عقل کہتی ہے تم انسان ہو حیوان سے افضل ہو اس طرف مت جاؤ، وہاں تمہاری انسانیت کی موت ہوگی، خواہشات کی اسارت سے خود کو آزاد کرو۔ اس تلقین یا نصیحت کو اسلامی اصطلاح میں جہاد بالنفس کہتے ہیں۔

دوسری جنگ، جنگ افکار ونظریات ہے۔ افکار ونظریات ہی انسان کی سمت، جہت معین کرتا ہے۔ ہدف کا تعین کرتا ہے۔ منزل کا تعین کرتا ہے، لیکن یہ واضح وروشن ہونے کی ضرورت ہے کہ یہ افکار ونظریات اپنی جگہ صحیح ہیں یا غلط، کیونکہ دنیا میں ایسے بہت سے افکار ونظریات ہیں جن کے حامل افراد کثیر تعداد میں اعلانیہ اور غیر اعلانیہ رواں دواں ہیں۔

ایک فکر یہ ہے کہ دنیا میں اقتصاد، دولت وثروت ہی انسان کو گردش دیتی ہے یہی کلید سعادت ہے، یہ فکر عصر حاضر میں کارل مارکس انجلیز اور لینن وغیرہ نے پھیلائی اور گزشتہ ستر سال سے بہت سے ملکوں کو ورغلا کر قعر مصیبت میں دھکیل دیا گیا ہے اور ابھی بھی وہ اپنے قدموں پر نہیں اٹھ سکے اور خدا کے اس سنن تاریخی کے تحت خود بھی اسفل سافلین میں گر گئے۔ یہ فکر ملحدین وکافرین سے مومنین تک سرایت کر گئی ہے یہاں تک کہ ہمارے علاقے کے قائدین علامہ شیخ غلام محمد، شیخ جعفری، قائد ملت آغا علی موسوی ودیگر اکابرین کا کہنا ہے ہم کسی کو این۔ جی۔ اوز ملحدین اور منحرفین کا ساتھ دینے سے نہیں روک سکتے، جب تک ہم اس قابل نہ ہو جائیں کہ انہیں کچھ دے سکیں اس کی تائید میں کہتے ہیں اسلام حضرت خدیجہ کے مال سے پھیلا ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ انہیں عیش ونوش کیلئے دولت بنانے کیلئے آزاد چھوڑنا چاہیے۔ بقول آقائے مظہر کاظمی کے اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کیلئے ارتکاب حرمات جائز ہے اس حوالے سے قرآن میں دو ساتھیوں کا قصہ ہے جہاں جس کے پاس باغات تھے وہ اپنے ساتھی بھائی جس کے پاس مال ودولت نامی کوئی چیز نہیں تھی اسے طنز وملامت اور مسخرہ کرتے ہوئے کہتا ہے؛ اگر آخرت نامی کوئی چیز ہے تب بھی ہمارا ہی بول بالا ہوگا، ہماری حکمرانی ہوگی۔ ہم وہاں بھی سعادت کی زندگی گزاریں گے اور تم وہاں بھی شقاوت وبدبختی کی زندگی گزارو گے۔ ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو۔ دو شخص تھے۔ ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑھ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی'' (کہف ۳۲) ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ ''پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا "میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی، اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت

کی گھڑی کبھی آئے گی ۔تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔"'' (کہف ۳۵۔۳۶)

تیسری جنگ میں انسان خود اپنے ہم نوع انسانوں سے نبرد آزما رہتا ہے ایک انسان کسی نہ کسی طریقے سے دوسرے انسان سے جنگ وجدل میں ہے،ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی فکر میں ہے۔حتیٰ اندرون خانہ بھائیوں میں بھی یہ مقابلہ ہوتا ہے۔اوس وخزرج کی جنگیں اسکی واضح مثالیں ہیں ۔قوم پرستی جسے دنیائے یہود نے فروغ دیا اسے آپ فکر یہودی بھی کہہ سکتے ہیں انہوں نے ہر اس فکر کو فروغ دیا جو مسلمانوں میں جنگ کا باعث بنے۔

اگر ہم تاریخ انبیاء کو پڑھیں گے تو حضرت ابراہیمؑ نے ارض بابل میں اعلان رسالت کیا۔بت پرستی کے خلاف اعلان بغاوت کیا،لیکن ابراہیمؑ کو اس دعوت میں کامیابی نہیں ملی وہ خود مشرکین کے عذاب واذیت وآزار کا نشانہ بنے یہاں تک کہ آپؑ یہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہوئے ۔یقیناً بابل والے خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے بتوں کے دشمن کو یہاں سے بھگا دیا۔اسی طرح اگر ہم دعوتِ ہودؑ ولوطؑ کو پڑھیں گے تو ان کی تاریخ میں آیا ہے انھیں یہ سرزمین چھوڑنا پڑی ہے۔قصہ موسیٰ علیہ سلام پڑھیں جہاں اللہ کی طرف سے طرح طرح کے کثیر معجزات سے نوازنے،من وسلویٰ جیسی نعمتوں کے نوازنے کے باوجود کسی وقت بھی ان کو چین وسکون نہیں ملا۔ایک ایسا پرسکون وپر آرام وخوشحال معاشرہ قائم نہیں کرسکے۔دشت وبیابان میں اپنی قوم کی ناقدر زبانی سنتے سنتے دونوں بھائی اس جہاں سے رخصت ہوئے۔

فلسطین کے طاقت وقدرت میں مستغرق عمالقہ کے نامور بادشاہ جالوت کولشکر طالوت کے ایک سپاہی نے شکست دی،داؤدؑ وسلیمانؑ کی وسیع وعریض حکومت قائم ہوئی ۔حضرت محمد ﷺ تیرہ سال دعوت دینے کے بعد مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے ۔مدینہ تشریف لانے کے دو سال گزرنے کے بعد یکے بعد دیگرے بڑے سے بڑے منظّم ومسلح مقتدر معاشرہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور آخر میں جہاں سے آپؐ کو نکالا تھا پُرسکون طریقے سے مرعوب وخوف زدہ کر کے صدائے اللہ اکبر و محمد رسول اللہ کو بلند کیا۔

نبی کریمؐ کے بعد آپ کے دلدادہ صحابہ آپ کے گرویدہ اور فدائیان کے ذریعے جو مدینہ فاضلہ قائم ہوا آج تک دنیا والوں کو نصیب نہیں ہوا لیکن محمدؐ کے یہ اصحاب ایک ایسا مدینہ فاضلہ قائم کر کے رخصت ہوئے جس سے اہل افلاطون شرمندہ اور احساس کمتری میں مبتلا ہوئے۔ان شخصیات نے دنیا کی بڑی قوتوں کی بساط لپیٹ دی۔یہاں سوچنے کی دعوت ہے، کہ جہاں انبیاءؑ کو شکست کا سامنا ہوا ہو کیا یہ ان کی نااندیشی یا ناتجربکاری تھی یا ان کی جماعت کی کوتاہیاں تھیں یا اس معاشرہ میں مفسدین کی طاقت وقدرت تھی یا یہ ایک صدفہ تھا یا یہ ایک قانون کے تحت ہوا جس کے اندر رہتے ہوئے کبھی اہل حق کو فتح نصیب ہوئی اور کبھی اہل باطل کو۔یہاں سے آیت کریمہ کے معنی روشن ہوتے ہیں۔" **تلک الایام نداولھا بین الناس** "ایام ایک جگہ نہیں رہتے،ایک قوم کیلئے مختص نہیں ہیں بلکہ بدلتے رہتے ہیں۔

اسی طرح یہ فساد وبرائی دوبارہ ان کا نصیب ہوگا یا دوبارہ تمدن وترقی نصیب ہوگی ۔دونوں فساد وصلاح خود بخود نہیں آتے بلکہ اسے انسان بلاتا ہے، آیات میں آیا ہے **بما کسبت ایدیھم الناس** یعنی خود انسان اسے بلاتا ہے۔یہاں مناسب ہوگا صلاح وفساد کا لغوی معنی بیان کئے جائیں۔

مفردات راغب میں آیا ہے فساد کسی چیز کا اعتدال سے نکلنے کو کہتے ہیں چاہے قلیل ہو یا کثیر ہو فساد کی ضد صلاح ہے فساد کبھی نفس العس میں ہوتا ہے کبھی بدن میں ہوتا ہے'فساد استقامت سے نکلنے کو بھی کہتے ہیں۔

کوئی شخص استقامت سے نکل جائے ﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَائَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ﴾''اور اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق چلتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جاتے۔''(مومنون ۷۱)اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے اگر حق سبحانہ مخلوق کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے فاسد ہو جائیں گے ۔قرآن کریم کی کثیر آیات میں فساد پھیلانے کا ذمہ دار بھی منافقین کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں آیا ہے منافقین ہی فساد پھیلانے والے ہیں منافقین کا ترجمہ آج کل سیکولریزم یا علمانیت سے کرتے ہیں جو دو چیزوں کے حامل ہوتے ہیں ۔فساد کہاں اور کس چیز سے پھیلتا ہے اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

۱۔عبادت گاہوں کی ویرانی فساد پھیلنے کا سبب بنتی ہے۔

۲۔اقتدار اعلیٰ پر اس فکر کے مخالف افراد کے قابض ہونے سے پھیلتا ہے۔بادشاہ جہاں قابض ہوتے ہیں فساد کرتے ہیں۔

﴿ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴾''ملکہ نے کہا: بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے

ہیں تو اسے تباہ کرتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی اسی طرح کریں گے۔" (نمل۔۳۴)

۳۔تبذیر و اسراف سے فساد پھیلتا ہے۔

۴۔اللہ سبحانہ کبھی از خود اس فساد کو روکتا ہے ان جیسے انسانوں کے ذریعے جو تعداد میں قدرت و وسائل میں ان سے کم ہونگے۔اللہ جانتا ہے کون فساد کرتا ہے اور کون اصلاح کرتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے زمین میں فساد نہ کرو:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَاتَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَاتَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ "اور جو (مال) اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، البتہ دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ کر یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔" (قصص ۷۷)

عاد و ثمود نے فساد کیا تھا:

﴿فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ﴾ "اور ان میں بہت فساد پھیلا تھا" (فجر ۱۲)

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ "لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا تا کہ انہیں ان کے بعض اعمال کا ذائقہ چکھایا جائے، شاید یہ لوگ باز آجائیں۔" (روم ۴۱)

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ "اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اگر تم لوگ اس (دستور) پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔" (انفال ۷۳)

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ "پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا، ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے" (ھود ۱۱۶)

قتل نفس فساد ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾ "اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ" جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی"۔مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں" (مائدہ ۳۲)

دین و شریعت سے لڑنا فساد ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے" (مائدہ ۳۳)

اللہ فساد کو خاموش کرتا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ ''اور یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جب کہ اصل میں ان ہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بنا پر ملعون ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپ پر پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا انکار ان میں سے بہت سوں کے کفر اور ان کی سرکشی کو اور بڑھا دے گا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے کہ جب بھی جنگ کی آگ بھڑکانا چاہیں گے خدا بجھا دے گا اور یہ زمین میں فساد کی کوشش کر رہے ہیں اور خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا '' (مائدہ ۶۴)

اقتدار فساد کا پیش خیمہ ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ '' آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کیلئے بنا دیتے ہیں جو زمین میں بالادستی اور فساد پھیلانا نہیں چاہتے اور (نیک) انجام تو تقویٰ والوں کیلئے ہے۔'' (قصص ۸۳)

اللہ فساد کو رفع کرتا ہے:

﴿فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ''چنانچہ اللہ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو شکست دی اور داود نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں سلطنت و حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ چاہا انہیں سکھا دیا اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کا بعض کے ذریعے دفاع نہ فرماتا رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا، لیکن اہل علم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔'' (بقرہ ۲۵۱)

تعدد الٰہ فساد کا سبب بنتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا﴾ ''اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے'' (انبیاء ۲۲)

اللہ کی اطاعت کی سرپیچی فساد ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، یہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی'' (کہف ۵۰)

اگر آپ ان کی علامات نشانیاں اپنے معاصر معاشرے میں دیکھنا چاہیں گے تو یہ عوامل و اسباب فساد پورے طور پر ان کے ساتھ فعال و سرگرم ہیں:

۱۔اقتدار اعلیٰ تک رسائی کے لئے رسہ کشی۔

۲۔اسراف و تبذیر اپنے عروج کو چوم رہا ہے۔

۳۔منابر اسلامی پر جہلا و فاسقین کا قبضہ ہے جو اسلام قرآن و سنت سے ناآشنا ہیں۔

منافقین فساد کرتے ہیں:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں: ہم تو بس اصلاح کرنے والے ہیں۔ یاد رہے! فسادی تو یہی لوگ ہیں، لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔'' (بقرہ ۱۱-۱۲)

سنن الٰہی:

سنن الٰہی کے بارے میں افراد و اجتماع کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کی تمام تر کوشش ہوتی ہے کہ سنن الٰہی پر عمل پیرا ہو، اس کی مخالفت اور ہر قسم کے انحرافات سے گریز کرے، احتیاط کرے، ان کو اللہ کے نیک بندے خالص بندے عباد الصالحین کہتے ہیں۔ جنہیں اللہ نے دنیا و آخرت میں سعادت کی بشارت و خوشخبری دی ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں سرخرو رہیں گے۔

دوسرا گروہ، وہ گروہ ہے جو مختلف ومتعدد انداز میں حیلے بہانے، جہالت ،ضرورت کے نام سے اس سنن سے روگردانی، سرپیچی ،تمرّ د وطغیان برتتے ہیں۔ انہیں اللہ نے فاسقین، عاصین، طاغین مستحق عذاب وعقاب گردانا ہے جو اللہ کے آئین وشریعت کا پاس نہیں رکھتے ۔مخالفت برتتے ہیں اور عصیان کرتے ہیں۔وہ دو قسم کی سزا کا استحقاق پاتے ہیں، ایک سزا مرنے کے بعد کیلئے مقرر ہے جسے عذاب کہتے ہیں۔ان کیلئے وہ آیات ہیں ﴿ فذوقوا بما کسبتم ﴾ ''جو چیز تم نے دنیا میں کمائی ہے اس کا مزہ چکھو'' دوسری سزا اس دنیا میں ہے جسے عقاب کہتے ہیں۔ یہ عقاب اپنی جگہ دو قسم کے ہیں۔ایک عقاب وہ ہے جو حاکم اسلامی ولی امر مسلمین دین وشریعت کا پاس نہ رکھنے والوں کو دیتا ہے جیسے تازیانہ ،حبس، قتل وغیرہ۔دوسرا عتاب جسے سنت تاریخی کہتے ہیں، کچھ اجتماعی جرائم ایسے ہوتے ہیں جن کے مرتکب افراد کو ایک زمانہ گذرنے کے بعد اس کے عتاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے سنت تاریخ کہتے ہیں۔اس قانون کی مثال ایسے ہے جیسے اگر کسی قوم میں زنا رواج پائے گا تو وہ قوم ایک زمانہ کے بعد افرادی توازن کھو بیٹھے گی اسے قلت آبادی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اس قانون کے نافذ ہونے کی رفتار سست ہے۔اس کے بارے میں آگاہی کیلئے آیات قرآنی پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اجتماع کی بقاء ودوام حیات ایمان باللہ، ایمان بہ انبیاء وایمان بآخرت سے قائم ہے۔اجتماعی تعلقات و روابط بھی انہی ایمانیات پر قائم ہیں۔اسی طرح تعلیمات، اعتقادات احکام اور اخلاق بھی انہی ایمان کے حاملین سے لیں اور کافرین ملحدین فاسقین کی شاگردی سے گریز کریں۔اگر آپ کا نصاب کافرین ملحدین کا تیار کردہ ہے ملک کے بے دین سیکولروں کے تربیت یافتوں کا ہے، گروہ منحرفین باطنین کا منصوبہ ہو جو انکی طرف سے بنایا ہوا ہے تو یقیناً یہاں سے مرض مہلک جسم اجتماع میں اپنا کردار شروع کرے گا۔اس وقت اہل دنیا تو چھوڑیں یہ بیماری اہل دین اور دین سکھانے والی درسگاہوں میں بھی سرایت کرچکی ہے، مدرسۃ القرآن، مدرسۃ الاسلام، مدرسۃ محمدؐ مدرسہ قرآن وعترت المصطفیٰ المرتضیٰ الفاطمیہ کے سکولوں میں الحادیوں کے منظم کردہ گروہ سرگرم ہیں، ان کے علاوہ اساتید بھی غیر مسلم رکھے جاتے ہیں۔یہاں تک بہت دانشور حضرات حتیٰ جلسہ ایمانی دیندار نمائی کرنے والوں سے کمال بے شرمی سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے استاد یہودی تھے۔ ان پر انسانیت اور اتفاق اور دوستیِ یہود حاوی ہے یہاں نہ قرآن ہے نہ محمدؐ نہ اہل بیت اطہار کا نام ہے۔یہاں صرف صَرف ونحو ہے یہاں فٹ بال اور ورزش ہے۔دین اسلام میں حاکم اسلامی کیلئے بہت سی شرائط بیان ہوئی ہیں جیسے وہ بالغ ہو عاقل ہو عالم متقی اور پرہیز گار ہو اگر ان تمام شرائط کو پس پشت ڈال کر اس شرط کو ترجیح دیں گے کہ وہ غرب نواز ہو مغرب کا پسندیدہ ہو امریکہ کا گرویدہ ہو، بیت ابیض کا نور دیدہ ہو یہاں عوام اور اہل دنیا چھوڑیں علماء عمامہ وعبا پوش بھی اس گروہ میں شامل ہو چکے ہوں تو ایسی امت ہر چار طرف سے مرض مہلک کا شکار ہوگی اور اس بیماری کا پتہ علاج و معالجہ کی نوبت ختم ہونے کے بعد چلے گا اس وقت تقدیر فناء و زوال وسقوط نابودی جہنم دنیا کا ایندھن بن چکی ہوگی وہاں یہ آیات صدق آئے گی۔

﴿ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ ﴾ ''ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر (جب ہلاکت کا وقت آیا تو) فریاد کرنے لگے مگر وہ بچنے کا وقت نہیں تھا۔'' (ص ۳)

قوم کی ترقی وتنزلی میں قائد کا کردار:

دنیا میں قومیں ہمیشہ یکسو نہیں رہتی کوئی کل غلام تھا آج آقا ہے، کوئی کل آقا تھا آج وہ غلام بنے ہوئے ہیں۔بعض کل نعمتوں میں مستغرق تھے آج گداگر بنے ہوئے ہیں۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے ترقی وتنزلی میں کردار کا سہرا کس کو جاتا ہے کیا اچھی سمجھدار قوم اچھے قائد پیدا کرتی ہے یا اچھے قائد قوموں کو اوج سعادت پر لے جاتے ہیں۔تحلیل فلسفی ہے جہاں دونوں تناسب میں ہوں وہاں اس تناسب سے ترقی تنزل ہوتا ہے۔

صالح قوم سے مراد وہ قوم ہے جو اپنے لئے صالح قیادت رکھتی ہے اور اگر صالح قیادت نصیب نہیں ہوتی اور دوسری صورت میں وہ اسکی جستجو میں جاتی ہے۔ جیسے اہل مدینہ فقدان قیادت صالح کے علاوہ خانہ جنگی سے تنگ آکر مکہ آئے اور انھیں قیادت محمدﷺ نصیب ہوئی جبکہ اہل مکہ حضرت محمدؐ کی قیادت سے بغاوت کرکے ابوسفیان ابوجہل کی قیادت میں گئے اہل کوفہ علیؑ حسن وحسین کی قیادت سے محروم ہو کر معاویہ اور یزید کی قیادت میں گئے۔

قوموں کی سعادت میں قائد کی صلاحیت واہلیت کا کردار ہے جبکہ بعض کے نزدیک خود قومیں ہیں جو لائق وصالح قیادت کو ساحل سعادت پر لنگر انداز کرتی ہیں۔پھر انہی کے تعاون سے دیگر مستضعفین کی رہائی کیلئے پیش قدمی کرتی ہیں جبکہ الٹے شعور کی حامل اور سعادت فروش قومیں اپنی صالح قیادتوں کو رلاتی ہیں۔انکی

قیادت موت کی تمنا کرتی ہے۔جبکہ یہ آخر میں ان کے پاک وپاکیزہ خون سے زمین کو رنگین کرتی ہیں اور خود ہمیشہ کیلئے شقاوت وبدبختی کی زندگی گزارتی ہیں۔جب اقوام فاسد ہو جاتی ہیں اور ان سے صالح قیادت کی شناخت محو ہو جاتی ہے تو پھر ہر ایک دعویٰ قیادت ورہبری کرتا ہے۔

اقوام وملل کے عروج وزوال میں فرد اور اجتماع میں اصالت ومرکزیت کسے حاصل ہے اس حوالے سے جوامع بشری اختلاف نظر رکھتے ہیں۔

۱۔ایک نظریہ ہے فرد اصالت وحقیقت رکھتا ہے اور اجتماع تابع حرکت افراد ہے افراد کی امید آرزو اور خواہشات کے گرد وپیش ہے۔قانون صرف فرد کی خواہشات کا نام ہے۔

۲۔اصل حقیقت قوم واجتماع ہے۔فرد کو اجتماع ہی چلاتا ہے فرد کا اپنا کوئی کردار نہیں۔اس کی مثال ایک انسان کے اندر موجود خلیے کی مانند ہے۔خلیے کو کل وجود چلاتا ہے خلیے کا اپنا کوئی کردار نہیں ہوتا ہے یہ دو نظریات ہی انسانی معاشرے پر قائم ہیں جسے نظام سرمایہ داری اور اشتراکی کہتے ہیں۔اس وقت ان کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں۔

۳۔تیسرا نظریہ نظریہ اعتدال ہے جسکے تحت نہ فرد کی اصالت کلی ہے نہ اجتماع اصل اور فرد بے حیثیت ہے فرد اور اجتماع دونوں ایک دوسرے کے سامنے مسؤل ہیں دونوں مل کے انسانی معاشرے کو سعادت کی منزل کی طرف لے جا سکتے ہیں اور یہ ہی نظریہ اسلام ہے۔

تاریخ کی اقسام:

ا۔تاریخ نقلی

کسی بھی واقعہ یا حادثہ کے بارے میں عینی شاہدین یا بالواسطہ راویوں کے ذریعے منقولات کو تاریخ نقلی کہیں گے گویا یہ مواد تاریخ کا مواد اولی یا سرمایہ اصلی ہوگا۔جتنا مواد زیادہ متواتر مستفیض صحیح وسالم ہوگا اسی تناسب سے سودمند ہوگا۔کیونکہ دوسری صورت میں ایک طویل عرصہ اسکی چھان بین میں گزر جائے گا۔یہاں نقل خالص کو مصادر تاریخ کہتے ہیں۔

۲۔تاریخ تحلیلی وعلمی:

یہ نقل وعقل دونوں سے ممزوج تاریخ کو کہتے ہیں یعنی یہ حادثہ کیوں اور کیسے پیش آیا۔جس میں واقعہ نقل کرنے کے علاوہ اس کے اسباب ومحرکات پر بھی بحث وتحقیق کی جاتی ہے۔اس نقل کے علل واسباب تلاش کر کے اس کے اسباب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

۳۔تاریخ فلسفی:

جس میں عقل خالص اس جیسا واقعہ دوبارہ آنے سے روکنے یا دوبارہ بحال کرنے کے عوامل پر بحث کرتی ہیں۔یعنی عقلی ونقلی وعملی سے آمیزش کر کے ایک اور تاریخ بنائی ہے جسے فلسفی کہتے ہیں۔ایک دفعہ صرف حادثہ کو بیان کیا جاتا ہے جبکہ ایک مرتبہ اس کی تحلیل ہوتی ہے کہ یہ واقعہ کیسے رونما ہوا جب ہم کہتے ہیں:''مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی'' اسے حادثہ کہیں گے۔لیکن جب ہم کہتے ہیں:''مسلمانوں نے کیوں ہجرت کی''یا''کن عوامل واسباب کے تحت انھوں نے مدینہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت نہیں کی؟''اس طرح ہم نے تاریخ کی تفسیر بیان کی،مثلاً امام حسین نے سنہ ساٹھ (۶۰) ہجری میں مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت کی،اس کو'حادثہ' کہتے ہیں،لیکن جب کہیں گے آپ نے مکہ سے کوفہ کی طرف کیوں ہجرت کی اسے 'تحلیل وتعلیل حادثہ' کہتے ہیں۔جب اصل واقعہ کی سند مستند' اطمینان بخش ہو تب تعلیل وتحلیل کی نوبت آتی ہے اگر اس کی تحلیل نہیں کر سکے تو یہ تاریخ ہمارے لئے کس کام کی نہیں ہوگی تاریخ فلسفی نقل وعقل دونوں سے ممزوج ہوگی۔

۴۔تاریخ تقویم:

کہتے ہیں تقویم ہجری کا تصور فکر یمن سے آیا ہے کہتے ہیں سب سے پہلے تاریخ ثبت کرنے والا یعلب بن امیہ ہیں جو یمن میں تھے اس نے ایک خط حضرت عمر بن خطاب کو لکھا جو خلیفہ کو پسند آیا یہاں سے معاملات کے لیے تاریخ لکھنا شروع ہوئی ایک اور روایت میں آیا ہے ابن ابی خیصمہ نے کہا ہے ایک شخص

یمن سے آیا اس نے کہا میں نے یمن میں ایک چیز دیکھی جسے تاریخ کہتے ہیں سال با شہر کہتے ہیں۔ غرض اس سلسلے میں جو کچھ ہمارے پاس نقولات ہیں وہ یہ بتاتی ہیں کہ کلمہ تاریخ کی ایک اصل ہے کہ وہ چاند اور مہینے سے مشتق ہے وقت چاند کے حساب سے یعنی اس کیلئے چاند کے ظہور سے مدد لیتے ہیں اس سے نئے سن اور مہینے اور حالات کا اشارہ ملتا ہے کلمہ تاریخ جو ایک ایسی حقیقت اور ایک زمان رکھتا ہے اور حقبہ تاریخ زمان مربوط و متصل ہے اس تاریخ سے جسے حضرت عمر بن خطاب نے ہجرت کا آغاز قرار دیا ہے بعد میں رفتہ رفتہ دوسری صدی میں کتب میں یہ لفظ آنا شروع ہوا۔ کتابوں پر بھی لکھنا شروع ہوا اور بعض ھ سنہ ولادت اور بعد میں بعض شخصیات کے سنہ ولادت اور وفات بھی لکھنے کا آغاز ہوا۔ یہ ترقی تحول کتب حولیات سے آئی ہے۔ ابتدائی مرحلے میں اسکی رفتار سست تھی، تیسری صدی کے بعد لوگوں نے تاریخ کیلئے لکھنا شروع کیا۔ سخاوی نے لکھا ہے تاریخ ایک فن و ہنر ہے۔ لہذا تاریخ کی تفسیر ہر وہ انسان کر سکتا ہے جو حادثات و واقعات پر عبور رکھتا ہو کہتے ہیں: " تفسیر تاریخ" تاریخ کی روح و جان ہے، یہی چیز انسان میں اثر رکھتی ہے اس کی تاثیر خالی و خشک حادثہ پڑھنے سے نہیں ہوتی کیونکہ تفسیر، تاریخ کی علت فاعلی اور نمائی بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لہذا کہتے ہیں تاریخ اسلامی کی تفسیر صرف وہی مسلمان کر سکتا ہے جو اپنے قوم و قبیلے کی عصبیت سے پاک ہو کر سب سے پہلے رسالت پر ایمان لایا اس کا قلب، فکر دینی شعور قرآن و سنت کے ساتھ ہے اور انہی سے اس کی شخصیت اور دفاع کرنے کا اسلوب بنا ہے، اسی وجہ سے مستشرقین اور مستغربین صحیح اسلامی تاریخ کی تفسیر پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں کیونکہ وہ مسلمین کے دفاعی اسلوب سمجھنے سے عاجز ہیں کیونکہ یہ اساس اسلام سے دور ہوتے ہیں، اہل یورپ کے اپنے ذوق، سلوک، شوق، تمدن، فلسفہ اور مقائیس ہیں جس کی خاطر ان پر اسلامی ذوق و سلوک بہت گراں اور نا گوار ہوتے ہیں۔ وہ تاریخ اسلامی کی حرکت کی تفسیر کرتے وقت ہر چیز کا یورپی تاریخ سے موازنہ کرتے ہیں اسی طرح مستغربین کی طرز تفکر طریقہ اسلوب گرامی میں وہ مغرب کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں تاریخوں میں طبیعی طور پر اختلاف پایا جاتا ہے اہل یورپ اور ان میں سے خاص کر مستشرقین منفرد خواہشات، نفسیات اور عزائم رکھتے ہیں اور ہمیشہ تاریخ کی تفسیر اپنی علمی اور عسکری طاقت کی برتری کے زاویہ سے کرتے ہیں، یہ لوگ ہر چیز کو اپنی وراثت اور صرف انہی چیزوں کو جو ان کے پاس ہیں قابل قدر اور اقدار سمجھتے ہیں دوسروں کے پاس موجود چیزیں ان کی نظر میں خس و خشاک ہوتی ہیں۔

ان کے دلوں میں مسلمانوں کیلئے ختم نہ ہونے والی دشمنی پائی جاتی ہے، جب وہ مسلمان ملکوں پر براہ راست عسکری طاقت و قدرت استعمال کرنے سے عاجز ہو گئے تو انھوں نے "صلیبہ روحیہ" کے نام سے ایک نفسیاتی جنگ کا آغاز کیا۔ جس میں یورپ کے دانشمندوں کو علوم اسلامی سکھائے گئے اور اس طریقے سے انہوں نے عقائد اسلامی اور تاریخ اسلام کو مشکوک پیش کیا۔ مسلمانوں کیلئے حسد، کینہ، نفرت اور شدید عداوت رکھنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے بار بار مسلمان ملکوں پر حملہ کیا، یہاں تک تین سو سال یعنی ۳۵۹ھ سے ۶۶۸ھ تک مسلسل اسلامی ریاستوں پر حملہ کرتے رہے، مشرق عرب کی طرف رُخ کرنے سے ایک صدی قبل یہ لوگ اُندلس اور یورپ کے اسلامی ممالک کی تخریب و بربادی میں مصروف رہے اور سنہ ۹۷۰ھ کو مسیحیوں نے مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ شروع کی، مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

تقسیم ادوارِ تاریخ:

تاریخی ادوار کی بھی تین ادوار یعنی قدیم۔ وسط۔ حدیث میں تقسیم بندی کی گئی ہے۔ نقطۂ ابتداء اور انتہاء کو تعین کرنے میں علماء کی کاوش اپنی جگہ ضعیف و بے بنیاد ہے کیونکہ اس تقسیم کی کوئی دلیل و منطق اور سند نہیں ملتی یہ صرف ایک حدس و اندازہ پر قائم ہے۔ اس تقسیم پر یورپ اور عرب متفق نہیں جسے ایک قدیم جبکہ دوسرا اسے قدیم نہیں مانتا ہے۔ اسی طرح جسے ایک قدیم کہتے ہیں دوسرے اسے قدیم نہیں مانتے، یہاں تک کہ اس میں مکانی اختلافات بھی پایا جاتا ہے۔ تاریخ کو زمانے کے حوالے سے تقسیم بندی کرنے کی منطق کسی مستند موثق دلیل پر مستند نہیں سوائے عالم وھم مفروضات کو پیش کریں:

۱۔ ماقبل از تاریخ ۲۔ قرون اولی ۳۔ قرون وسطی

زمان ماقبل تاریخ:

وہ دور ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی مستند موثق تمسکات نہیں ہیں اس دور کی کوئی سند، آثار تاریخی ہمارے ہاتھ نہیں پہنچے۔ تاکہ ہم جان لیں کہ اس وقت لوگ کیسی زندگی گزارتے تھے؟ کس قسم کی زندگی کرتے تھے؟ حکومت کو کیا مشکل تھی؟ وہ کیسے آباد ہوئے؟ اور کیسے ختم ہوئے؟ ان کے نظام حکومت کی کیا

صورت حال تھی؟ آپس میں کن چیزوں پر جنگ وجدال کرتے تھے۔

کہتے ہیں ۲۰ ہزار سال قبل میلاد کو ماقبل تاریخ کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی علمی آثار نہیں سوائے کچھ جامد چیزوں کے جو زمین کی تہہ سے نکلی ہوں جیسا کہ کوئی برتن، سامان، مجسمہ بت یا غار وغیرہ لیکن یہ تمام چیزیں ہمارے کسی بھی کام میں نہیں آسکتی یا انھیں دیکھ کر ہم کسی بھی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے لہٰذا بعض نے کہا ہے اس زمانہ کے بارے میں تحقیق کرنا لغو ہے اس کے بارے میں پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ نہ جانے اس تاریخ کو کتنے سال گزر چکے ہونگے جہاں انسان نے ماحول کے مطابق اس، طبیعت کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی۔

اس حوالے سے کوئی معلومات نہ ہونے کے باوجود علماء نے اس موضوع پر بہت توجہ دی ہے اس میں مستغرق ہوئے ہیں اور اس معما اور جامد و پیچیدہ زمانے کے طلسم کو کھولنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس سلسلہ میں کامیاب نہیں ہوئے سوائے اپنے اجتہاد اور وہم وخیالات کے انہوں نے ماقبل تاریخ کے دور کو ادوار فرضی میں تقسیم کیا۔

اس تاریخ کے پیچھے ہماری فکروسوچ ونظر نہیں پہنچ سکتی وہ صرف اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا لہٰذا تاریخ کا کوئی وقت کوئی نکتہ ایسا نہیں جہاں سے تاریخ کا اگلا دور شروع ہوجاتا ہو سوائے اس کے کہ جب بھی تاریخ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آیا، کوئی غیر عادی شخصیت وجود میں آئی تو انہوں نے اس کو تاریخ کا آغاز بنایا اس سے پہلے کے دور کو تاریخ قدیم اور اس کے بعد کو تاریخ جدید کہا گیا ہے۔

ماقبل تاریخ:

ماقبل تاریخ کس زمانہ کو کہتے ہیں کونسا نقطہ ہے کہ انسان اسے ماقبل تاریخ کہے؟ علماء اس سلسلہ میں بہت اضطراب واختلاف کا شکار ہیں لیکن اس بات پر متفق ہیں کہ ماقبل تاریخ کتابت شروع ہونے سے پہلے کے دور کو کہتے ہیں، دور جدید کے محققین ومؤرخین نے اس زمانے کے تعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کیلئے یہ ایک مشکل عمل ہے کیونکہ کتابت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں کوئی ایسی کتابت ونشانی نہیں جو نہیں اس وقت کے تعین میں مددگار ثابت ہوسکے لیکن انہوں نے ایک وہم اور خیال سے اندازہ لگا کر ایک وقت کا تعین کیا ہے اور کہا ہے ماقبل تاریخ اس وقت کو کہتے ہیں جب انسان نے زمین پر حرکت شروع کی ان کے اندازے کے مطابق یہ تقریباً ۵۰ ہزار سال سے لے کر ۲۰ ہزار سال میلاد مسیح سے پہلے کا دور ہے لیکن ہمارے پہلے علماء اور مؤرخین اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبری نے اپنے سے پہلے علماء کے اقوال کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ زمانہ، ماقبل تاریخ آدم سے شروع ہوکر ۷۰۰۰ ہزار سال تک جاری رہی ہے۔

اس قول کے راویان وہب بن منبہ، کعب احبار اور دیگر یہودی مسلمان ہونے والے ان کے مصادر کے مطابق عہد قدیم کے علاوہ ان میں تحریفات ہورہی ہے۔ ان کا کہنا ہے یہ دور ۶ ہزار سال سے قبل بعثت نبی کو کہتے ہیں بعض دیگر جس میں ابوثعلبہ خشنی شامل ہیں کا کہنا ہے دنیا کی ماقبل تاریخ ہمارے پیغمبرؐ کی ہجرت سے ۶ ہزار پانچ سو سال قبل کے دور کو کہتے ہیں مجموعاً اسے تقریباً اب سے آٹھ ہزار سال پہلے کا دور کہہ سکتے ہیں۔ یہود نے کہا ہے یہ سنہ آدم سے شروع ہوتا ہے اور پیغمبرؐ کی ہجرت تک کا سنہ ۴۶۷۲ سال ہوتا ہے جب کہ نصاریٰ یونان نے اس مدت کو ۵۹۹۲ سال بتایا ہے یعنی چھ ہزار سال یہ جو سنہ ہیں روئے زمین پر انسان کی حیات کے حوالے سے بہت کم نظر آتا ہے اس سنہ کو جوان لوگوں نے ذکر کیا ہے اس کا موازنہ اگر بعد کے آثار قدیمہ کے ماہرین اور علماء کے اجتہاد سے کریں تو یہ مدت بالکل مختلف ہے۔ عصر حاضر کے بعض علماء نے پہلے انسان کی پیدائش کا تخمینہ لگانے کو بندر کے ارتقاء سے شروع کیا ہے ان کے مطابق جنس بشری پہلے جس جگہ پیدا ہوئی اس میں یورپ کا مغربی حصہ اور شمال افریقہ کا نصف اور جنوبی ایشیاء کا کچھ حصہ شامل ہے لیکن ان کے پاس اس نظریہ کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ انسان بشر کیلئے روئے زمین پر حیات کیسے شروع ہوئی اور اس میں کیسے ترقی آئی یہ جاننا بھی مشکل ہے چونکہ اس کے تمام شواہد مٹ چکے ہیں یہاں ہمارے پاس کوئی چیز نہیں سوائے چند آیات آسمانی اور احادیث کے جو خلقت کی طرف سورہ نازعات کی آیت ۳۰ سے ۳۲:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحَاهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَائَهَا وَمَرْعَاهَا وَالْجِبَالَ اَرْسَاهَا﴾ ''اس کے بعد زمین کو بچھادیا، اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑدیا۔''

یہ وہ نظریات ہیں جو تاریخ اسلامی کے بارے میں دقت کرنے والے گزشتگان نے بیان کئے ہیں اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ روایات بھی ہیں جیسے کچھ روایات امیر المومنین' ابن عباس قتادة' ابن عمر سے مروی ہیں۔ابوالبشر آدم کا علوم جدیدہ کے تحت نزول ہند میں ہوا ہے۔

ماقبل تاریخ کے بارے میں آگاہی کا ایک ذریعہ وہ آلات اور نشانیاں ہیں جو قدیم انسان اس زمانے میں استعمال کرتے تھے جسے آج کے آثار قدیمہ والے تلاش کرتے ہیں اس وقت کے انسان کی سکونت کی نشانیاں استعمال ابتدائی سامان جس سے وہ شکار کر سکتے تھے اسی طرح ہمیں وہ خاکستر ملا ہے جو انہوں نے لکڑی کو جلا کر رکھا تھا بعض ایسی چیزیں بھی ملیں ہیں جو پتھر سے بنائی گئی تھیں اس کے بعد زمانہ ترقی کرتا ہوا ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں داخل ہوا پتھر کی چھری سے لکڑی اور لوہے کی کلہاڑی بنانے کا دور آیا اس کے بعد حیوانات کی ہڈیوں سے بنے ہوئے سامان بھی ملے ہیں' اسی طرح ہاتھی کے دانت اور بہت سے حیوانات کے سینگ سے بنی اشیاء بھی ملی ہیں۔

انسانی حیات میں اس ارتقاء کے ساتھ دوسرا ارتقاء شکار کے حوالے سے ہوا اور پھر زراعت کے شعبوں میں' پھل اور حیوانات سے مانوس ہونا اور ان کی پرورش کا شوق ان لوگوں میں پیدا ہوا پھر پتھر کو کاٹ کر استعمال میں لانا، پیتل سے مختلف اشیاء تیار کرنا یہ تمام ادوار گزار کر انسان تاریخ قدیم میں داخل ہوا۔

انسانی ارتقاء کے بارے میں جو باتیں مغربی مفکرین نے نقل کی ہیں اس پر علماء شرق نے بھی بھروسہ کیا ہے ہم نہیں چاہتے کہ جو کچھ مغربی مفکرین نے دیا ہے اس کی تفصیل میں غرق ہو جائیں کیونکہ یہ سب ان کا اندازہ ہے ان کا پہلا مصدر نظریہ ارتقاء ہے اسی پر وہ لوگ ابتداء سے ابھی تک چلتے آرہے ہیں یعنی بندر سے انسان اول تک، انکا کہنا ہے انسان نے اپنا آغاز اس اختلاط سے کیا۔لیکن روایت اسلامی ان باتوں سے بلکل مختلف ہیں امام طبری نے اس حوالے سے روایات جمع کی ہیں ان کا بالکل عقیدہ ہے ہماری باتیں مغربی اندازوں سے کئی گنا صحت سے قریب ہیں کیونکہ مغربی مفکروں نے دیکھے بغیر مختصر سے دلائل پر اعتماد کیا ہے انہیں کبھی کہیں سے اگر کوئی پتھر یا غار نظر آیا تو انھوں نے اسی کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

انسان اول نے پہلی بار لوہا استعمال کیا اور اس کا استعمال سکھایا، کہتے ہیں جب سے انسان نے زمین پر حرکت شروع کی اس وقت سے انسان کیلئے لوہا مسخر تھا جبکہ مقدمین کا کہنا ہے کہ انسان نے لوہے کو آخری وقت تاریخ سے پہلے اور ماقبل تاریخ کے آخری دنوں میں استعمال کیا ہے یعنی پہلے انسان سے چند صدیاں گزرنے کے بعد۔

تیسرا نظریہ انسان اول نے پہلے دن سے زراعت شروع کی جب وہ زمین پر اترا تو زراعت کی فصل کو کاٹا اس کو پیسا اور روٹی بنائی اور پتھر اور لوہے سے آگ نکالی برعکس اس نظریہ کے جسے مغربی مفکر اپناتے ہیں۔

پہلی روایت:

امیر المومنین سے منسوب ہے کہ روئے زمین پر خوشبو کے حوالے سے بہترین سرزمین ہند ہے جہاں آدمؑ نے نزول کیا یہاں کے درختوں سے جنت کی خوشبو آتی ہے' حوا جزیرۃ العرب میں جدہ کے مقام پر اتری ان کی آپس میں پہچان عرفات کی سرزمین پر جبکہ دونوں کی ملاقات مزدلفہ پر ہوئی۔

دوسری روایت:

کہتے ہیں آدمؑ کے ساتھ جنت سے نکالی جانے والی چیزوں میں سے ایک تھیلی گندم کی تھی کسی نے کہا یہ گندم انہیں جبرئیلؑ نے اس وقت دی جب آدمؑ کو بھوک لگی اور انہوں نے اللہ سے غذا کی طلب کی تو اللہ نے جبرئیلؑ کے ساتھ گندم کے سات دانے بھیجے آدمؑ انہیں دیکھ کر سمجھ نہ سکے؟ حکم دیا گیا کہ اس کو زمین میں پھینک دو' انہوں نے اس کو زمین میں پھینک دیا تو اس وقت دانے سے پودا نکلا اس کے بعد آدمؑ کی اولاد میں یہ عمل سیرت بنا ہے۔پھر اللہ نے حکم دیا کہ اس کو کاٹو' پھر اس کو جمع کر کے اپنے ہاتھوں سے جھاڑو اور دو پتھر لا کر اس کو ان کے درمیان پیسو اور پھر خمیر بنا کر اس کی روٹی بناؤ' جبرئیل ان کیلئے پتھر لائے اور ان دونوں کو آپس میں ٹکرایا جس سے آگ نکلی' سب سے پہلی روٹی پکانے والے آدمؑ ہیں۔

طبری نے ذکر کیا ہے یہ ان روایت کے خلاف ہے جو چیز اصحاب نے ہمارے پیغمبرؐ کی طرف سے نقل کی ہے وہ یہ آخری روایت ہے۔جو روایت آخری ہے وہ موثق ہے معتبر ہے اس روایت کی سند ابن عباس سے ملتی ہے انہوں نے کہا ہے جب آدمؑ نے شجرہ ممنوعہ سے تناول کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا

میری عزت کی قسم میں تمہیں زمین میں نازل کروں گا اور تم زندگی نہیں گزار سکو گے' مگر زحمت کے بغیر۔ ابن عباس نے کہا ہے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا جب کہ وہ جنت میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے انھیں ایک ایسی جگہ پر نازل کیا جہاں زحمت تھی اور کھانے پینے کیلئے زحمت ومشقت درکار تھی' انہوں نے لوہے کا کام سیکھا' زراعت سیکھی پھر فصل کی کٹائی کے موقع پر انہوں نے اسے پاؤں سے دبایا پھر اس کو اڑایا پھر اس کو پیسا اور خمیر بنایا پھر اس کے ذریعہ روٹی بنا کر کھائی۔

اس روایت سے ہم اس نظریہ پر پہنچتے ہیں جس سے نظریہ نشو او رتطوار اور اس کے تمام اشکال جسے بعض علماء مغرب نے اپنایا ہے ختم ہو جاتے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ اختلاف اس بات پر ہے کہ آدمؑ انسان ہیں جو جنت سے زمین پر اتارے گئے ایک انسان کامل کی صورت میں آدمؑ مرحلہ موہوم سے نہیں گزرے، وہی مراحل سے نہیں گزرے یعنی جیسا کہ اللہ نے سورہ تین میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔''

اسی سے تاریخ میں تاریخِ قدیم اور تاریخِ جدید کی فکر نکلی ہے چنانچہ علماء تاریخ نے تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

قرون وسطیٰ:

تاریخ قرون وسطیٰ قرون قدیم سے شروع ہوتی ہے لیکن مؤرخین میں اختلاف ہے کہ قرون وسطیٰ کا اختتام کہاں پر ہوا ہے' بعض یورپی مؤرخین کا کہنا ہے قرون وسطیٰ کا اختتام اس وقت سے شروع ہوتا ہے جسے یورپ عصر انقلاب کہتے ہیں۔ عصر انقلاب کا آغاز قرون وسطیٰ کا اختتام ہے اور وہاں سے قرون جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ایک طویل مدت ہے اس لئے انسانِ قاری محقق اس کے درست تعین کا محتاج ہے۔ ان دونوں کا درست اور جدا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے' بعض کا کہنا ہے قرن جدید کا آغاز آلات طباعت کی ایجاد سے شروع ہوا ہے جو کہ ۸۵۳ ہجری قمری میں تمبرق کے ہاتھوں ہوا۔ یہ قرن جدید کا آغاز ہے' بعض کا کہنا ہے جب کولمبس نے ۱۴۹۲ء میں امریکا کا انکشاف کیا اس وقت اس کا آغاز ہوا ہے' بعض دیگران کا کہنا ہے قرون جدید قسطنطنیہ جو کہ دار خلافت روم شرقی ہے' عثمانیوں کے ہاتھوں ۸۹۷ھ کو فتح ہوا اور یہ دور وہاں سے شروع ہوتا ہے یہ دور قرون وسطیٰ اور قرن جدید کا فاصلہ ہے اسی دور میں فرانس اور برطانیہ کی جنگ کا خاتمہ ہوا۔ بعض نے قرون جدید کا غرناطہ کے سقوط سے آغاز کیا ہے جہاں مسلمان رہتے تھے۔ یہ علاقہ ۸۵۵ھ فتح اندلس نصاریٰ کے ہاتھوں قرون وسطیٰ کا آخر ہے لیکن مسلمانوں نے ان تمام آراء کی مخالفت کی ہے مسلمانوں کا کہنا ہے عصر جدید کا آغاز انقلابات صنعت کے بعد سولویں صدی سے ہوا جب مغرب نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کرنا شروع کیا۔

عصور قدیم:

عصر قدیم جس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے وہ عصر قدیم میلاد سے ۳ ہزار سال پہلے کا دور ہے جس میں کتابت شروع ہوئی ہے۔ لیکن اس کا اختتام کہاں پر ہوا یہ معلوم نہیں' بعض کا کہنا ہے یہ ۳۹۵ میلادی تک عصر قدیم میں شامل ہوتا ہے اس دور میں امپراطور رومانی تیوذس نے وفات پائی اور انہوں نے اپنی سلطنت کو اپنی اولاد میں تقسیم کرنے کی وصیت کی' یہاں تک کہ بعض نے ۴۷۶ میلاد کو عصر قدیم کا آخری دور قرار دیا ہے جس میں قبائل جرمانیہ نے اپنی قیادت میں حکومت رومانیہ پر قبضہ کیا۔ یہ ان کی نظر میں عصر قدیم کے دور کی ابتداء تھی جب کہ مسلمان جو شرق میں مقیم ہیں ان کا کہنا ہے ۵۷۱ میلادی تک عصر قدیم کا دور تھا عصر قدیم کے دور کا وہاں پر اختتام ہوا ہے اور اس کے بعد عصور وسطیٰ شروع ہوا جس میں نور ہدایت اسلام طلوع ہوا۔ یہاں سے عصر وسطیٰ کا دور شروع ہوا جس نے تاریخ کا رُخ مشرق ومغرب میں موڑ دیا۔

عصر تاریخی:

وہی تاریخ ہے جہاں سے کتابت شروع ہوئی ہے یہ انتہائی اہمیت کا دور ہے جس میں مؤرخین کا اتفاق ہے لیکن صحیح معلوم نہیں کہ تاریخ کتابت کا دقیق آغاز کہاں سے شروع ہوا ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے یہ عصر حاضر سے پانچ چھ ہزار سال پہلے کا دور ہے اور اسے قرون قدیم' قرون وسطیٰ اور قرون حدیث کے ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

گزشتہ اخبار میں اس تدوین کے حوالے سے کچھ چیزیں ہمارے لئے تشنہ ہیں اس میں انسان کی حیات وسرگرمی کیسی تھی تاریخ قدیم وہی ہے جو ماقبل تاریخ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے جہاں سے کچھ لکھی ہوئی چیزیں ملتی ہیں ۔گزشتہ زمانہ کے بارے میں ان کے دیوان وشعر ملے ہیں ۔انسان کی طرف سے صناعت کتابت کا فن ایک ہدیہ ہے لیکن اس سے پہلے ایک قوم نے دوسری قوم سے کچھ لیا ہے ۔اس کے علاوہ کچھ تاریخی نسخے لکھی ہوئی صورت وشکل میں ملتے ہیں جن سے ہمیں مدد ملی کہ جان سکیں کہ گزشتہ زمانہ میں کیا کیا چیزیں موجود تھیں ۔

بہت سی تاریخی کتب جو ہمیں نقوش قدیمہ سے ملی ہیں جو زمین کی گزشتہ اخبار فراہم کرتی ہیں یہ نقوش اس لئے نہیں لکھے گئے کہ بعد میں آنے والے اسے تاریخ کے حوالے سے استعمال کریں بلکہ ان کا مقصد تو جمع معلومات ذہنی تساءلات کو تسلی دینا تھا ۔اس کے علاوہ بہت سے نقوش ہیں جنھیں درک کرنے کیلئے ہم علماء متخصص کی طرف رجوع کرنے کے محتاج ہیں یہ انتہائی مشکل کام ہے لہذا یہ چیزیں بہت مبہم طور پر باقی رہ گئی ہیں اور انسان اس کے رمز کشف کرنے کی تگ ودو میں ہے ۔

اس کے علاوہ جو بیانات ہیں ان میں بہت خطاء وتحریفات پائی جاتی ہیں لیکن یہ مؤرخین کیلئے نقوش سے زیادہ آسان ہیں کیونکہ جو باتیں لغات کی صورت میں منتقل ہوتی ہیں وہ مؤرخین کے درمیان استعمال ہوتی ہیں چونکہ انھیں نقوش کی زبان نہیں آتی تھی جس سے انھیں بہت سے حالات کے بارے میں تشویش لاحق تھی ،دورحاضر میں ویران قدیم دور میں آبادی علاقوں کی کھدائی سے بہت سی چیزیں ملی ہیں جن سے اندازا لگایا جاتا ہے ورق سازی کا ہونا تاریخ تدوین کا اگلا مرحلہ ہے جب سے انسان نے حوادث جمع کرنا شروع کئے اور تاریخ کو سالوں کے حساب سے درج کرنا شروع کیا ۔

مراحل تدوین تاریخ :

سرگین لکھتے ہیں تاریخ دیگر علوم کی مانند پانچ مراحل سے گزرتی ہے :

پہلا مرحلہ: سماعت از راویان ہے یعنی وہ افراد جو تاریخ کے حوادث کو دوسروں کیلئے بیان کرتے ہیں اور لوگوں نے ان سے زبانی نقل کیا ہے ۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں جو کچھ انھوں نے سنا ہے اسے اپنے حافظہ میں یادداشت کرتے ہیں تاکہ بھلا نہ دیں ۔

تیسرا مرحلہ: دوسروں کیلئے نقل کرنا ہے یعنی اپنی زبان میں دوسروں کیلئے ذکر کرنا تاکہ یہ محفوظ رہے جیسے شاگرد کا استاد سے سننا ۔

ایجاد کاغذ: نقل تاریخ کے سلسلے میں ایک انقلاب کاغذ کی ایجاد سے پیدا ہوا ،تاریخ کا زبان سے کتابت میں منتقل ہونے میں بہت بڑا انقلاب رونما ہوا ،سابق زمانے میں تاریخ جانوروں کے چمڑے یا ہڈیوں پر لکھی جاتی تھی پھر مصر میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا ۔اگلے مرحلے میں دوسروں کی تاریخ کا عربی میں ترجمے کا آغاز ہوا ،پھر ڈاک کا استعمال ہوا ۔ابتداء میں سب سے سستا کاغذ استعمال ہونے لگا جو استعمال اور منتقل کرنے میں دونوں حوالے سے آسان تھا ،یہاں سے کاغذ سازی اور ڈاک سازی کو فروغ ملا اور تاریخ کی تدوین میں ترقی ہوئی ۔

چوتھا مرحلہ: اعتماد بہ تاریخ: تاریخ پر کیسے اعتماد وبھروسہ کیا جائے ؟ کیا جو کچھ تاریخ میں آیا ہے اسے من وعن تسلیم کرنا چاہئے یا درست ونادرست کی تمیز کر کے غلط کو رد کر کے صحیح کو اپنانا چاہئے ،اگر ایسا ہے تو تاریخ جانچنے کے کیا اصول اور ضوابط ہیں ۔

پانچواں مرحلہ: ناقل ومؤرخ کی شناخت :اس مرحلہ میں ہمیں تاریخ پر اعتماد کرنے سے پہلے مورخ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہیں ۔

قدیم ترین کتب کی چند اقسام ہیں :

۱ ۔حولیات : دین اور دینداروں کے بارے میں سنہ کے حوالے سے لکھی گئی کتب ہیں ۔

۲ ۔نوادرات جو ملی ہیں ۔

۳ ۔مکانی اور جغرافیائی حوالے سے ۔

۴ ۔صدقہ ونذر دلانے والے دفتر کی چیزیں ملی ہیں ۔

۵ ۔ان حوادث سیاسی کے اہم دفاتر جن کی داستان لکھی جاتی تھی ۔

اہل یونان کے پاس دنیوی علم زیادہ تھا چنانچہ وہ زیادہ چیزیں سمجھنا چاہتے تھے لہذا جوان کے ہاتھوں آیا انھوں نے اس کے بارے میں شکوک وشبہات شروع کیئے یہاں سے یونان میں خرافات وحقیقت کے درمیان تمیز پیدا ہونا شروع ہوئی کہ کون سی چیز عقل سے متصادم ہے اور کون سی چیز عقل سے متفق ہے۔

۱۔عصر حجری: یہ پتھر کے ذریعہ کام کرنے کا دور تھا جس میں تمام امور کو تیز پتھروں کی مدد سے انجام دیا جاتا تھا جو اپنی جگہ چند مراحل سے گذرا جیسے:

۲۔عصر حجری متوسط: اس مرحلہ سے بعد کا دور۔

۳۔عصر حجری حدیث: اس دور میں انھوں نے چمک دار پتھروں کے ذریعہ آلات بنائے۔

۴۔عصر نحاسی: پیتل کا دور انہوں نے کام کرنے کیلیے پیتل سے وسائل استعمال کیے ہیں۔

۵۔عصر برونزی: یعنی تانبے سے وسائل حاصل کیے جاتے ہیں۔

۶۔عصر جدید: لوہے کا دور جس میں لوہا استعمال کیا گیا تھا۔

۶۔تاریخ معاصر: یہ قرن بیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے یا جنگ عالمی کے اختتام سے اب تک جاری ہے۔

کتب تاریخ میں متنوعات:

جس طرح انسان کیلیے تمام علوم وفنون پر حتیٰ کہ ایک شعبہ پر پوری طرح عبور اور احاطہ ممکن نہیں ہے اسی طرح علم تاریخ سے شوق اور دلچسپی رکھنے والے کیلیے یہ ممکن نہیں کہ اسے ہر تاریخ کے بارے میں مکمل عبور حاصل ہو اور اس کی کافی معلومات ہوں اس کی واضح مثال علم طبّ کی ہے:

۱۔آج علم طب مستقل موضوع ہونے اور تمام علمی پیش رفت کے باوجود ایک طبیب تمام شعبہ ہائے طب میں احاطہ نہیں کرسکتا۔ایک جراح معالج کا شعبہ بالکل مختلف ہوتا ہے، طبِ قلب طبِّ گردہ سے مختلف ہے اسی طرح ہڈی، آنکھ اور کان وغیرہ کی طب اور طبیب مختلف ہوتا ہے لہذا علم تاریخ میں بھی بہت سے شعبے ہیں چنانچہ طبیب کو تاریخ طب پڑھنا چاہیے، زمین شناس کو تاریخ زمین شناسی پڑھنا چاہئے۔عقائد اور ادیان پڑھنے والوں کو تاریخ ادیان پر عبور ہونا چاہئے اور اسلام پڑھنے والے کو تاریخ اسلام پر عبور ہونا چاہئے جبکہ خود تاریخ اسلام کے بہت سے شعبے ہیں۔

۲۔تاریخ اسلام پر لکھی گئی کتابیں اپنی کیفیت اور نوعیت میں مختلف ہیں ہر ایک نے خاص زاویے سے تاریخ لکھی ہے تاریخ پڑھنے والے کو تاریخی مواد تلاش کرتے وقت ان زاویوں کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔بعض مورخین نے تاریخ کو شخصیات کے تعارف سے مربوط کیا ہے جس کے ذریعے شخصیات کا تعارف ہوتا ہے جسے کتب رجال بھی کہتے ہیں جیسے نجاشی فہرست رجال طوسی ضعفاء غضائری خلاصہ علامہ رجال الخوئی جامع رواۃ تنقیح المقال وغیرہ معجم البلدان یاقوت حموی کشوھای اسلامی۔جیسے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ تالیف ابن اثیر (۶۳۰) تہذیب التھذیب اور لسان المیزان تالیف ابن حجر (۶۳۰) ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' تالیف ابن حجر عسقلانی (۸۵۲)

۲۔بعض مؤرخین نے تاریخ کو ایک سنہ میں موجود حوادث وواقعات سے مربوط کیا ہے جیسے جنگ، حکومتوں کا عروج وزوال چنانچہ ابن اثیر کی تاریخ طبری الکامل فی التاریخ اس نہج پر لکھی گئی ہے۔

۳۔بعض نے تاریخ کو خلفاء، ملوک اور سلاطین سے مربوط کیا ہے جیسے: ''اخبار الخلفاء'' تالیف ابن الساعی (۶۷۴ھ) تاریخ الدول والملوک تالیف ابن الفرات (۸۰۸ھ)[کتاب المدخل تاریخ صفحہ ۵۷۵]

موضوعاتی تاریخ: بعض نے بعض خاص افراد کے بارے میں کتاب لکھی ہے جیسے بعض نے خلفائے راشدین بعض نے خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس تک کی تاریخ لکھی ہے جیسے تاریخ خلفاء سیوطی وغیرہ جبکہ بعض نے صرف علویین اور فاطمیین کے بارے میں لکھا ہے۔

تاریخ کتب ومؤلفین کو جاننا چاہیں تو اس کے دو طرح کے مصادر ہیں۔

۱۔کتاب کے ذریعے نام کتاب سے مصنف کا علم ہوتا ہے۔اس سلسلے میں معلومات الذریعہ الی تصانیف شیعہ، کتاب کشف الظنون اور کتاب ریاض العلماء کی جلد پنجم سے ملیں گی۔

۲۔اگر مؤلفین کے نام سے کتب کا پتہ کرنا ہے کہ اس نے یہ کتاب لکھی بھی ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں آپ مندرجہ ذیل کتب اور مؤلفین تالیف کو دیکھیں۔

۳۔اعلام زرکلی ۔۔۔ ۴۔قسم اعلام ۔۔۔ ۵۔تمام اعلام

۶۔اعیان الشیعہ ۔۔۔ ۷۔معجم مطبوعات ۔۔۔ ۸۔فہرست کتب شیعہ

مورخین نے اپنی ذوات صلاحیت، امکانیات اور ضروریات کے پیش نظر تاریخ لکھی ہے:

ا۔بعض سیاح تھے انہوں نے جغرافیہ پر لکھا ہے یہ اپنی جگہ انتہائی اہمیت کی حامل کتب ہیں اس سلسلہ میں قابل ذکر کتب معجم البلدان اور فتوح البلدان ہیں۔

۲۔بعض افراد سیاسی دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے سلاطین اور حکمرانوں کی تاریخ کو لکھا ہے جس میں تاریخ دول قابل ذکر کتاب ہے۔

ا۔تاریخ الدول: جیسے ''تاریخ الروضتین فی اخبار الدولتین'' ابی شامہ کی تاریخ اور ''مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' ابن واصل ابن خلدون کی تاریخ نے بھی اپنی کتاب موضوعات پر ترتیب دی ہے اور ہر موضوع کو ایک ملک یا حکومتوں سے مختص کیا ہے۔

۲۔تاریخ حسب طبقات: اس میں لوگوں کے خاص طبقہ پر گفتگو کی گئی ہے جیسے ''طبقات الحفاظ'' تالیف ذہبی، ''طبقات الکبری'' تالیف ابن سعد، اس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جو حدیث نقل کرنے پر توجہ دیتے تھے صرف ان کا ذکر آیا ہے جبکہ تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

۳۔بعض نے اپنے علاقہ و ملک کی تاریخ لکھی ہے اور وہاں کی شخصیات کی علمی، سیاسی، فنی اور ثقافتی شخصیات کو درج کیا ہے جن میں قابل ذکر تاریخ دمشق، تاریخ بغداد ہے۔

۴۔تاریخ محلی: اس قسم کی تاریخ میں خاص سرزمین یا شہر کی تاریخ لکھی جاتی ہے جیسے ''**تاریخ دمشق الکبیر**'' تالیف ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، اس کتاب میں ہر اس شخص کا ذکر ہے جو شہر دمشق میں آیا ہے چاہے دیہاتی ہو یا وہاں کسی نے قیام کیا ہو یا وہاں سے گزرا ہو، صاحب فضل ہو یا کسی خاص امتیاز کا مالک ہو، چونکہ مؤلف خود ایک بڑے حافظ قرآن تھے اس لئے روایت کو سند کے ساتھ پیغمبرؐ واصحابؓ و تابعین یا جس سے نقل کیا گیا ہے متصل کیا ہے ان کی سند میں صحیح، حسن، ضعیف سب ملتے ہیں لہٰذا ان کی روایات کو بحث و نظر کے بغیر اخذ نہیں کرنا چاہیے اس قسم کی تاریخ میں وہ کتابیں بھی آتی ہیں جو الحرمین الشریفین پر تحریر کی گئی ہیں جیسے ''تاریخ مکہ'' تالیف محمد بن عبداللہ ازرقی (متوفی ۲۵۰ھ) اس میں بھی کہیں کہیں سند نقل کی گئی ہے اور بعض اخبار اہل کتاب سے ذکر کی ہیں۔

اور ابن نجار (۶۴۳ھ) کی کتاب ''**الدرة الثمینه فی اخبار المدینه**'' ''**وفاء الوفا باخبار دار المصطفی**'' سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) ''تاریخ مدینہ'' تالیف سخاوی (۹۰۲ھ) اس میں ہر اس شخص کا ذکر تھا جو ۹۰۲ھ تک مدینہ میں آیا۔

''تاریخ بغداد'' تالیف خطیب بغدادی اس میں ہر اس شخص کا جو (۳۹۲ھ ۴۶۳ھ) تک بغداد میں آیا ہے چاہے علماء قضات اور امراء سے اس کا ربط تھا کا ذکر ہے۔بعض نے ہر صدی کی شخصیات کو ان کی وفات کے تناسب سے لکھا ہے جیسے تاریخ اسلام ذہبی۔

۵۔ہر صدی کے تراجم: یعنی ''**الدرر الکامنه فی اعیان المائة الثامنه**'' تالیف ابن حجر آٹھویں صدی (۷۷۳ سے ۸۵۲ھ تک) کے حالات کے متعلق ہے ''**الضوء الامع لاهل القرن التاسع**'' تالیف سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ) ''**بدر الطالع بمحاسن من بعدالقرن السابع**'' تالیف شوکانی (۱۲۵۰ھ) اس میں ہر اس انسان کا ذکر ہے جو آٹھویں صدی میں مؤلف کی حیات تک آیا ہے۔[کتاب معالم ثقافہ صفحہ ۲۳۶]۔

۶۔بعض نے علم رجال کے طرز پر لکھا ہے جیسے کتاب طبقات امامیہ، رشدالغابہ، اعلام زرکلی، اعیان الشیعہ وغیرہ۔

کتب تاریخ کو ہم چند قسموں میں پیش کر سکتے ہیں:

ا۔وہ تاریخ جو سنہ کے ساتھ لکھی گئی ہے جہاں مذکورہ سنہ میں جو واقعات رونما ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے پھر ختم ہونے پر دوسرے سنہ کے حادثات گنے جاتے ہیں پھر تیسرا سنہ شروع کیا جاتا ہے اس نوعیت کی مشہور ترین کتاب ''تاریخ امم ملوک'' طبری کی ہے جو ۳۱۰ھ میں لکھی گئی ہے تاریخ کی یہ کتاب ابتدائے خلقت سے ۳۰۲ھ پر ختم ہوتی ہے۔

۲۔وہ تاریخ جس میں سنہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، ایسی تاریخی کتابوں میں سے ایک کتاب ''البدایہ و نہایہ'' تالیف ابن کثیر، دوسری کتاب ''الکامل فی تاریخ'' ابن اثیر

کی ہے جو ۶۳۰ھ میں لکھی گئی ہے جو ۶۲۸ھ پر ختم ہوتی ہے اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں صلیبی جنگوں کے حوادث جو دسویں جلد سے شروع ہوتے ہیں موجود ہیں یہ کتاب طبری اور ابن اثیر کی تاریخ سے مختلف ہے کیونکہ انھوں نے تمام حوادث کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور واقعات کو سالوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ اگر کہیں ایک حادثہ پندرہ بیس سال میں ختم ہوا ہے تو اسے تقسیم کرنے سے گریز کیا ہے لہٰذا یہ اپنے سے پہلے گزرنے والے مؤرخین پر تنقید کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک حادثہ کو کئی سال میں ذکر کرکے واقعات کو جدا جدا بیان کیا ہے جس سے واقعہ کو سمجھنے والوں کیلئے مشکل پیدا ہوگئی جبکہ ہم نے حادثہ کو ایک جگہ جمع کیا تاکہ یہ ایک دوسرے سے مربوط ہو جائے۔ سنہ اور موضوع کے تحت لکھی گئی ایک اور کتاب ''نهاية العرب'' جو دینوری کی تالیف ہے، انھوں نے تاریخ کو ہر ملک میں پیش آنے والے حادثہ و واقعہ کو سنہ کے حوالے سے لکھا ہے جس طرح تاریخ اسلام میں ذھبی نے سنہ ۶۷۳ھ سے ۷۴۸ھ تک کی تاریخ کو سنہ کے حوالے سے تقسیم کیا ہے۔

۱۔ تاریخ، حسب موضوعات:

اس کی بھی اپنی جگہ چند قسمیں ہیں۔

۲۔ تاریخ، حسب انساب:

یہ وہ کتب ہیں جو خاص قبیلہ کے رجال پر لکھی گئی ہیں اور یہ خاص انساب کے بارے میں ہیں جیسے ''نسب قریش'' تالیف زبیری (متوفی ۲۲۳ھ) اور کتاب ''انساب اشراف'' تالیف بلاذری جس میں خالص عرب شخصیات کا ذکر ہے یا جن کیلئے بیت المال سے ایک ہزار یا دو ہزار یا پانچ سو درہم دیئے جاتے تھے ان کا ذکر ہے اس میں نسب قریش کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے یہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا نظریہ ہے کہ یہ عربوں کو غیر عربوں پر افضل و برتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تمام کو یکساں نظر سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے پر برتری کے خلاف تھے اور وہ سورہ حجرات کی آیت کے علاوہ نبی کریمؐ کے فرمان کے مطابق اس پر عمل پیرا تھے تیسرا گروہ وہ ہے جو عربوں کی شان کو گرا کر غیر عربوں کو عربوں پر فضیلت و برتری دینے کا قائل ہے اس فکر کے داعی و حامی بھی اپنی جگہ سب یکساں نہیں تھے ایک گروہ جو کہتا تھا کہ اسلام و قرآن ایک قوم کو دوسری قوم پر برتری نہیں دیتے اسلام نے فضیلت و برتری کو عمل و تقویٰ پر استوار کیا ہے۔ ایک گروہ وہ تھا جو عربوں کی مذمت کرتا تھا اور اسلام کی تحقیر و تذلیل کرتا تھا ایک گروہ دوسروں کی مذمت کرتا تھا اس میں مجوسی، قبطی، نبطی، زنادیق و کافر تھے ایک گروہ وہ تھا کہ جس کے افراد اپنے وقت کے بڑے عالم و دانشمند تھے وہ اسلام کی تعریف بھی کرتے تھے لیکن عربوں کی مذمت پر انھوں نے کتابیں لکھی ہیں اس گروہ نے تاریخ اسلام کو سمجھنے میں دشواری اور مشکلات پیدا کی ہیں۔

۳۔ اسلام اور تاریخ:

دراسۃ التاریخ اسلامی کا تیسرا کلمہ ''اسلامی'' ہے۔ اسلام مادہ ''س۔ل۔م'' سے ماخوذ ہے سلم کے تین حروف س ل م ہیں۔ مبتکر صنعت اشتقاق اکبر فیلسوف علم لغۃ عرب ابن جنی متوفی ۳۹۲ھ شش گانہ تقلبات میں جامع معنی کے بارے میں اپنی کتاب خصائص ج ۱ ص ۴۹۲ میں لکھتے ہیں:
''س۔م۔ل'' ''س۔ل۔م'' ''م۔س۔ل'' ''م۔ل۔س'' ''ل۔م۔س'' ہیں سب کے معنی جامع مصاحبت و ملائمت پر مشتمل ہیں۔ ان کی ساخت میں کہیں بھی کسی بھی جگہ خشونت، نفرت نہیں ہے اسکے تمام مشتقات صلاح سے قریب ہے اور فساد سے بعید ہیں۔ سلم کے معنی صلاح کے ہیں سلم ضد فساد ہے جہاں صلاح ہے وہاں فساد نہیں ہوگا اور جہاں فساد ہوگا وہاں صلاح نہیں ہوگی۔ اسلام انسان کو اپنے نفس، رب اور دیگر تمام انسانوں کے ساتھ اصلاح کی دعوت دیتا ہے۔ انسانِ مسلم کسی کے ساتھ بھی فساد نہیں چاہتا وہ فساد کا خواہاں نہیں ہوتا وہ اپنی ہم نوع یعنی دیگر انسانوں کے ساتھ فساد کے خلاف ہے۔ غرض ہر جگہ صلاح ہی صلاح ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو اپنے جیسی اور اپنے سے کمتر کسی مخلوق کے سامنے خاضع ہونے کی ممانعت کرتا ہے ادیان سماوی سب کے سب اسلام ہیں۔ اللہ کے پاس دین صرف اسلام ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللهِ فَإِنَّ اللهَ سَرِيعُ

الْحِسَابِ﴾ ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور جنہیں کتاب دی گئی انہوں نے علم حاصل ہو جانے کے بعد آپس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ (اس سے) جلد حساب لینے والا ہے۔'' (آل عمران ۱۹)

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' (آل عمران ۸۵)

ادیان کے درمیان فساد علماء دین فروش نے ایجاد کیا ہے البتہ یہودنے کبھی خود کو اسلام سے متعارف نہیں کروایا بلکہ ہمیشہ کہا ہم یہود ہیں ہم موسوی ہیں لیکن قرآن مسلمان کہتا ہے دین نصاریٰ دین اسلام ہے لیکن وہ کبھی نہیں کہتے ہم مسلمان ہیں بلکہ کہتے ہیں ہم مسیحی ہیں لیکن امت محمد ﷺ کا افتخار ہے کہ اپنے نبی عظیم کی نام گزاری:

﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ''اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔'' (حج ۷۸) کے تحت انکا نام مسلمان ہی رکھا گیا ہے۔

اگر کسی کو اس نام سے بیزاری اور نفرت ہے تو وہ فرقے ہیں۔فرقوں میں بھی اسلام سے نفرت اور بیزاری رکھنے کی شدت وضعف میں فرق ہے۔جس فرقے کی گرائش الحاد کی طرف ہو جیسے قادیانی اسماعیلی ان میں نفرت عداوت اسلام انکا خاصہ ہے انکے بعد ان کی طرف جھکاؤ رکھنے والے ہیں اور تیسرے مرحلہ میں ان کے نمک خوار شامل ہیں۔مسلمان ہونے کے بعد آپ اپنے آپ کو کسی بھی ہستی سے موسوم نہیں کر سکتے حتیٰ کہ محمدی بھی نہیں کہہ سکتے ہیں چہ جائیکہ آپ اپنے آپ کو علوی باقری جعفری حنفی حنبلی مالکی کہیں کیونکہ یہ اسماء تفرقہ کیساتھ ثقل اکبر قرآن سے لاتعلق ہونے کا عندیہ دیتے ہیں۔ہم اپنے آپ کو محمدی نہیں کہتے بلکہ مسلمان کہتے ہیں اور اسی کو فخر سمجھتے ہیں کیونکہ محمد بندے اور اللہ کے درمیان رابط ہیں۔بندہ اور اللہ کے درمیان نبی واسطہ ہوتا ہے نبی اس دنیا سے گزرنے والے تھے اور گزر گئے چنانچہ رحلت نبی کے موقعہ پر حضرت ابوبکر نے کہا کوئی محمدؐ کی پرستش کرنے والے ہیں تو سن لیں محمدؐ گزر گئے ہیں۔اگر رب محمدؐ کی پرستش کرتے ہو تو رب محمدؐ زندہ ہے۔غرض جو بھی واسطہ میں رک جائے گا وہ مشرک ہوگا لہٰذا ہمیں خود کو مسلمان کہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس حکم کے باوجود آج بعض مسلمان خود کو بریلوی، دیوبندی، صوفی، جعفری، شیخی اور مشہدی کہنے پر مصر ہیں جبکہ اللہ کا حکم ہے اسلام پر رہو اور مرتے وقت بھی مسلمان مرنا۔مسلمان وہ نہیں جو زندگی کے ایک شعبہ میں مسلمان اور دوسرے شعبہ میں کفر کے حامل ہیں۔جس طرح سیکولر روشن خیال افراد ہیں۔بلکہ ہمارا کل کا کل مذہب اسلام ہونا چاہیے۔

اسلام جس دن سے طلوع ہوا یہ اپنے نور سے اس دنیا کو روشن کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔اسکا کہنا ہے جو کچھ اس دنیا میں حوادث رونما ہوتے ہیں اس میں انسان کا کردار ہے،اسلام اسے مسئول قرار دیتا ہے۔لہٰذا دین اسلام حرکت تاریخ سے لاتعلق نہیں رہ سکتا بلکہ تاریخ اور اسلام ایک دوسرے کے قرین اور ردیف ہیں۔سلسلہ انبیاء جرائم وقبائح،سیئات کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ان کے مرتکبین کو پاداش دینے اور حسنات نیکیات مستحسنات وفضائل کو زندہ کرنے کیلئے آئے۔جبکہ قارون، ہامان، بلعم باعور، دین فروشان، رواہب واحبار، علماء یہود وآل بویہ فاطمی سلاطین سربرآوردۂ احزاب لادینی سربراہان فاسد ممالک اور ان کے وزرا فتنہ فساد،بدکاری کرنے ویران کرنے پر تاریخ کو سیاہ رقم طراز کرنے والے ہیں۔تاریخ کو اپنے پہلے دن سے پہلے سفر سے ایسے متضاد و متناقض قائدین کا سامنا ہوا ہے۔ہم تاریخِ عام کرۂ ارضی یا عالم بشری پیش نہیں کر رہے چونکہ یہ ہمارے دائرہ محیط سے خارج ہے۔ہم تاریخ انبیاء اور تاریخ پیروان انبیاء کو پیش کریں گے اور اس طرح تاریخ کے فوائد سے نتائج اور اپنے مقاصد وغایات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

تاریخ اسلام یا تاریخ فرق:

تاریخ اسلام پڑھنے یا لکھنے کے خواہشمند کو چاہیے کہ وہ تاریخ اسلام اور تاریخ فرق یا مرکب از اسلام وفرق میں تمیز کرے؟ کیوں کہ ہمارے پاس تاریخ کے دو تصورات ہیں جن میں ایک تاریخ اسلام خالص ہے۔جس میں فرقے کا شائبہ تک نہیں جو خلافت راشدہ کے خاتمے تک کی تاریخ ہے۔جبکہ فرقے کی تاریخ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز میں وجود میں آئی ہے۔لہٰذا ماننا پڑے گا تاریخ اسلام اور تاریخ فرق میں کم سے کم دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔تاریخ فرق اپنی جگہ نکرہ ہے جو سینکڑوں سے تجاوز کر چکی ہے کیونکہ وہ صفت ولود رکھتی ہے اور ہر آئے دن نئے بچے کو جنم دیتی ہے۔کیونکہ فرق کے گرائش مادی ہے اور مادہ شگاف طلب ہے بلکہ کلمہ فرق بذات خود شقاق طلب ہے۔جبکہ اسلام، سالمیت، انسجام اور یگانیت وحدت کا حامل ہے کیونکہ یہ اللہ کا بنایا ہوا ہے جبکہ فرقے انسانوں کے پیدا

کردہ ہیں۔

فرقے کے مترادفات میں کلمہ فلق، شقاق، شگاف، نشر، صداع وغیرہ آتے ہیں۔اسی کلمہ فرق سے تفریق بنی ہے جو ریاضیات میں جمع کے خلاف استعمال ہوتا ہے فرقوں کے اسناد اکاذیب، اساطیر، اضغاث واحلام، خوابات، افسانے، قصص مقطوع سندان کے دلائل عقل قرآن وسنت کے خلاف بلکہ متصادم ہیں۔ان کا اتحاد منافقین کا اجماع ہے اوران کے اتفاقات اہل الحاد کیلئے نیک شگون ہیں کیونکہ بقول امیرالمومنین مجتمعة الابدان مختلفة الجنان ہے کسی کی پیدائش ہندوستان کے شہر بریلی، کسی کی دیوبند، کسی کی تہران، کسی کی تبریز، کسی کی اصفہان، بغداد، سلمیہ، شام، فارس، قیروان، انقرہ، بزنطیہ، استانبول، اور کسی کی احسا ہے۔کلمہ فرق بھی ابن جنی کے اختراق واختراع کے مطابق قلبات حرفی "ف۔ر۔ق""ر۔ق۔ف""ق۔ف۔ر""ف۔ق۔ر" ہے۔یہ سب بدبختی، شقاوت، مصیبت اور عداوت پر مبنی ہیں۔

فرقوں کی تاریخ تفریق، تشدد، انانیت دوسروں سے حق حیات سلب کرنے، عداوت ونفرت پر مبنی ہے یہود کہتے ہیں ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ﴾ "یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں" (بقرہ ۱۱۳)۔اسی طرح آج مسلمان بھی یہی منطق استعمال کرتے ہیں۔سنی کہتے ہیں ناجی صرف اور صرف اہل سنت ہے شیعہ جہنمی ہے جبکہ شیعہ کا کہنا ہے ناجی صرف شیعہ ہے باقی سب جہنمی ہے۔شیعہ خلفاء کو منافق فرعون وہامان ونمرود کو رباچوف سے بدتر گردانتے ہیں ان کے مقابل میں کفر وشرک الحاد والوں سے اتحاد کرتے ہیں۔

حدیث موہوم وشوم کہ میری امت کے تہتر فرقے ہونگے "ان میں سے ایک ہی نجات پائے گا" کے تحت یہاں شیعہ سنی دونوں ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔انکے آپس میں کئی فرقے ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے خود ان فرقوں میں جو فرقے بنے ہیں ان میں سے کون جنتی ہوگا۔شیعوں کے پچاس فرقے ہیں تو ان میں سے کونسا جنتی ہے۔اپنی کثرت بنانے کیلئے ابوالحسن اشعری نے سب کو سوائے شیعہ کے جنتی کہنا پڑا جبکہ دوسری طرف تمام شیعوں کی کثرت بنانے کیلئے زیدی جارودی، قرمطی، اسماعیلی، نصیری، شیخی سب کو شیعہ بنانا پڑا۔اقتدار کے حریصوں کو جب عوام کی ضرورت پڑی تو بے دینیوں، پرویزیوں، صوفیوں سے کہلوایا ہم سب ایک ہیں سب جنت جائینگے۔یہاں ہر ایک اپنی تشخیص کو قائم کرنے کیلئے اسلام سے چڑتا ہے اور فرقے کے حوالے سے اپنا تعارف کرواتا ہے۔لہٰذا اس فکر کے حامل افراد کی تاریخ اسلامی نہیں بلکہ فرقے کی تاریخ ہے۔

مؤرخین فرق ومذاہب لکھنے والوں میں اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے شیعہ حضرت علی کی خلافت کے دور میں وجود میں آئے جہاں ایک گروہ علی کی حمایت میں اور دوسرا گروہ علی کے خلاف بنی امیہ کے ساتھ تھا جسے رائے عامہ شیعہ علی وشیعہ بنی امیہ کہتی ہے۔بعض دیگران کا کہنا ہے شیعہ حضرت امام حسین کے قیام کے دوران وجود میں آئے، لیکن اس دور اور اس کے بعد تک شیعہ کا مفہوم سیاسی میدان میں اقتدار اہل بیت کے حامی وداعی ہونے کا تھا۔ان دونوں میں صوم وصلوٰۃ اور دیگر جمعہ وجماعت مساجد اور دیگر احکام فقہیہ میں بنیادی طور پر دوئیت نہیں تھی چنانچہ اہل بیت اطہار کے عمائدین بزرگان حتیٰ آئمہ طاہرین مسجد نبوی میں اوقات نماز میں انہی اماموں کے اقتدار میں نماز پڑھتے تھے انہی کے ساتھ روزہ کھولتے تھے کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف صرف قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ سے نقل واسناد تک محدود تھا جبکہ عقائد میں دوئیت نہیں تھی لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ فرقے کم از کم سوڈیڑھ سو سال بعد وجود میں آئے۔

اسی طرح فرقہ سنی کے نام سے کوئی فرقہ وجود میں نہیں تھا۔فرق شناسوں کا کہنا ہے جیسا کہ موسوعۃ میسرہ میں آیا ہے یہ تیسری صدی میں ابوالحسن اشعری کے دور میں وجود میں آئے لہٰذا فرقہ سنی کی تاریخ تیسری صدی سے شروع ہوتی ہے۔یقیناً دونوں فرقوں کو یہ سننا گوارا نہیں کہ ان کیلئے فرقے کی تاریخ مور کے پاؤں کی مانند بدشکل داغدار معیوب ہے جہاں یہ لوگ اپنی مذموم عزائم مکروہ مساعی پر پردہ ڈالنے کیلئے ان احادیث مخدوش سند ومتن سے تنکے کی مانند تمسک کرتے ہیں جیسے:

۱۔میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔

۲۔نبی نے فرمایا میری سنت پر رہنے والے ناجی ہیں گویا نبی کو قرآن بھول گیا۔

۳۔اے علی آپ اور آپ کے شیعہ نجات پانے والے ہیں سند کے بارے میں پوچھیں تو آنکھوں میں خون بھر آتا ہے، لیکن متن میں فساد واضح ہے کیونکہ نجات پانے کا ضابطہ قرآن کریم کی محکمات آیات میں آیا ہے۔

۴۔ایک کہتا ہے ہم تابع نص ہے دوسرا کہتا ہے اجتھاد کی بنیاد خود نبیؐ نے رکھی تھی۔

اس سلسلے میں علامہ مرتضیٰ عسکری نے شرح اصول کافی کی تمہید میں محمد باقر صدر نے تاریخ امامیہ تالیف دکتور عبداللہ فیاض کے مقدمے پر لکھا ہے۔نبی کریم کے انصار واعوان میں دو طرز فکر کے گروہ پائے جاتے تھے ایک گروہ خود کو سن وعن قرآن وسنت محمدؐ کا پابند گردانتا تھا یہ گروہ شیعہ کہلاتے تھے جو دینی معاملے میں پابند نص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ خود اپنی عقل وفکر استعمال کر کے اجتھاد کرنے کو مجاز سمجھتے تھے۔ہم ان بزرگان سے سوال کرتے ہیں۔اگر قرآن وسنت نبیؐ کے دائرے میں محدود ومحصور رہنا امتیاز وشناخت شیعیان اہل بیت ہے تو عصر حاضر کے درپیش مسائل کو اجتہاد،فقہیہ اور شوریٰ فقاہت کے ذریعے حل کرنے کی ضروریات کے تحت حلال کو حرام حرام کو حلال گردانتے اور اس قدر اختیارات کی کیا تفسیر و تاویل کرینگے۔شہید صدر نے فرمایا منطقہ فراغ کو پر کرنے کا حق مجتہد کو حاصل ہے تو وہ اسے پر کرسکتے ہیں۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے جب ایک فقیہ کیلئے منطقہ فراغ آتا ہے اور شوریٰ فقاہت ایک رئیس شوریٰ نامزد کرسکتا ہے تو پیغمبرؐ کے وصال رب کرنے کے بعد پیدا ہونے والے فراغ کو آپ کے بقول مخلص انصار واعوان کیوں پر نہیں کرسکتے تھے؟

اہل سنت والجماعت کا شعار اس وقت بلند ہوا جب امت مسلمہ عقائد وفقہ میں تتر بتر اور منتشر ہوگئی چنانچہ انہوں نے سب کو ایک چھتری کے نیچے متحد کرنے کیلئے کہا کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہم ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ہم سب تابع سنت محمدؐ ہیں ہم اس سنت کی چھتری کے نیچے امت واحدہ ہیں لیکن کیا آپکو اسلام کی چھتری چھوٹی لگی،آپ کو خانہ اسلام چھوٹا لگا کہ آپکو اپنے لئے نیا گھر بنانے کی ضرورت پیش آئی۔یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرقہ کیوں دیر سے وجود میں آیا؟اور یہ نام پہلے سے کیوں متعارف نہیں ہوا۔کہتے ہیں ہم تو پہلے سے ہی موجود تھے ہماری بنیاد خود پیغمبرؐ نے ڈالی ہے جہاں آپ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری اور میرے اصحاب یا خلفاء کی سنت۔اس لئے کہتے ہیں ہمارا نام اس حدیث شریف سے ملتا ہے۔یہاں اس حدیث کی مخدوش ومقطوع اسناد کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ اس کا بطلان خود متن میں موجود ہے ہم صرف اس کے متن کے حوالے سے دو جملے عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ایک یہ کہ نبی کریمؐ کی سنت میں آپ نے اصحاب کے ذریعے جو تسلسل دیا ہے یہ ختم نبوت سے متصادم ہے۔دوسرا نبیؐ نے پہلے مرحلے میں قرآن فرمایا تھا آپ نے اپنے تعارف میں اسے پیچھے چھوڑا کیا آپ کو کتاب اللہ سے چڑ ہے جب اس دین کے ماننے والوں کو ابراہیم نے مسلمین کہا ہے تو آپ نے اپنی طرف سے اپنا الگ نام کیوں انتخاب کیا۔

قرآن کریم میں تفسیر تاریخ:

قرآن حکیم کا "سورہ ہود" تفسیر تاریخ کا ایک واضح وروشن نمونہ ہے جب کوئی بھی سورہ ہود کو اپنے سامنے رکھتا ہے تو اسے ایسی قوم کا ذکر ملتا ہے جس نے خدا کی ہدایات کو مسترد اور امر خدا کی نافرمانی کی ان پر عذاب نازل ہوا اور ان کی ترقی اور تمدن ایک لمحہ میں ماضی کی کہانی بن گئی۔انہی اقوام میں سے ایک قوم نوح ہے،نوحؑ نے ایک ہزار سال تک ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی لیکن انھوں نے تکبر کیا اور اپنے علاوہ دوسروں کو فقیر وحقیر سمجھا چنانچہ اس آیت میں آیا ہے:﴿وَ ما نَراکَ اتَّبَعَکَ اِلاَّ الَّذینَ هُمْ أَراذِلُنا بادِیَ الرَّأْیِ﴾ چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی پیروی نہیں کی خدا نے انھیں غرق کیا۔

قوم عاد:

اسی طرح خدا نے قوم عاد میں ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا انھوں نے بھی ہودؑ کی دعوت کو مسترد کیا یہ لوگ قوت وطاقت کے حامل جبکہ انکا ملک خیرات وثمرات سے پُر تھا لیکن انھوں نے خدا کی ہدایت قبول کرنے کی بجائے گروہ بندی،چوری اور ڈاکے کو اپنا وطیرہ بنایا اور زمین میں فساد پھیلایا چنانچہ خدا کے عذاب نے انھیں دنیا اور آخرت میں گھیر لیا۔

قوم ثمود:

خدا نے ان کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا یہ قوم صاحبان زراعت،کاشتکاری اور اہل محل وقصور تھی لیکن ان کی سرکشی وبغاوت انھیں پیغمبرؑ کے ناقہ کو کاٹ ڈالنے پر کھینچ لائی چنانچہ خدا کا عذاب ان پر نازل ہوا اور انھوں نے اپنے شہر میں پناہ لی۔

قوم لوط:

خدا نے لوط نبیؑ کو ان کی ہدایت کیلئے بھیجا لیکن وہ فسق وفجور میں غرق ہوئے اور ایسا کوئی برا کام نہیں تھا جو انھوں نے نہیں کیا۔ وہ ہر وقت ان کاموں کا ذکر کرتے اور اس میں سرگرم رہتے تھے یہی ان کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا خدا نے ان پر پتھر برسائے اور انہیں ختم کیا۔

تاریخ اسلام ہجری قمری و لیلی ہے:

تاریخ اسلامی اپنی ترکیب وتنظیم میں دیگر اقوام وملل کی تواریخ سے جوہری اور بنیادی امتیازات وخصوصیات کی حامل ہے۔ جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ہر سال کا آغاز بڑے حادثہ سے رکھنا شروع کیا مثلاً مدینہ آنے سے پہلے سال کو اذن قتال کہا اور دوسرے سال کو امر بہ قتال کہا تیسرے سال کو غزوہ احد کہا، مسلمان تاریخ ہجرت نبیؐ سے حساب کرتے تھے لیکن سنہ یا مہینہ کا حساب نہیں ہوتا تھا صرف مہینے لکھے جاتے تھے عربی مہینے لکھے جاتے تھے یہ سلسلہ پیغمبرؐ کی وفات اور خلیفہ اول کے بعد بھی جاری رہا۔ تاریخ طبری اور ابن اثیر میں آیا ہے مسلمانوں کا ایک تاریخ مستقل کی طرف نیاز مند ہونے کا احساس خلیفہ دوم کے دور خلافت میں دو سال چھ مہینہ گزرنے کے بعد یعنی سولہ سال ہجرت پیغمبر گزرنے کے بعد شروع ہوا۔ چنانچہ دور خلیفہ دوم میں ایسے حالات پیدا ہوئے جہاں خلیفہ کی طرف سے جاری احکامات ہدایات جو والیوں کو جاتے تھے اس میں صرف عربی مہینے لکھے جاتے تھے چنانچہ والیوں کی طرف سے یہ سوالات آنے لگے کہ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ شعبان اس سال کا شعبان ہے یا گزشتہ سال کا۔

مورخین اسلامی کا کہنا ہے اس سلسلے میں ابوموسیٰ اشعری نے ایک خط عمر بن خطابؓ کے نام لکھا جس میں لکھا آپ کے خطوط میں تاریخ نہیں لکھی جاتی جس سے پتہ نہیں چلتا یہ خطوط کب لکھے گئے ہیں۔ اسی سوال نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وہ ایک مستقل تاریخ اسلامی کی بنیاد قائم کریں۔ خلیفہ نے اصحاب رسول کو جمع کیا اور ان سے سوال استفسار کیا اور طلب تجاویز کی کہ ایک تاریخ وضع کریں جس پر ہم اپنے مسائل کو اس کے تحت اجراء کریں۔ بعض نے کہا روم کے سنہ کو اپنائیں روم والے اپنی تاریخ ذی القرنین سے شروع کرتے ہیں لیکن یہ بہت لمبی تاریخ ہے بعض نے تاریخ فارس رکھنے کو کہا تو بعض نے کہا ان کی تاریخ متزلزل ہے وہ ہر بادشاہ کے آنے پر پہلی تاریخ کو ختم کرتے ہیں۔ پھر ہمیں بھی ان کے مطابق تاریخ بدلنا پڑے گی کسی نے کہا ہم ولادت رسول اللہ ﷺ سے کریں لیکن یہ دور شرک تھا کسی نے کہا پیغمبر کی بعثت سے شروع کریں یہ تجویز بھی پسند نہیں آئی کیونکہ یہ دور مسلمانوں کیلئے ظلم واذیت کی تاریخ تھی۔

ایک روایت میں آیا ہے سعید بن مسیّب سے نقل ہوا ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا ہم کس دن کو اپنی تاریخ بنائیں اس پر حضرت علی نے فرمایا پیغمبرؐ کی ہجرت سے اور ارض شرک چھوڑنے کے دن سے اس کا آغاز کیا جائے۔ یہاں سے احساس ہوتا ہے کہ مسلمان اس وقت اس مسئلے کے بارے میں سنجیدہ تھے جہاں دو متمدن حکومتیں ان کے مقابل تھیں۔

کہا جاتا ہے جب حضرت عمرؓ کے دور میں ان کے پاس دیگر ملکوں سے آنے والے اموال زیادہ جمع ہوئے اور وقت کی تقسیم کے موقعہ پر اشتباہ ہوا کہ یہ کہاں سے آئے؟ اور کس وقت آئے؟ تو آپ نے بڑے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

چنانچہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے مشورہ دیا کہ اسکا آغاز تاریخ ہجرت رسول سے کریں کیونکہ ہجرت رسول وہ تاریخ ہے جس میں پیغمبر نے سرزمین شرک کو چھوڑ کر یہاں آ کر توحید کا پرچم لہرایا ہے استقلال کا پرچم لہرایا ہے لیکن آج کل کے نام نہاد مسلمان منافق حکمرانوں کو استقلال اسلام ومسلمین کہاں گوارا ہے انھیں تو چھوڑیں یہ تو منافق ہیں لیکن ان نام نہاد مروج الاحکام والاسلام علماء کو کیوں اسلامی استقلال ناگوار گزر رہا ہے جو کہ تاریخ ہجری کی جگہ تاریخ میلادی استعمال کرتے ہیں۔

سنہ طے ہونے کے بعد مہینہ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ کس مہینہ کو اپنا سال قرار دیں۔ مشورہ دیا گیا کہ رمضان کو آغاز سال قرار دیں بعض نے رجب کو کہا علی اور عثمان نے محرم کو آغاز سال قرار دینے کی تجویز دی کیونکہ یہ آخری اشہر حرام ہے۔ اسی طرح یہ مہینہ حاجیوں کے واپسی کا مہینہ ہے اس طرح ہجرت کرنے کا فیصلہ آخری ذی الحجہ کو منی میں ہوا لیکن شروع محرم سے ہوئی ہے۔

پیغمبرؐ کی ہجرت ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے اور ۱۲ ربیع الاول میں آپ مدینہ منورہ پہنچے ہیں لیکن تاریخ کیلئے اول محرم کو انتخاب اس لیے کیا کہ ہجرت

کا آغاز محرم سے شروع ہوا ہے کیونکہ پیغمبر اور وفد انصار مرکب از خزرج واوس سے ایام حج میں عقبہ میں ملے جہاں آپ اور ان کے درمیان طے پایا کہ پیغمبرؐ مکہ چھوڑ کر مدینہ میں قیام کریں گے اور اہل مدینہ جس طرح اپنے جان و مال و اولاد کا دفاع کرتے ہیں اسی طریقے سے پیغمبرؐ کا بھی دفاع کریں گے اس اتفاقیہ فیصلے کے ۱۲ دن گزرنے کے بعد مکہ میں موجود مظلوم ومقہور مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی یہاں تک ربیع الاول کو پیغمبرؐ وہاں سے نکلے اور ۱۲ کو پیغمبرؐ مدینہ پہنچے تو اس حوالے سے محرم کے مہینے کا انتخاب اس مناسبت سے کیا ہے ۔اس حوالے سے تاریخ اسلام کے ابکار کرنے والے خلیفہ دوم حضرت عمر ابن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلامی قمری ہے:

اسلام کی تاریخ دوسروں کی تاریخ سے امتیازات کی حامل ہے یعنی تاریخ اسلام شمسی فرضی نہیں بلکہ قمری حقیقی ہے کیونکہ قرآن کریم میں چاند ہی کو تعین مواقیت بتایا ہے۔﴿یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ''لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے بڑھنے کے) بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے، یہ لوگوں کیلئے اور حج کے اوقات کے تعین کا ذریعہ ہے۔'' (بقرہ ۱۸۹) قمر کی حرکت سامنے دیکھنے میں آتی ہے یہ فرضی نہیں اسی طرح تاریخ اسلامی لیلی ہے تاریخ اسلام کا آغاز لیل سے ہوتا ہے۔

جبکہ دیگر تاریخوں کا آغاز آدھی رات سے یا طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے جبکہ تاریخ اسلامی کا آغاز غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔تاریخ اسلامی لیلی ہے مہینہ کا اوّل لیل سے شروع ہوتا ہے اگر ہم مہینے کا آغاز دن سے کریں گے تو مہینے کے اوّل کی رات رہ جائیگی ۔کلمہ تاریخ مونث ہے جو مذکر پر غالب ہے تا کہ مہینہ تیس راتوں کو مکمل کر سکے اور ان کی راتوں میں کمی نہ آجائے چنانچہ علماء نے لکھتے وقت **کتبت لخمس خلون لست خلون** یعنی ان پر ''ت'' نہیں لگاتے کیونکہ آپ رات سے حساب کرتے ہیں اسلامی تاریخ رات سے شروع ہوتی ہے۔

لہٰذا وہ لیلی ہے چنانچہ آیات میں لیل کو نہار پر مقدم رکھا ہے۔

﴿قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ''ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔'' (مریم ۱۰)

﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ﴾ ''جسے اس نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ان پر مسلط رکھا۔'' (حاقہ ۷)

﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ ''اور دس راتوں کی'' (فجر ۲)

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ﴾ ''اور ہم نے ان کے اور جن بستیوں کو ہم نے برکت سے نوازا تھا، کے درمیان چند کھلی بستیاں بسادیں اور ان میں سفر کی منزلیں متعین کیں، ان میں راتوں اور دنوں میں امن کے ساتھ سفر کیا کرو۔'' (سباء ۱۸)

اسی طرح یہ فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہے یعنی غروب چاند سے شروع ہوتا ہے اسلام میں تاریخ گزاری کی بنیاد کب سے ہوتی ہے؟ کہتے ہیں: عرب، اسلام آنے سے پہلے وقت کا تعین ستارے اور چاند سے اور حساب دن کی بجائے رات سے کرتے تھے ان کی نظر میں یا حقیقت سے قریب تھا۔

اس کے مہینے قمری ہیں شمسی نہیں ہیں قمری اور شمسی مہینے میں فرق ہے کیونکہ قمری مہینے کا سال ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے جبکہ شمسی مہینہ کا سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔شمسی مہینہ تصوراتی اور فرضی ہے جبکہ قمری مہینہ مشاہداتی محسوساتی وعینی ہیں ۔لہٰذا تاریخ اسلام قمری ہے یہاں سے ہم مسؤلین انقلاب اسلامی سے سوال کرتے ہیں آپ نے کیوں اور کس بنیاد پر آیہ کریمہ **یسئلونک عن الاھلہ** سے روگردانی کی ہے۔

تاریخ کی اسلامی تفسیر:

صدر اسلام میں تاریخ کا کوئی مستقل عنوان نہیں تھا اس وقت مسلمان اپنے امور دینی و دنیوی کیلئے تنہا قرآن اور سنت رسول کی طرف رجوع پر اکتفا کرتے تھے، نبی کریمؐ کی وفات کے بعد حتیٰ خلفاء راشدینؓ کے دور کے بعد دور بنوامیہ میں جب حدیث سازی کی مہم شروع ہوئی تو علماء نے صحیح و متقن حدیث کیلئے راوی شناسی کا ایک علم ایجاد کیا جس کے ذریعے انہوں نے جو روایت مستند معتبر وموثق راوی سے منسوب ہوا اس کو اخذ کیا اور جس روایت کی کوئی سند نہ ملے یا راوی ضعیف

نکلے تو اس روایت کو مسترد کیا۔گزشت زمان کے بعد روایت شناسی اور راوی شناسی بھی ایک مشکل سے ٹکرا گئی تو حافظین دین وضع تاریخ پر مجبور ہوئے۔راوی کب پیدا ہوئے تھے کب وفات پائی اور یہ کہاں رہتا تھا راویوں کی تاریخ پیدائش،وفات اور جائے سکونت کی بھی ضرورت پڑی۔تاہم تاریخ میں اسنادوراوی پر اکتفا کیا گیا۔

کتاب تاریخ ادب لغت عربی تالیف جرجی زیدان ج ۳ ص ۱۶۸ میں نقد تاریخ کے عنوان پر جرجی زیدان لکھتے ہیں ؛ تاریخ کی غرض و غایت مسلمانوں کے نزدیک خدمت حدیث وتفسیر قرآن تھی۔جب مسلمان تفسیر قرآن اور جمع احادیث میں مشغول ہوئے تو لوگوں کو اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اماکن،احوال زمان کا بھی علم ہو یعنی یہ آیت کہاں نازل ہوئی مکہ میں یا مدینہ میں؟ آغاز دعوت پر یا آخری دور رسالت میں اور اسی طرح فرمان رسولؐ اور عمل رسولؐ کس وقت ہوا؟ یہاں سے مسلمانوں کو سیرت رسولؐ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔چنانچہ تاریخ میں سب سے پہلے جو کتاب مسلمانوں میں لکھی گئی ہے وہ مغازی رسولؐ اور سیرت رسولؐ ہے۔وہیں سے مسلمان علم حدیث اور فقہ کے نیازمند ہوئے اور انہیں قرآن وحدیث فہمی کیلئے علم لغت اور صرف ونحو اور اسانید روایت کی بھی ضرورت پڑی۔یہاں سے دین شناسی کیلئے تراجم،سیرت علماء وادباء اور فقہاء کی بھی ضرورت پڑی۔یہاں سے بڑھتے بڑھتے ایک علم بنام تاریخ وجود میں آیا۔مصادر اولیہ تاریخ سے رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں بعض نے تاریخ پر قلم اٹھایا ہے،بعض نے علم انساب پر،بعض نے سیرت پر اور بعض نے حکام وامراء پر الگ الگ سیرت نویسی کی ہے۔یہ دور گزرنے کے بعد تاریخ کا وہ مرحلہ آیا ہے جہاں سب کو یکجا وجمع کیا گیا۔ابتدائی دنوں میں تاریخ لکھنے والے محققین نہیں تھے وہ مؤلفین تھے جنہیں جہاں سے کچھ ملا اس کو انہوں نے صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔اور زیادہ سے زیادہ مواد جمع کیا۔یہاں سے نقد تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا۔

پہلے یونان فارس ہند کے حکماء کے اقوال وکلمات پر قال لگا کر آپؐ کی سیرت کو بھی بحارالانوار بنایا ہے ابھی معجزات بھی محدود نہیں رہے ہیں بلکہ انکے کارخانے بن گئے اسی طرح اصحاب کی شان میں مناقب ومثالب کی کہانیاں لگائی گئی ہیں اور ائمہ کیلئے تمام لوازمات الوہیت وربوبیت کی احادیث بنا کر ان کی تاریخ کو مسخ کیا گیا بدقسمتی سے جتنی مقدار میں احادیث کی چھان بین ہوئی ہے اس حساب سے تاریخ کے راویوں کو چھوا تک نہیں گیا۔اگر ہم ان تمام نقولات تاریخ کو قادیانوں اسماعیلیوں کے سے ڈر کر نقد سے گریز کرینگے تو تاریخ اسلام بھی کلیلہ ودمنہ الف لیلی بن سکتا ہے۔

مقدمین نے اس سلسلہ میں ایک مستقل باب نہیں کھولا اور نہ کوئی خاص کتاب اس عنوان کے تحت لکھی ہے،کیونکہ یہ فن اور نئے تقاضے پہلے زمانے میں نہیں تھے۔کیونکہ فنون ہمیشہ سے لوگوں کی ضرورت کے تحت ظاہر ہوتے ہیں ضرورت سے پہلے کوئی بھی فن ظاہر نہیں ہوتا ہے مثلاً علم نحو،صدر اسلام میں نہیں تھا لیکن جب عربی زبان بگڑنے لگی تو ضرورت علم ونحو پیش آئی،علم فقہ جب عامۃ الناس کتاب وسنت سے احکام استنباط کرنے سے عاجز ہوئے تو یہ علم سامنے آیا۔دورِ عباسی میں جدید افکار کے ظہور نے نئے فنون کو جنم دیا ہے۔

علم کلام ملحدین اور مسلمانوں میں جدال شروع ہونے سے ظاہر ہوا۔فضیلتِ عرب بیان کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب عربوں میں دوسری اقوام سرایت کر گئیں۔قرآن وحدیث میں مشکلات کی بحث،قرآن وحدیث میں شک کرنے سے شروع ہوئی،علم روایت اور درایت جعل حدیث کے سلسلہ کے آغاز سے سامنے آیا۔

ایک مستقل وجامع اسلامی تفسیر کے عنوان سے قدیمی کتب میں ایسی کتب نہیں ملتیں گذشتہ علماء نے اس موضوع پر کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے جدید دور کے مؤرخین نے اس موضوع پر لکھا ہے انہوں نے مستشرقین کی تفسیر اور نقطۂ نظر کو اپنایا ہے۔لیکن حق وانصاف یہ ہے کہ تفسیر تاریخ قدیم کتابوں میں بصورت منتشر موجود ہے لہٰذا ہمیں ان بکھرے ہوئے مواد کو تلاش ویکجا کر کے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

جب دورِ جدید میں یورپ اور خاص کر کے مستشرقین نے تاریخِ عالم پڑھنا شروع کی تو انھوں نے اپنی ضروریات سہولیات کے تناظر میں یورپ کی ترقی وتمدن کی برتری اور دوسرے ممالک کو پست ماندہ ظاہر کرنے والی تاریخی تفاسیر لکھنا شروع کیں۔ان حالات کے تحت مسلمانوں کو اپنی تاریخ کو ایک صحیح تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔تفسیر تاریخ،کتب قدیم میں موجود ہے،ہم اس باب میں تمام مطالب ونکات پیش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن کچھ اہم مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

تفسیر تاریخ کا اوّلین اور مستند ترین مصدر خود "قرآن کریم" ہے اس بارے میں ہمیں قرآن میں بہت سے نمونہ ملیں گے۔جو کچھ خدا نے گذشتہ اقوام کے

متعلق ذکر کیا ہے اسے ہم شمار کرسکتے ہیں اللہ ہمیں بتاتا ہے معاشرے میں بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی بندگی اور اس کی زمینی خیرات سے استفادہ کرنا ہے۔ ہر ایک اپنی کاوش اور جدوجہد کے تناسب سے کماتا ہے، ایک دوسرے پر ظلم وتجاوز نہ کرو اور معاملات میں اصل لین دین میں ایک دوسرے کے معاون اور کفیل وضامن بنو جب لوگوں نے زندگی کے ان اصول اور تعلیم سے روگردانی کی تو خداوند متعال نے انسانوں کی ہدایت ورہبری کیلئے انبیاء مبعوث کئے، بہت سے لوگوں نے ان کی تعلیم کو رد کیا اور شرک، ظلم وفساد کو رواج دیا جس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہوئے اور جو کچھ انھوں نے بنایا تھا وہ تباہ وبرباد ہوا۔ اس بنا پر طاقت، تمدن اور عمرانیات کو برقرار رکھنا توحید، اللہ کی بندگی اور لوگوں سے پیار ومحبت سے پیش آنا ہے، اگر لوگ ان اصولوں کے پابند نہیں رہے تو یقیناً بربادی وتباہی ان کا نصیب اور مقدر ہوگی۔

قرآن کریم نے گذشتہ قوموں کی بربادی وتباہی کا واحد سبب شرک اور ظلم بتایا ہے، چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کی بہت سی احادیث میں تفسیر تاریخ کے متعلق اشارے ملتے ہیں جو بہت سی آیات قرآن کے ہم معنی ہیں، اس سلسلے میں آپؐ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں، جب مسلمانوں نے چوری کرنے والی عورت کے حق میں شفاعت کرنا چاہی تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے، جب ان میں سے کوئی بڑا چوری کرتا تو اسے وہ چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی غریب شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے''۔

۱۔ دور داعی:

عام الفیل کے چالیس سال گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا ہے جو ۲۳ سال پر محیط ہے نبی کریمؐ کے ہجرت کے ۱۰ سال تک کا دور رہے یہ دور تاریخ اسلام کے درخشاں ترین روشن ترین صفحات میں سے ہے۔ حضرت محمدؐ، اعلان دعوت سے وفات تک، یہ دونوں مراحل تاریخ اسلام کیلئے ریڑھ کی ہڈی تصور ہونگے۔ ان دونوں کے بغیر اسلام مسلمین کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

محمدؐ ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے، ۶۱۰ء میلادی کو آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے ۶۱۳ء کو اپنی دعوت کا اعلان کیا یہاں سے آپ قریش کے مظالم کا نشانہ بنے آپ نے اپنے بعض اصحاب کو ۶۱۵ء میں حبش کی طرف روانہ کیا اور ۶۲۲ء میں آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں بہت بڑے آثار مرتب ہوئے اس سلسلہ میں بہت سی کتب آپ کو ملیں گی۔ ہجرت کے بعد اسلام ہمیشہ بطور مستقل، مثمر، تقدم اور پیش رفت میں رہا۔ ۶۳۰ء میں فتح مکہ ہوا ۶۳۱ء میں آپؐ نے وفات پائی اس کے بعد مراحل تاریخ میں کوئی اہم چیز رونما نہیں ہوئی شریطہ اسلام میں کمی یا اسلام کی دعوت کو قبول کرنے میں کوئی نقص نہیں آیا۔

۲۔ مہاجرین وانصار:۔

جنھوں نے محمدؐ کی دعوت کو قبول کیا اور اس ضمن میں اپنے مال وجان سے صرف نظر کیا۔ اپنا سب کچھ دعوت محمدؐ پر قربان کیا۔ جن کی ستائش قرآن کریم کی آیات میں آئی ہے۔ انصار مدینہ نے نبی کریمؐ اور مہاجرین کو اپنے آغوش ایمانی میں جگہ دی جن کے بارے میں آیات اتری ہیں۔

۳۔ مکانی:

وہ مکان جہاں سے نبی کریم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا وہ سرزمین مکہ مکرمہ ہے جسے اللہ نے بلدالامین کہا ہے۔ یہاں پناہ لینے والوں کو بھی تحفظ تھا چنانچہ قریش نے حلف فضول میں مظلوم ومستضعف سے دفاع کرنے کا عہد کیا لیکن نبی کریمؐ اور آپ پر ایمان لانے والے قریش ان کی اذیت وقتل کا نشانہ بنے۔ یہاں تک کہ نبی کریمؐ کو یہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ اہل مدینہ نے ازخود دل وجان سے اس دعوت کو قبول کیا اور نبی کریمؐ کو اپنے ہاں ہجرت کرنے کی دعوت دی اور اپنے خانۂ آشیانہ پر ان کو ترجیح دی چنانچہ اللہ نے قرآن میں ان کے اس کردار کو سراہا۔

۴۔ زمانی:

دعوت عام الفیل کے چالیس سال گزرنے کے بعد نبی کریم نے اپنے رسالت کا اعلان کیا ۱۳ سال مزاحمت ومقاومت کے بعد مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی دس سال کے بعد آپ وصال رب ہوگئے ۳۰ سال تک چار خلفاء نے آپ کی اس امانت کا تحفظ کیا۔ جس دن سے اس دعوت کا آغاز ہوا اسی دن سے

مزاحمتوں سے گزر کر اس نے سرزمین مدینہ میں استحکام پایا۔ جس دن نبی کریمؐ دار کفر و شرک کو پیچھے چھوڑ کر سرزمین مدینہ میں وارد ہوئے یہی تاریخ اسلام کا نقطۂ آغاز ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾ ''اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔'' (یوسف ۱۱۱)

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ ''اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے طفیل اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن اس نے تو اپنے آپ کو زمین بوس کر دیا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابعدار بن گیا تھا، لہٰذا اس کی مثال اس کتے کی سی ہوگی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان لٹکائے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان لٹکائے رکھے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، پس آپ انہیں یہ حکایتیں سنا دیجئے کہ شاید وہ فکر کریں۔'' (اعراف ۱۷۶)

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾ ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے'' (احزاب ۲۱)

ا۔ تاریخ کے جاننے سے ہمیں بہت سی آیات کے معانی سمجھنے میں مدد ملتی ہے جسے مفسرین ''شانِ نزول'' آیات کہتے ہیں، گرچہ فہم آیات خود کلمہ اور آیت کے سیاق وسباق سے تعلق رکھتا ہے، تاہم نزول آیت کی تاریخ جاننے سے آیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ ناسخ اور منسوخ کی تمیز: شریعتِ اسلامی میں ناسخ اور منسوخ کے نام سے ایک باب ہے لیکن کونسی آیت ناسخ ہے اور کونسی حکم منسوخ ہوئی اس کا پتہ تاریخ کے ذریعہ ممکن ہے۔

۳۔ روایت شناسی: بعض روائی کتب اور روایات ایسے افراد سے متند ہے جو ان کے پیدا ہونے سے پہلے یا مرنے کے بعد نقل کی گئی ہیں اس حوالے سے روایات کا سقم بھی تاریخ کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ اس حوالے سے بھی تاریخ خاص اہمیت کی حامل ہے۔

قرآن میں بہت سی آیات غیب کے بارے میں آئیں ہیں۔ عام عادی انسانوں کیلئے ممکن نہیں وہ یہ خبر دیں انبیاء کرام کی ثبوت کی نشانی بعض اوقات یہی تھی کہ وہ غیبی خبریں دیتے تھے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا میں جانتا ہوں تمہارے گھروں میں کیا ہے حضرت محمدؐ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک اخبار غیب تھے یہ اس بات کی دلیل تھی کہ آپ اللہ سے وصل رکھتے ہیں جہاں آپ کی غیب کے بارے میں خبریں دلیل بر نبوت تھی کلی طور پر اپنے سے علم غیب کی نفی اس بات کی دلیل ہے آپ بشر ہے اللہ نہیں اللہ آپ میں حلول نہیں ہوا ہے آپ کا معجزہ آپ کی ماضی کی سچی خبریں ہیں جس میں اللہ نے آپ کو بتایا ہے آپ نہیں جانتے تھے بلکہ آپ کو بتایا گیا ہے جیسا کہ:

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴾ ''یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں اور آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ ہی آپ ان کے پاس (اس وقت) موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔'' (آل عمران ۴۴)

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾ ''اللہ مومنوں کو اس حال میں رہنے نہیں دے گا جس حالت میں اب تم لوگ ہو اور یہاں تک کہ پاک (لوگوں) کو ناپاک (لوگوں) سے الگ کر دے اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں پر مطلع نہیں کرے گا بلکہ (اس مقصد کیلئے) اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔'' (آل عمران ۱۷۹)

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔ پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے۔'' (ھود ۴۹)

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی'' (یوسف ۱۰۲)

ان کے علاوہ باقی خبریں جو اس کائنات سے ماوراء ہیں جیسے عالم برزخ و قیامت یہ یوم اللہ نے اپنی ذات کیلئے مختص کئے ہیں جب تک اللہ نبی کو ان سے آگاہ نہیں کرے گا وہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا:

﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ ''اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔'' (نمل ۷۵)

﴿قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اے آدم! ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتلا دو، پس جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو، وہ سب جانتا ہوں۔'' (بقرہ ۳۳)

جتنی خبریں عنوان غیب سے قرآن میں آئی ہیں انھیں آیت کہا گیا ہے جبکہ علماء نے انھیں معجزہ کہا ہے معجزے یعنی یہ نبوت کی نشانیاں ہیں معجزہ اس لئے کہا گیا ہے کہ دوسرے ایسی خبریں نہیں دے سکتے حتیٰ وہ خبریں جو زمان کے بارے میں یا آئندہ کے بارے میں مدعیان اولیاء اللہ دیتے ہیں وہ اعجاز کے منافی ہیں اگر ان کی خبریں صحیح قرار پائیں گی تو انبیاء کی نبوتوں کی نشانیاں بھی غلط ٹھرائی جا سکتی ہیں اس حقیقت کے تناظر میں جو علائم قرب قیامت با اصطلاح علائم ظہور کے عنوان ہیں وہ تخرصات' تاویلات' اضغاث واحلام ہیں:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا'' (جن ۲۶)

﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾ ''سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا کوئی علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے'' (جن ۲۷)

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ ''اللہ مومنوں کو اس حال میں رہنے نہیں دے گا جس حالت میں اب تم لوگ ہو اور یہاں تک کہ پاک (لوگوں) کو ناپاک (لوگوں) سے الگ کر دے اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں پر مطلع نہیں کرے گا بلکہ (اسی مقصد کیلئے) اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔'' (آل عمران ۱۷۹)

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ ''کہہ دیجئے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی ہوتی ہے، کہہ دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔'' (انعام ۵۰)

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز سے واقف ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس سے آگاہ ہوتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔'' (انعام ۵۹)

﴿قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ﴾ ''کہہ دیجئے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ غیب کی باتیں نہیں جانتے سوائے اللہ کے اور نہ انہیں یہ علم ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔'' (نمل ۶۵) کے سراسر منافی ہیں۔

قارئین کرام قرآن کریم اساس اسلام ہے اس قرآن کی بعض آیات میں پیغمبرؐ کی حیثیت کو مبین موضح اور مکمل دین وشریعت بتایا ہے لہٰذا جہاں کہیں قرآن نے تفصیل سے کوئی چیز بیان کی لیکن کسی اہم نکتے کا ذکر وہاں نہیں آیا تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ بھول گئے ہیں یا یہ بیان قرآن میں نہیں آسکا ایسا نہیں اور جہاں تفصیل سے بیان ہے وہاں نبیؐ کیلئے از خود تاسیس کرنے کی کوئی منطق باقی نہیں رہتی ہے۔ اگر کہیں کثرت روایات پائی جاتی ہیں تو سمجھ لیں وہ اختراع کرنے والوں کے آثار ہیں جیسے نظام ازدواجی کو اللہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے اس کے بعد ازدواج کی ایک اور نوع جس کے احکامات قرآن میں موجود ازدواج سے بالکل مختلف ہوں اس کی کوئی تفسیر وتوجیہ ممکن نہیں اسی طرح علماء نامور نوابغ زمانہ امثال شہید باقر صدر اور شہید باقر حکیم، مرحوم شیخ محمد حسین کاشف الغطاء اور مرحوم فضل اللہ جیسے علماء اعلام وجود امام مہدی کے بارے میں آیات قرآن نہ ہونے کی نفی کرنے کے بعد ان کی آمد کے بارے میں احادیث پیش کی ہیں کیا اس سے بوئے وضع وخود ساختگی نہیں آتی؟

قرآن میں سورہ روم میں اہل روم کی شکست کے چند سال بعد غلبہ حاصل ہونے کی نوید دے کر مسلمانوں کی تسلی وتشفی کی گئی لہٰذا یہاں مستقبل کے مسلمانوں کیلئے اس سے کئی گنا عظیم وفتح وظفر کی بشارت دینے کیلئے کوئی ایک آیت نازل ہونی چاہیے تھی۔

دین فہمی میں تاریخ کا کردار:

جن عناصر یا اجزاء سے اسلامی تاریخ متحقق ہے وہ دنیا کے دیگر اقوام وملل اور ادیان ومذاہب کی تاریخ سے علیحدہ اور مختلف ہیں کیونکہ ان کی تاریخ صرف واقعات اور حوادث کے ظروف مکان وزمان سے مرکب ہے جبکہ تاریخ اسلامی کے ترکیبی عناصر میں بنیادی کردار دین کا ہے چونکہ تاریخ اسلام کی بنیاد اور ستون رکن اللہ کی آخری کتاب قرآن اور قول حضرت محمدؐ ہے یہ دونوں ناقابل انفکاک مرکب ہیں اور یہی مصدر دین بھی ہیں۔

اس موضوع کے حوالے سے ہمارے سامنے مختلف سوالات آتے ہیں جیسے دین اسلام کے اصول ومبانی اور فروعات کے فہم میں تاریخ کا کیا کردار ہے؟ ایک اعلیٰ وارفع مثالی تاریخ سازی میں دین کا کیا کردار ہے؟ دین اسلام کی دعوت کس نے شروع کی، دین اسلام کا آغاز کس جگہ سے ہوا؟ آئیں دیکھتے ہیں دین کیا ہے۔ اس کے عناصر کیا ہیں۔

۱۔ اللہ خالق مکان وتکمین ہے اس کی ذات وصفات میں کوئی اسکا عدیل نہیں۔

۲۔ تمام انسان اس کی مخلوق مختار ومکلف ہیں۔

۱۔ اثبات نبوت ورسالت پیغمبرؐ۔

۲۔ تمام ادیان سماوی ایک ہی رسالت کے حامل تھے۔

۳۔ تمام رسولوں کی دعوت کا نقطہ اور مرکز واحد تھا۔

۴۔ گذشتہ اقوام نے انبیاءؑ سے کیا سلوک کیا۔

۵۔ شریعت اور دین میں کیا ربط ہے۔

۶۔ کس قسم کے لوگوں نے انبیاءؑ کی مدد کی اور کس قسم کے لوگوں نے انھیں جھٹلایا؟

۷۔ انبیاء ورسل اس کے نمائندے ہیں اس کی خاتمیت محمدؐ سے ہوئی ہے۔

۸۔ نیک وصالح بندے دونوں کا حساب کسی اور عالم میں ہوگا جو اس دنیا سے گزرنے کے بعد ہوگا۔

۹۔ اللہ سبحانہ انبیاءؑ کو اپنی نبوت ورسالت کے اثبات کیلئے اور کتنی اور کس حد تک فعل خارق عادت عنایت کرتا ہے کیا خارق عادت کوئی کارخانہ ہے انبیاء ائمہ اولیاء عرفاء اس کے مدیر ہیں یا یہ اعمال آیات نبوت ورسالت تک محدود ہیں۔

۱۰۔ اہل شر وفساد کا انجام اور اہل خیر وصلاح کی عاقبت کس میں ہے؟۔

۱۱۔ جزع وکرب اور صبر وتحمل کا انجام کیا ہے؟۔

۱۲۔ دنیا اور آخرت میں انبیاءؑ بہترین نمونہ ہیں۔

۱۳۔ اسی طرح مثالی تاریخ کیا ہوتی ہے مثالی تاریخ کا نمونہ کس نے پیش کیا ہے کس کس کے پاس اس کا مواد موجود ہے:

ان اصول ومبانی کا مصدر قرآن ہے جبکہ عملی تطبیقات کردار انبیاءؑ ہیں ۔اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان انبیاء کی مخلصانہ جدوجہد، مشقات ومصائب، تکذیب و افتراءاور ہجرتِ ادارہ نیز ان پر ایمان لانے والوں کی تاریخ ہمارے عقائد کو جلا دیتی ہے اور تقویت پہنچاتی ہے ۔

مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی سیرت اور اس سے متعلق قرآن کریم کی تفسیر اور امت کا پیغمبرؐ کی اقتداءو پیروی کرنے کی خبریں ہمارے لئے چھوڑی ہیں ۔علم تاریخ نے ہمیں پیغمبرؐ کی احادیث کی صحت،سقم،اصلی،نقلی،جعلی سب کی تمیز کرنے کیلئے راویان کی شخصیات کو بیان کیا ہے کہ فلاں راوی معتبر وصحیح ہے اور فلاں صحیح نہیں ہے فلاں کی تائیداور توثیق کی گئی ہے اور فلاں کی تضعیف کی گئی ہے ۔علم تاریخ نے ہمیں بتاتا ہے کہ کس نے پیغمبرؐ کی جنگوں میں جرأت دکھائی‘ کس نے شہامت دکھائی‘ کس نے شجاعت دکھائی‘ کس نے شکست کھائی‘ کس نے پیغمبرؐ کی خدمت میں ایثار پیش کیا‘ کس نے پیغمبرؐ کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کی‘ کس نے مزاحمت کی‘ کس نے عقیدہ اسلام کو نشر کرنے میں جہاد کیا‘ کس نے پیغمبرؐ کے بعد ارتداد و انحراف کا راستہ اپنایا‘ کون ہمارے لئے اس باب میں اسوۃ مقتدۃ اور نمونہ بنے‘ کون میدان جنگ میں شہسوار بنے اور کس نے دشمنوں کی امیدوں پر پانی پھیرا یہ سب دروس ہمارے لئے تاریخ نے ہی چھوڑے ہیں تاکہ ہم اپنے دور میں استعمار و استبداد اور دشمنان اسلام سے جنگ و جہاد میں ان اسباق سے عبرت لیں ۔

اسلام کے حوالے سے تقسیم بندیاں:

۱۔ماقبل اسلام دور جاہلیت ۔ ۲۔عصر ظہور رسالت مابعد عصر رسالت ۔ ۳۔دور راشدین و مابعد دور راشدین عصر خلفاء راشدین ۔

۴۔عصر بنی امیہ۔ ۵۔عصر بنی عباس۔ ۶۔عصر الحادی۔

۷۔عصر سیکولرزیم۔

اس اجمالی فہرست کے بعد اب ہم اسکی تفصیل کی طرف آتے ہیں یہ تاریخ کتنے ادوار سے گزری ہے اس باب میں داخل ہو کر تاریخ کو سمجھنے کیلئے مورخین نے تاریخ کے چند ادوار ذکر کیے ہیں ۔جب ہم مسلمان تاریخ اسلام پر لکھتے ہیں یا تدریس کرنے کیلئے نصاب بنائیںگے تو ہم تاریخ اسلام کو چند ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ماقبل از اسلام:

ہر مسلمان دانشمند محقق خاص طور پر تاریخ اسلام سے دروس اسباق لینے کے خواہش مند افراد کیلئے ضروری ہے کہ وہ تاریخ اسلام کو بعثت سے پہلے کے دور سے شروع کریں ۔نبی کریمؐ کے بعثت سے پہلے سرزمین جزیرہ العرب اور اس کے گردو نواح میں علم وآگاہی دین و دیانت میں کس طرح اور کیسے زندگی گزارتے تھے،ان کا سیاسی واقتصادی اجتماعی دینی ڈھانچہ کیسا تھا یہ جاننا ضروری ہے تاکہ ہم اس سے بقول علماء فلسفہ تاریخ بنا سکیں ۔

بحث کا آغاز مکان بعثت جزیرہ العرب اور اس کے اطراف کے اجتماعی‘ سیاسی دینی صورت حال بیان کرنے کیلئے دعوت کا آغاز سرزمین مقدسہ مکہ سے شروع کرتے ہیں مکہ حجاز کا حصہ ہے جزیرۃ العرب کا جزء ہے ۔جزیرۃ العرب اپنے جغرافیائی پس منظر کے حوالے سے جنوبی غربی ایشیا میں واقع ہے اس کے شمال میں شام مشرق کی طرف سے خلیج فارس بحر عمان واقع ہے اور جنوب غربی کی طرف سے محیط ہندی ہے اور مغرب کی طرف سے بحر احمر واقع ہے ۔ترکیب اجتماعی مکہ مکرمہ دیانات جزیرۃ العرب وماحول کے حوالے سے بھی بحث کے متقاضی ہے ۔

جزیرۃ العرب:[تاریخ اسلام حسن ابراہیم ج ا ص ۹]

جزیرہ العرب کا نقشہ متوازی اضلاع نہیں بلکہ مستطیل ہے ۔اس کے شمال میں فلسطین‘ شام کے صحراء ہیں ۔غرب میں حیرہ دجلا فرات خلیج فارس واقع ہے، جنوب میں محیط ہندی خلیج عدن ہے، مشرق میں بحر قلزوم یا بحرِ احمر ہے ۔غرب وجنوب میں دریا کی دیوار سے شمال میں صحراء کی دیوار ہے ۔خلیج فارس مغرب سے دور ہے جس کی وجہ سے وہ استعماروں کی استعمارگری سے بہت حد تک محفوظ رہے ۔کتاب تاریخ الدعوۃ اسلامیہ تالیف جمیل عبد اللہ مصری، کتاب کے ص ۲۳ پر لکھتے ہیں جزیرۃ العرب ایک شبہ جزیرہ ہے ۔دنیا میں موجود جزائر میں سب سے بڑا جزیرہ ہے اس کی مساحت تین ملیون مربع کلومیٹر بتائی جاتی ہے ۔

۱۔اس کے مشرق میں خلیج عرب وخلیج عمان ہے۔

۲۔جنوب میں بحر عرب ومحیط ہندی ہے۔

۳۔غرب میں بحر احمر ہے۔

۴۔شمال میں بادیہ شام اور عراق ہیں۔

جزیرۃ العرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔نجد: یہ یمن سے جنوب اور بادیہ سماوشمال تک ملتا ہے۔۲۔یمن یہ نجد سے محیط ہندی تک ملتا ہے۔۳۔غروب یہ یمامہ امان بحرین وغیرہ سے ملتا ہے۔

۴۔تہامہ: وہ میدان ہے بحر احمر سے نجران تک کو ملتا ہے۔اس جگہ کو تہامہ اس لئے کہا ہے یہاں بہت سخت گرمی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو تہامہ کہتے ہیں۔

۵۔حجاز: یہ یمن کے شمال میں واقع ہے اور مشرق تہامہ کے۔حجاز دیگر علاقوں سے ایک خاص امتیازات کے حامل ہے یہی وجہ ہے دیگر جگہوں پر آئے ہوئے اجنبی استعمار یہاں نفوذ نہیں کر سکے اس کے علاوہ حجاز مکہ مکرمہ بیت حرام کی وجہ سے عربوں کے نزدیک ایک مقام والا کے مالک ہوئے جب سے یمن حبشیوں کے قبضہ میں گیا عرب یمن نجد سے حجاز کی طرف متوجہ ہوئے حجاز اپنی موقعیت کے حوالہ سے شام یمن کیلئے شمال وجنوب سے تجارت کے راستہ پر واقع ہے۔

حجاز میں مکہ مقدسہ ہے اسکے اطراف میں بھی ایسا پہاڑ ہے کو یا یہ ایک دائرہ ہے کعبہ کے گرد یہاں سورہ ابراہیم آیت ۳۷ کے تحت وہ وادی غیر ذی زرع ہے اس میں بیت عتیق واقع ہے جو ابراہیم خلیلؑ کے آثار باقیہ میں سے ہے یہی بیت عربوں کو ہر جگہ سے اس طرف کھینچ لیتا ہے اللہ نے اس بیت کا ذکر اپنی کتاب میں ہر جگہ کیا ہے جیسے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴾ "وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، حالانکہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔" (فتح ۲۴)

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴾ "سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے جو عالمین کیلئے بابرکت اور راہنما ہے۔" (آل عمران ۹۶)

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ "پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں، اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔" (حج ۲۹)

﴿ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴾ "اور اس پر امن شہر (مکہ) کی" (تین ۳)

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ "میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں" (بلد ۱۔۲) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اس سرزمین پر سب سے پہلے سکونت کرنے والے عمالیق ہیں ان کے بعد جرھم قحطانیا آئے جو بعد میں حضرت اسماعیلؑ کا سسرال بنے ان کے بعد یمن کی سد مارب ٹوٹنے کے بعد خزاعہ آئے اور خزاعہ نے یہاں سے جرھم کو نکال دیا اور ان کی جگہ پر خود والی بیت بنے۔قبیلہ خزاعہ کی طرف سے سب سے پہلے تولیت بیت سنبھالنے والے عمر بن لحی خزاعی ہے جس نے اس شہر میں پہلی بار بت لا کر بت پرستی کو رواج دیا۔

ترکیب اجتماعی عرب: [مواہم العرب ص ۲۹۴]

علماء عرب محققین تاریخ عرب نے عربوں کو چند گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔عرب واعراب میں فرق رکھا ہے اعراب کو عرب کہیں تو خوش ہوتے لیکن عرب کو اعراب کہیں تو ناراض ہوتے تھے۔جن کا ذکر قرآن کی ان آیات میں اعراب کی مذمت آئی ہے:

﴿ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ،وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا

وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ "یہ بدوی عرب کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملہ میں اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ اس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ودانا ہے، ان میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں زمانہ کی گردشوں کا انتظار کر رہے ہیں (کہ تم کسی چکر میں پھنسو تو وہ اپنی گردن سے اس نظام کی اطاعت کا قلادہ اتار پھینکیں جس میں تم نے انہیں کس دیا ہے)۔ حالانکہ بدی کا چکر خود انہی پر مسلّط ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے" (توبہ ۹۷، ۹۸)

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴾ "تمہارے گردوپیش جو بدوی رہتے ہیں ان میں بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔ قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو دوہری سزا دیں گے، پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لیے واپس لائے جائیں گے" (توبہ ۱۰۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے" (حجرات ۱۲)

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے اب وہ آکر ضرور تم سے کہیں گے کہ "ہمیں اپنے اموال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا، آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں"۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ ان سے کہنا "اچھا، یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے؟ تمہارے اعمال سے تو اللہ ہی باخبر ہے" (فتح ۱۱)

﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ "ان کے پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں سے کہنا کہ "عنقریب تم ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلائے جاؤ گے جو بڑے زور آور ہیں۔ تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔ اس وقت اگر تم نے حکم جہاد کی اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا" (فتح ۱۶)

عرب کی ترکیب اجتماعی ابتداء میں دو گروہوں عرب اور اعراب پر مشتمل تھی۔ وہ قبائل جو ہمیشہ دریا کے کنارے پر رہتے تھے اور ادھر ادھر نہیں جاتے تھے انہیں حاضر کہتے تھے۔ اگر وہ کہیں چلے بھی جاتے تو واپس آجاتے تھے۔ وہ اسی کو اپنا مکان تصور کرتے اور اپنی جگہ کا دفاع کرتے تھے نیز وہ افراد جو شہروں اور دیہاتوں میں قیام کرتے انہیں بھی عرب اہل حضر کہتے تھے۔ دوسر الطراف کے وہ دیہاتی تھے جو اپنے مال مویشیوں کے ساتھ گردش میں رہتے انہیں اہل بادیہ اعراب کہتے تھے۔

۱۔ عرب بائدہ:

وہ عرب جن کی نسل ختم ہوئی ہے اب ان کی کوئی نسل باقی نہیں رہی جیسے عاد وثمود۔ ان کا ذکر قرآن کریم کی سورہ نجم کی آیت ۵۱ فجر ۹ اور دیگر سوروں میں آیا ہے۔

۲۔عرب باقیہ:

یہ اپنی جگہ دو حصوں دو قبائل میں تقسیم ہیں عرب عاربہ انھیں قحطانیین بھی کہتے ہیں۔ان سے پھیلنے والوں کو حمیر کھلان الحمیون' غسانہ' اوس وخزرج' قزاعہ کلب کندہ ہیں۔مکہ قدیم زمانے سے موطن عرب عاربہ قبائل جرھم کو کہتے ہیں یہ لوگ قحط سالی کی وجہ سے نکلے یہاں قیام پذیر ہوئے،سب سے پہلے جو مکہ میں آئے ہیں وہ جرھمی ہیں یہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت سے پہلے یہاں آئے تھے اور مکہ کے اطراف میں رہتے تھے۔انہوں نے معلّٰی میں سکونت اختیار کی یہ جبل قیقعان پر تھا۔ان میں بعض مسفلہ میں ہوتے تھے اور انھیں میں سے ایک مضاف بن عمرو، معلّٰی میں رہتے تھے۔

۳۔عرب مستعربہ:

ان کی اصل عرب نہیں تھی وہ بعد میں عرب ہوئے۔حضرت اسماعیلؑ کے والد حضرت ابراہیمؑ عراق کے شہر بابل کے رہنے والے تھے وہ عرب نہیں تھے انھوں نے کعبہ کے نزدیک قیام کیا۔وہ اس وقت باہر سے آنے والوں سے مالیت لیتے تھے قبیلہ جرھم مکہ میں بئر زم زم کے پاس اسماعیلؑ اور ان کی ماں ہاجرہؓ سے ملے۔آپس میں محبت تکلم ہوا اسماعیل حارث من مضاض جوان کے سربراہ تھے کی بیٹی کو اپنے عقد میں لائے ان سے ان کے دس فرزند پیدا ہوئے جنکا ذکر تورات میں آیا ہے ان کے نام سے پتہ چلتا ہے یہ غیر عربی زبان بولتے تھے۔انہوں نے عربی زبان جرھمیوں سے سیکھی لہٰذا آل اسماعیلؑ عرب مستعربہ کو کہتے ہیں جو اپنے ماموں جرھم کے ساتھ رہتے تھے جس وقت کعبہ کی سرپرستی اولاد اسماعیل میں تھی۔ان کو مستعربہ کہتے ہیں یہ بعد میں عرب میں شامل ہوئے۔

تاریخ العرب قبل از اسلام:[تالیف سعد زغلول عبدالحمید ص ۲۸۷]

جب قصی مالدار اور صاحب اولاد کثیر بنے تو دیکھا وہ بنی بکر اور خزاعہ کی بجائے مکہ و کعبہ کے والی اور صاحب امر بننے کے سزاوار ہیں کیونکہ وہ نسب کے حوالے سے ابن حبشیہ سے بہتر ہیں لیکن خزاعہ اس پر راضی نہیں تھے۔انہوں نے فیصلہ تلوار پر چھوڑا اور قریش کو ان کے خلاف اٹھایا اور اس سلسلہ میں اپنی ماں کی طرف سے بھائی اور ماموں کو اور ان کے حلفاء کو دعوت دی۔قصی اور ان کے دشمن خزاعہ کے درمیان جنگ چھڑی۔قتل و غارت شروع ہوئی لیکن دونوں کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچے تو انہوں نے خون بچانے کیلئے کسی فیصلہ کرنے کیلئے بعض اشراف عرب کی طرف رجوع کیا۔جسے عرب میں تحکیم کہتے ہیں تحکیم کا یہ طریقہ کار پہلے سے مروج تھا کہ وہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کریں۔

اس سلسلہ میں یعمر بن عوف بن کعب کنانی نے قصی کے حق میں فیصلہ دیا اس طرح سے بیت اللہ اور مکہ کی سرپرستی قصی بن کلاب تک پہنچی۔قصی نے قریش جن کے گھر اطراف میں منتشر تھے ان سب کو مکہ میں بلایا اور مکہ کی سرزمین کو ان کے درمیان تقسیم کیا۔انہوں نے سب کو درخت کاٹنے اور ان سے اپنا گھر بنانے کی اجازت دی درختوں کو کاٹنا ان کے درمیان موضوع جدل بنا یہاں تک قصی نے گھر بنایا تو باقیوں نے بھی اس پر عمل کیا۔

قصی کا گھر اہل مکہ کا صلاح ومشورہ کرنے کیلئے دارالامارہ کی شکل اختیار کر گیا یہاں ان کے امورات کا فیصلہ ہوتا اور زواج اور نکاح بھی قصی کے گھر میں ہی انجام پاتے تھے۔دوسرے قبائل سے جنگ و صلح بھی یہاں ہی ہوتی تھے۔جب قریش کے حالات بہتر ہو گئے اور قصی تمام قبائل پر مسلط ہوئے اور تمام قبائل کو مشورہ میں شامل کیا تو ان کا گھر اس اجتماع کیلئے چھوٹا پڑا تو انہوں نے ایک گھر خاص طور پر قبائل وعشائر اور روسا کے اجتماع کیلئے بنانے کا فیصلہ کیا جس میں وہ قریش کے مسائل کے بارے میں صلاح ومشورہ کرینگے اس طرح یہ ایک قسم کا اسمبلی حال بن گیا۔یہ جگہ بعد میں دارالندوہ کے نام سے معروف ہوئی یہ کعبہ کے جوار میں بنا اس کا دروازہ مسجد الحرام کے مقابل میں تھا،اس طرح قریش دارالندوہ کے ذریعہ محترم ہوئے۔اس جگہ کو مجلس شیوخ بھی کہہ سکتے ہیں۔امور دین کی سرپرستی جب قصی نے سنبھالی تو انہوں نے حاجیوں کو کھانا کھلانا اور ان کیلئے پانی کی فراہمی کی بھی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ذمہ داری لینے کے بعد فرائض کی ادائیگی کیلئے بہت سے انتظامی اور اقتصادی مسائل کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ قصی نے یہ فیصلہ کیا کہ عرب ہر سال اس مد میں ایک مال' خراج کے طور پر اسے اداء کریں جسے قریش نے دل و جان سے قبول کیا اس طرح قصی کی سلطنت مکہ میں مستقل ہوئی اور اس کا دائرہ حکومت وسیع ہوا۔اطراف کے قبائل ان کے سامنے خاضع ہوئے حجابہ' سقایہ' رفادہ' اجتماعات کی ریاست دارالندوہ کی ریاست سب ان کے ہاتھ میں آ گئی۔یہ تمام واقعات پانچویں صدی میلادی میں انجام پائے۔قصی کے تین بیٹے تھے عبدالمناف،عبدالدار،

عبدالعزیٰ۔قصی نے اپنے وفات کے بعد اس منصب پر عبدمناف کو منتخب کیا۔

[تاریخ عرب قبل از اسلام ص ۲۷۷

عبد مناف بن قصی' وہ صاحب شوکت وسلطنت تھے قریش کی سلسلہ نسب انہی سے پھیلا ہے عبد مناف کی چار اولادیں تھیں عبد شمس' ہاشم' مطلب' نوفل' ریاست وزعامت مکہ اولاد قریش میں ہاشم اور عبدالشمس کو تھی باقی قبائل ان کے حلیف تھے مُطلب بنی ہاشم کے حلیف تھے نوفل عبدالشمس کے حلیف تھے۔ہاشم سے عبدالمطلب پیدا ہوئے حمزہ' عباس' ابوطالب' زبیر' مقوم' ضرار' حجل' حارث' عبدالعزاء' ابولہب پیدا ہوئے عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ پیغمبرؐ کے والد تھے لہٰذا ہاشم سے پھیلنے والوں کو ہاشمی کہتے ہیں ان میں عباسی' علوی' طالبین تینوں آتے ہیں۔انہیں آل بیت بھی کہتے ہیں۔

قبائل قریش:

کتاب مفروات من الحضارۃ الاسلامیہ تالیف محمد راجی حسن کناس ص ۳۵۵ میں آیا ہے سرزمین مکہ قبیلہ قریش جزیرۃ العرب کے شمال میں واقع ایک قبیلے کا نام ہے اس قبیلے کو یہ فخر واعزاز حاصل ہے کہ حضرت محمدؐ اس قبیلے سے ہیں۔یہ قبیلہ اطراف مکہ میں منتشر وپراکندہ تھا جسے قصی بن کلاب نے حضرت محمدؐ کی بعثت سے ایک سو سال پہلے جمع کیا اور انھیں مکہ میں بسایا ان کے درمیان نظم ونسق کو قائم کیا قصی نے صلاح ومشورہ کیلئے ایک جگہ دارالندوہ کے نام سے بنائی اشراف مکہ جنگ وسلم میں تجارت ودرآمد کے بارے میں یہاں مشورہ کرتے تھے۔اس وقت قبیلہ قریش دو حصوں میں منقسم تھا۔قریش فرزندان نضر بن کنانہ فہر بن مالک بن نضر کو کہتے ہیں انھیں قریش کہنے کی وجہ تسمیہ غیر واضح ہے گرچہ اس فن کے ماہرین نے اسکی تین توجہات پیش کیں ہیں:

۱۔قریش تصغیر قرش ہے' قرش اس بڑی مچھلی کو کہتے ہیں جو سمندر کے دیگر حیوانوں کو چیرتی ہے اور ان کا شکار کرتی ہے۔انھیں قریش اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ دریا کے ساحلوں پر زندگی گزارتے تھے عام طور پر قبائل عدنانیہ ساحل تہامہ میں رہائش کرتے تھے اہل مکہ بحر احمر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے سواحل سے قریب تھے سابق زمانہ میں عرب اپنے بچوں کے نام حیوانات خاص کر شکاری اور درندہ صفت حیوانات سے موسوم کرتے تھے یعنی اس میں دوسروں کیلئے چیلنج ہوتا تھا۔

۲۔قریش مشتق ہے لفظ تقرش سے' تقرش تجارت کو کہتے ہیں قریش تجارت کے حوالے سے معروف تھے۔

۳۔قریش کے معنی جمع ہونے کے ہیں' قبائل قریش نے مکہ کے اندر مستقر ہونے کے بعد ایک قسم کی تمدنی زندگی کی شکل اختیار کی جب کہ اس سے پہلے وہ بدوی زندگی گزار رہے تھے۔اس تفسیر کے تحت قریش کی برگشت قصی بن کلاب کی طرف ہوتی ہے جس نے قریش کے تمام قبائل کو جمع کیا تھا۔گرچہ اکثر وبیشتر کا کہنا ہے قریش کی برگشت نضر کو جاتی ہے۔اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۶ پر لکھتے ہیں قصی وہ شخص تھا جس نے قریش کو یکجا کیا ان کی شان کو بلند کیا۔قصی کے تین فرزند عبد مناف' عبد الدار' عبدالعزا تھے۔عبدالدار کو نضر بن حارث کہتے ہیں یہ وہ ہیں جو بدر میں اسیر ہوئے یہ شخص مسلمانوں کے خلاف تھا۔مسعب بن عمیر اسی خاندان سے تھے' عثمان بن طلحہ بن عبدالعزا جنھیں پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر کعبہ کی چابی دی تھی عبدالعزاء ان میں ابوبختری عاصم بن ہاشم ہے جو قیصر روم کی طرف سے قریش کا بادشاہ بنانا چاہتے تھے لیکن قریش نے انھیں قبول نہیں کیا۔

۱۔قریش بطاح:

قریش بطاح وہ ہیں جنہوں نے مکہ کے اندر سکونت اختیار کی یہ قبائل کعب بن لوئی سے پھیلے ہیں اس میں یہ ذیلی قبائل تھے بنو عبد مناف' بنو عبدالعزاء' بنو زھرہ' بنو تیم' بنو جمع' بنو صحم بن عمرو' بنو عدی بن کعب یہ قبائل کعبہ کے گرد سکونت رکھتے تھے۔

۲۔قریش ظواہر:

ان کی شان ومرتبت' مقام بطاحین سے کم تھی یہ لوگ قبائل بنی عامر بن لوئی سے تعلق رکھتے تھے۔ان میں اکثر وبیشتر مکہ کے اطراف میں اور دیگر دروں میں سکونت رکھتے تھے لیکن ان پر رقیم ناظر قبیلہ بطاح تھا۔یہ لوگ علاقہ کی اقتصادو اجتماع تجارت معاھدات دیگر ملکوں سے رکھنے اور اپنے مال کو مضاربہ میں کاروبار ربا' سود میں کرتے تھے ان کے اطراف میں رہنے والے اعراب مجتمع قریش کو رباء خوروں کے شکار چی بنے ہوئے تھے اور آئے دن قریش کی درآمدات میں اضافہ ہوتا تھا اور ان کے تسلط کو برتری ملتی تھی وہ لوگ کعبے کی خاطر ان کے سامنے خاضع ہوتے تھے اسی طرح میدان جنگ میں غلبہ قریش کو ہوتا تھا چنانچہ قریش نے کئی بار

دوسروں کو شکست دی اور اپنی ہیبت اور رعب ان پر مسلط کیا۔ یہ جنگیں حروب فجار کے نام سے معروف ہوئیں قریش نے مکہ کے اندر خود کو محفوظ رکھنے اور باہر سے آنے والوں کی جان و مال کے تحفظ کی خاطر عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اصول وضوابط طے کئے اور وہاں ایک معاہدے پر دستخط کئے جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے معروف ہوا ہے۔

ظافر القاسمی اپنی کتاب نظام والحکم فی شرائع وللتاریخ اسلامی ص ۱۴ پر لکھتے ہیں وجود کعبہ اور حجاج بیت اللہ کی وجہ سے مکہ کو مرکز رفت و آمد قبائل وعشائر کی یہاں آمد و رفت کو خطرات سے پاک شوق و رغبت سے لبریز بنانے کیلئے پورے قریش کی توجہ اس بارے میں مبذول ہوئی انہوں نے حجاج کی جان و مال، سفر کی صعوبتوں کو آسان بنانے کیلئے ایسے قانون بنائے جو ہر قبیلہ کی ذمہ داری کی وضاحت کرتے تھے:

۱۔سدانہ والحجارۃ یعنی خدمت کعبہ و بیوت اصنام یہ قبیلہ بن عبدالدار کو سونپا گیا۔

۲۔سقایہ والعمارۃ حجاج کیلئے غذا اور پانی کی فراہمی کی ذمہ داری عباس بن عبدالمطلب کو دی کہتے ہیں قریش نے پہلے ہی یہ منصب بنی ہاشم کو دیا ہوا تھا کیونکہ وہ صاحب مال و دولت تھے۔

۳۔رفادہ ایک قسم کی مالیت قریش جمع کر کے قصی کو دیتے تھے وہ حجاج کیلئے کھانا بناتے تھے یہ منصب بنی نوفل یا بنی منظور کے پاس تھا۔

۴۔العقاب وہ جھنڈا تھا جو جنگوں میں نکلتے وقت لیتے تھے یہ بنی امیہ کے پاس ہوتا تھا۔

۵۔قبۃ العنہ اسلحہ جنگ رکھنے کی ذمہ داری بنی مخزوم کے پاس ہوتی تھی۔

۶۔دارالندوۃ وہ جگہ جہاں صلاح و مشورہ ہوتے تھے۔

ا۔ بعثت سے قبل دیانت عالم:

نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے جزیرۃ العرب میں کس کی حکمرانی تھی کس قسم کی دیانت تھی اور فکر و سوچ عقل کی نوعیت کیا تھی ان چیزوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے کے دور کو جسے مؤرخین نے ایک سو پچاس سال کے قریب بتایا ہے اس وقت دنیا میں تین قسم کی دیانت نافذ تھی۔ مغرب میں دیانت نصاریٰ چھائی ہوئی تھی جو دین عیسیٰ کی حقیقت سے عاری اور خرافات، جہالت اور خود ساختہ تصور دینی کا مرکز تھی۔ ان کا مرکز روم اور اس کے آس پاس علاقوں میں مستعمرات پر ملوک طوائف تھے جو ان کے تابع تھے۔ نصاریٰ عرب کے علاقوں میں، عراق کے شہر حیرہ میں پھیلے ہوئے تھے جہاں نعمان بن منذر نے بت پرستی چھوڑ کر نصرانیت کو اپنایا۔ اس طرح قبائل عرب میں تغلب، خم، طنوز، بکر، طی، تمیم قبائل میں نصرانیت پھیلی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اس نے فلسطین سینا وغیرہ تک نفوذ حاصل کر لیا تھا۔ مشرق میں ایران تھا جہاں مجوسیت چھائی ہوئی تھی۔ جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔ جس کی برگشت 'زرداشت' کو جاتی ہے۔ زرداشت اہل فارس کا ایک فلسفی تھا جس نے ایک رمزی دین ایجاد کیا۔ اسکا کہنا تھا دنیا میں دو قوتیں چلتی ہیں جن میں ایک قوت خیر اور دوسری شر ہے۔ گزشت زمان کے بعد انہوں نے بہت سی جگہ آتش کدہ بنائے جو معابد نار کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہاں تک یہ عربوں میں بھی سرایت کر گئے۔ جیسے یہاں کے عزادار کرتے ہیں اور انہیں بعض عبا پوش علماء کی پشت پناہی بھی ہوتی ہے۔

جزیرۃ العرب میں بت پرستی چھائی ہوئی تھی یہاں انواع واقسام کی بت پرستی چلتی تھی پتھر درخت، غار، دریا، سورج، چاند و ستارے کی پرستش کرتے تھے ہر ایک نے اس کیلئے مختلف شکل و صورت بنائی ہوئی تھی ان میں سے بڑے بتوں کا ذکر سورہ نوح میں آیا ہے۔ ان کے نام ود اور سواع تھے۔ ود جس کی قبیلہ کلب خزاعہ دومۃ الجندل میں پرستش کرتے تھے یہ ایک انسان کی صورت میں تھا، تلوار اسکے سینہ پر آویزاں تھی۔ دوسرا سواع، جس کی قبیلہ ھذیل پرستش کرتے تھے یغوث کی قبیلہ مزحج پرستش کرتے تھے جبکہ یعوق کی قبیلہ ہمدان اور اہل صنعا حمیر نسر کی پرستش کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی عربوں کے خاص بت تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے ان میں سے ایک لات تھا جس کی اہل طائف پرستش کرتے تھے۔ منات جو سیاہ پتھر سے بنا ہوا تھا مکہ اور مدینہ کے درمیان، شہر قدید والے اس کی پرستش کرتے تھے۔ خاص کر اوس وخزرج غسان وخزاعہ والے اس کی پرستش کرتے تھے۔ عزا ایک کھجور کا درخت تھا جو مکہ کے مشرق میں واقع تھا یہ قریش کے پاس سب سے بڑا بت تھا۔ جس کیلئے وہ قربانیاں کرتے تھے۔ انھوں نے کعبہ کی طرح ایک عمارت بنائی

ہوئی تھی۔ان بتوں کا تذکرہ سورہ نجم ۱۹ اور ۲۰ میں آیا ہے۔جبل انسان کی صورت میں تھا اور سرخ عقیق سے بنا ہوا تھا جسے کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا جب یہ لوگ سفر و ازدواج کا ارادہ کرتے تو اس بت کے پاس آکر استخارہ کرتے تھے۔کہتے ہیں یہ وہی بت تھا جسے عمر بن لحی جب کعبہ کا کلید دار بنا تو اسے شام سے لاکر یہاں نصب کیا۔

اس کے علاوہ اساف ونائلہ،زم زم کے پاس یا صفا ومروہ میں نصب تھے۔ان بتوں کے علاوہ ہر گھر میں ہر قبیلہ،ہر شخص کے پاس ایک بت ہوتا تھا اس طرح سے دین ابراہیم جو بت شکن تھے ان کے دین کو پس پشت ڈالا گیا۔وہ سورہ ابراہیم کی آیت ۳ کے تحت ان کی پرستش کرتے تھے۔﴿ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُوْلَئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴾ "جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں"۔حوائج ومشکلات میں ناکامی کی وجہ سے عربوں میں بت پرستی سے اکتاہٹ اور سرد مہری پیدا ہوئی۔چنانچہ ایک شخص نے اپنی حاجت روانہ ہونے کی صورت میں کہا ہم سعد کے پاس آئے تاکہ ہمیں متحد کرے لیکن اس نے ہمیں الٹا پراگندہ کر دیا،شاہد اس لئے کہ یہ ایک پتھر ہے جو نہ گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے۔اسی طرح امراء القیس جب اپنے باپ کا انتقام لینے کیلئے یہاں استخارہ کرنے کیلئے آیا تو اس کے استخارے میں دو دفعہ نہی آیا تو اس نے بت سے خطاب کر کے کہا اگر تمہارا باپ مرتا تب بھی تم کیا ایسا ہی کرتے۔بت پرستی کی دوسری قسم ستاروں کی پرستش تھی جو بحرین کے شہروں اور شام میں چلتی تھی۔مکہ میں ایک شخص ابو کبشہ نامی تھا جو ستاروں کی پرستش کرتا تھا اس ستارے کا نام ثریا تھا اس نے قریش کو اس کی پرستش کی دعوت دی چنانچہ اس بت کی پرستش قبائل لخم،قیس خزاعہ کے درمیان پھیل گئی۔جب پیغمبرؐ مبعوث ہوئے اور آپؐ نے قریش کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی تو قریش نے پیغمبر کو ابو کبشہ کا لقب دیا۔یعنی انہوں نے بھی ان کے دین کی مخالفت کی جس طرح ابو کبشہ نے پہلے کیا تھا حیرہ کنانہ میں سورج وچاند کی پرستش ہوتی تھی۔قارئین اگر آپ اس دور کے مناظر شرک کو دیکھنا چاہتے ہیں تو بریلویوں کی عرس گاہوں اور شیعوں کی امام بارگاہوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں،یہ اور بات ہے انھیں اس بت پرستی کی اجازت انکے علماء نے دے رکھی ہے۔عرب اس دور میں جن چیزوں کی پرستش وتقدیس کیا کرتے تھے وہ پتھر درخت غار،چشمہ،سورج،چاند ستارے وغیرہ تھے۔لیکن جس چیز نے زیادہ فروغ پایا وہ بت پرستی تھی۔سب سے پہلے عرب میں بت پرستی کا رواج دینے والا عمر بن لحی خزاعی ہے جو مکہ میں ایک بت لایا تھا۔

﴿ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾ "پھر جب اس غم کے بعد تم پر امن وسکون نازل فرمایا تو تم میں سے ایک گروہ تو اونگھنے لگا،جبکہ دوسرے گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی،وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کر رہے تھے،کہہ رہے تھے کہ: کیا اس امر میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے: کہہ دیجئے: سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے،یہ لوگ جو بات اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں اسے آپ پر ظاہر نہیں کرتے،وہ کہتے ہیں: اگر (قیادت میں) ہمارا کچھ دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے،کہہ دیجئے: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کے مقدر میں قتل ہونا لکھا ہے وہ خود اپنے مقتل کی طرف نکل پڑتے اور یہ (جو کچھ ہوا وہ اس لیے تھا) کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ کر واضح کر دے اور اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔" (آلعمران ۱۵۴)

﴿ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾ "(یہی وجہ ہے کہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی" (فتح ۲۶)

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ﴾ "اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو" (احزاب ۳۳)

مشرکین نے ہمیشہ دین سے دو بدو جنگ لڑی ہے۔

طبیعت انسانی فطرت انسانی دین کی حامی ہے۔شرک انسان کی عقل وفطرت سے متصادم چیز ہے لہٰذا ہمیشہ مشرکین کو دین کے سامنے خاضع ہونا پڑا۔دین کے سامنے تسلیم ہونا پڑا چنانچہ روم کے بادشاہ نے دوبارہ مسیحیوں کو بلایا اور ان سے صلاح ومشورہ کیا اور ان سے اپنے اقتدار کی بحالی کیلئے عہد وپیمان لیا۔اور انھیں

ایک ایسے دین کی اجازت دی جوان کی بادشاہت سے متصادم نہ ہو۔اس طرح چنگیز اور تتاریوں تیموریوں نے مسلمانوں کی خلافت کی بساط کو اٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام کیا۔پھر وہ خود مسلمان ہو گئے تھے گر چہ بعض ان کی بصیرت اور ان کی ہدایت کو اسکی علت قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ وہ اپنے اقتدار کی خاطر مسلمان موحدین کے دین کے سامنے تسلیم ہوئے یعنی عقب نشین ہوئے کیونکہ ارباب اقتدار اور اقتدار کا نشہ لینے والوں کا کوئی دین نہیں ہوتا ان کا دین اقتدار ہی ہے۔

یہاں ہم مشرکین کی اہل ایمان کے خلاف خرافاتی جنگ کے بارے میں کچھ ذکر کریں گے۔خرافاتی جنگ یعنی شرک کو دین سے آمیزش کرنا تا کہ اہل دین کے سادہ لوح اسے قبول کریں اور انھیں پذیرائی ملے جیسا کہ امیر المومنین نے فرمایا کچھ ادھر سے اور کچھ ادھر سے ملا کر پیش کیا جاتا ہے۔یہ منافقین کا عمل ہے۔انہوں نے ایک طرف سے دین کو معمہ نا قابل فہم بنایا چنانچہ دین نصاریٰ کو انہوں نے ثالوث کے سانچے میں ڈھالا یعنی اب ابن روح قدس تینوں سے مرکب کو اللہ بنایا۔اس کے ساتھ ایک اور خرافات کا اس میں اضافہ کیا کہ ایمان بہ آخرت بے معنی غیر اہم ہے۔مسیحی نے پوری امت کے گناہوں کو بخشوانے کا اختیار کلیسا کو دیا ہے۔مہربان قائدوہ ہوتا ہے جوامت کیلئے فدا ہوتا ہے موجودہ دور میں اسکا بدل یہ ہے کہ مہربان قائد وہ ہے جوامت کو بارباراُلو بناتے ہیں۔انھوں نے نظریہ فدائے امت ایجاد کیا۔اس طرح سے انہوں نے دین نصاریٰ کو شرک وخرافات سے ممزوج بنایا۔انہوں نے اہل دین سے معاہدہ کیا کہ وہ اقتدار پر رہیں گے اور اہل دین اس دین فرسودہ دین خرافات مسیحی کو جہاں پھیلنا چاہیں پھیلائیں۔اور اس دین کو پھیلانے کیلئے وہ انکے معاون ومددگار رہیں چنانچہ جلد ہی حکومتوں کے تعاون سے دنیا میں مسیحیت کو پھیلایا گیا بقول بعض اعدادوشمار کے دنیا کی دوتہائی آبادی نصرانی ہوگئی ہے۔

یہی وجہ ہے اس وقت نصاریٰ کی حکومت برائے نام ویٹیکن سٹی تک محدود ہے۔دنیا میں نصاریٰ کی حکمرانی الحادوشرک کی بنیاد پر قائم ہے حکومت مشرکین و ملحدین کی ہے اور انھوں نے دین نصاریٰ کو این جی اوز کا شعبہ دیا ہے اور وہ اس پر خوش ہیں۔یہی صورتحال ہمارے دین اسلام کے ساتھ بھی روا رکھی گئی۔مشرکین نے نبی کریمؐ کے ساتھ جنگ لڑی۔آپ کے بعد خلفاء راشدین کے ساتھ برسرپیکار رہوئے۔جب اس جنگ میں وہ ہار گئے تو انہوں نے دوبدو جنگ میں وقفہ کرتے ہوئے خرافاتی جنگ کا آغاز کرتے ہوئے ہر ایک فرقے کو بنام وسیلہ یا تقدیس وتعظیم اولیاء کے نام سے بڑی چھوٹی ہستیاں دیں،یہ بت پرستی میں مشرکین کے ہم منطق ہیں انما نعبدھم لیغفرنا الی اللہ زلفیلیکن عرب کے بتوں کی تعداد کو پیچھے چھوڑ کر اپنی پیشرفت تمدن وترقی کو ہر چیز میں ثابت کرتے ہوئے ان کے بت بھی ہزاروں سے گزر گئے جبکہ مشرکین کے بت صرف ۳۶۵ تھے۔

جنگِ خرافاتی میں دینٔ دین کے قائدین سب کومسخ کیا۔جس قرآن کو محمدؐ لائے اسمیں ہر جگہ محمدؐ سے کہلوایا گیا کہ آپ کہہ دیں میں بشر ہوں لیکن ان کے مدح ومنقبت کرنے والے کہتے ہیں آپ بشر نہیں ہیں۔قرآن فرماتا ہے اللہ جسم وجسمانیات،نقل وحرکت مکانیات،تغیرات سے پاک ذات ہے۔انہوں نے کہا اللہ نے ان ذوات میں حلول کیا ہے اور یہ زمین پر لوگوں کی حوائج کی خاطر چلتے پھرتے اللہ ہیں۔

انہوں نے کہا ہمارے امام ہمارے گناہوں کے فدیہ میں قتل ہوئے ہیں۔انھوں نے بھی طے کیا کہ حکومت مشرکین چلائیں گے اور علماءمدارس تنظیم مساجد کو چلائیں گے لہٰذا بغیر کسی شرم وحیاء کے علماء کہتے ہیں ہمارے لئے سیکولر نظام اچھا ہے جس طرح سابق زمانے میں ساتویں صدی میں علماء نے تتاری حکومت کا ساتھ دینے کا معاہدہ کیا تھا کہ ہمیں درس و دروس دینے دو اور حکومت آپ کرو۔آج بھٹو اسماعیلی قادیانی حکمرانوں سے کہتے ہیں ہمیں سر وسینہ پیٹنے اور گھوڑے،جھنڈے نکالنے دو اور حکومت تم کرو۔

حنفیہ:

اسی دور میں ایک گروہ بت پرستی سے تنگ آیا اور دوبارہ دین ابراہیمؑ کو زندہ کرنے کیلئے سرگرم ہوا۔کیونکہ بعض عقلاء عرب کو بت پرستی ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔انھوں نے دیکھا عرب روبہ تنزلی کی طرف جارہے ہیں اور خرافات پرستی میں گھر چکے ہیں۔چنانچہ انھوں نے اصلاح کی تلاش کیلئے گفت وشنید کی اور فیصلہ کیا کہ دین ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔یہ فکر بہت سے قبائل میں پھیل گئی۔اس تحریک میں سرفہرست ورقہ بن نوفل تھا جس نے تورات وانجیل پڑھی تھی لیکن وہ توارت اور انجیل کو چھوڑ کر ابراہیمؑ کے دین کی طرف مائل ہوئے۔

وہ مکہ میں سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے ان کے ساتھ فامیلہ بن نوفل ان کی ہمشیرہ تھی انہوں نے ظہور پیغمبرؐ کی خبر دی ان کے ساتھ عثمان بن حویرث نکلے لیکن ان پر نصرانیت غالب آ گئی کیونکہ وہ شام گئے اور قیصر سے ملے ۔دوسرا زید بن عمر بن نفیل جو عمر بن خطاب کے چچا تھے انہوں نے نصرانیت اور یہودیت کا مطالعہ کیا اور واپس ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر آئے اور کہا اے اللہ میں دین ابراہیمؑ پر ہوں ۔امیہ بن ابی صلت جو طائف میں تھا اس نے کتب تورات و انجیل کو پڑھا اور شراب چھوڑی بت پرستی سے پرہیز کی لیکن ساتھ ہی خود نبی بننے کی خواہش کی ۔جب پیغمبرؐ مبعوث ہوئے تو حسد سے اس نے پیغمبر ﷺ کو تسلیم نہ کیا۔

۲۔نوع علم وعقلانیت:

نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے دور کو اکثر و بیشتر نے دور جہالت سے موسوم کیا ہے اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: عصر جاہلی سے مراد عصر ماقبل اعلان رسالت حضرت محمدؐ مراد ہے ۔جہالت کیلئے راغب نے چار مصادیق بیان کئے ہیں:

۱۔جہل سادہ یعنی علم و آگاہی سے خالی دور۔

۲۔جاہلیت یعنی خلاف واقعیت اعتقاد قائم کرنا۔

۳۔خلاف عقل و منطق سلوک اپنایا۔

۴۔وہ فعل ہے جو اس کی شان کے منافی ہو جیسے کسی کا مذاق کرنا جہالت گردانا جاتا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ ''اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: خدا تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ بولے: کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا پناہ بخدا میں (تمہارا مذاق اڑا کر) جاہل میں شامل ہو جاؤں؟'' (بقرہ ۶۷)

﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ ''ناواقف لوگ ان کی حیا و عفت کی بنا پر انہیں مالدار خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کے قیافے سے تم ان (کی حاجت مندی) کو پہچان سکتے ہو، وہ تکرار کے ساتھ نہیں مانگتے ۔'' (بقرہ ۲۷۳)

﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو'' (حجرات ۶)

قرآن کریم میں جہل ضد علم بہت سی جگہ استعمال ہوا ہے ۔متکلمین نے جہل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جہل بسیط یعنی ہر وہ چیز جو وہ نہ جانتا ہو یہ علم کے خلاف ہے، اس کے مترادف میں سہو، غفلت، نسیان آتی ہے لیکن اس کی اتنی مذمت نہیں کیونکہ یہ انسان کے مراحل طبیعی اور غیر اختیاری عمل میں سے ہے اس کے علاوہ انسان جہاں کہیں بھی اور کتنے اونچے درجہ علم پر فائز کیوں نہ ہو وہ بہت سے حقائق سے ناآشنا جاہل رہتا ہے جیسے اطباء احکم شرعیہ سے، فقہا علم معماری سے سیاست دان علم وکالت سے لہٰذا یہ قابل مذمت نہیں ہے ۔جس جہل کی مذمت کی گئی ہے وہ جہل مرکب ہے یعنی وہ نہیں جانتے اور خود کو عالم جاننے والا پیش کرتے ہیں یا ضد عقل اپنائے ہوئے ہیں۔

کہتے ہیں نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے اہل حجاز یا اہل مکہ جاہل تھے لیکن صورت حال یا تناظر میں اہل حجاز یا مکہ والوں کو جاہل کہنے کی منطق عقل و منطق سے نہیں ملتی کیونکہ اس وقت اور بھی دنیا اس دور سے گزر رہی تھی کیونکہ اس وقت یورپ، ہندوستان، چین والے سب پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے ۔خود ایران میں سب پڑھے لکھے نہیں تھے لہٰذا دیکھنا ہوگا انھیں کیوں اور کس لئے جاہلیت سے موسوم کرتے ہیں ہم نے انھیں جاہل نہیں کہا بلکہ قرآن کریم میں بھی انھیں جاہلیت والا کہا ہے ۔قرآن نے ان کے بارے میں امّی اور جاہلیت کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی وہ لکھ سکتے ہیں نہ لکھا ہوا پڑھ سکتے ہیں ۔امّی سے مراد قرات، کتابت، حساب نہ جاننے والا ہے ۔کہتے ہیں عرب قبل از ظہور اسلام بدو، جاہل، ان پڑھ تھے لیکن کسی ماضی بعید میں گزرنے والی قوم و ملت کے بارے میں کہ وہ جاہل و نادان محض سب بدو تھے یا ان میں بھی پڑھے اور عاقل دانا انسان بھی تھے اس کا اندازہ کیسے اور کہاں سے ہوگا ۔اس سوال کا جواب ہمیں استاد احمد امین اپنی کتاب فجر السلام ص ۵۹ پر دیتے

ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کسی قوم کی عقلمندی اور دانشمندی اس کی رائج ثقافت سے معلوم ہوتی ہے جس میں وہ گفتگو کرتے ہیں، خطاب شعر گوئی کرتے ہیں اور اپنی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ محققین علماء لغت کا کہنا ہے اہل عرب کی اس وقت فصاحت صرف مسموعاتی نہیں تھی بلکہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ قیاسی اور عقلی ہے ۔

ان علماء کا کہنا ہے ہر دور میں انسان اپنی ضروریات کے تحت لغت سمعیات سے قیاس کر کے لغت بناتے ہیں چنانچہ لغت کو سمعیات خالص سے نجات دے کر عقلیات میں داخل کرنے کا زیادہ سہرا ابوعلی فارسی' ابن ابوالفتح اور ابن جنی کے سر ہے ۔ زمانہ بعثت پیغمبرؐ میں جزیرۃ العرب میں سب سے اعلیٰ و ارفع فصاحت و بلاغت و بیان میں لغت قریش کو گردانا جاتا ہے ۔ لغت قریش کا اپنی فصاحت و بلاغت میں اپنی انتہا اوج و کمال بلندی کو پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب کو لغت قریش میں نازل فرمایا اور اس سے بخوبی نتیجہ اخذ کر سکتے ہے کہ ثقافت قریش انتہائی عقلیت کے درجے پر فائز تھی لہٰذا یہ کہنا کہ وہ بدو اور انجان تھے درست نہیں ہے ۔

بہرحال یہ مسئلہ مزید تحقیق و تتبع کا محتاج ہے، کلمہ "جاہلیت" جن آیات اور احادیث میں آیا ہے ان کا دقت سے مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ کلمہ جاہل مادہ "جہل" سے ہے یعنی ضدِ علم ہے دوسرا معنی ضد حلِم و بمعنی عقل ہے یعنی سفیہ اور دیوانہ ہے ۔ مدعیان علم و دانش تحقیق و تدقیق والوں کو علم مقابل جہل' اور جہل مقابل عقل' عقل بمعنی جہل میں فرق رکھنا ہوگا ورنہ وہ حقائق و واقعات کے پہاڑوں سے ٹکرائیں گے ۔ دنیا میں ایسے جنگجو سیاست مدار سلاطین نکلے ہیں جو جاہل یعنی پڑھ لکھ نہیں سکتے تھے جیسے اکبر بادشاہ' ٹیپو سلطان کا باپ سلطان حیدر علی' شاہ عباس صفوی' معتصم عباسی وغیرہ لیکن وہ اپنے دور کے عقلاء میں شمار ہوتے تھے ۔ جبکہ اس دور کے نابغہ فلسفی میر داماد اور مبتکر نظریہ جوہریہ فلسفہ صدر الدین شیرازی شاہ عباس صفوی کے مشاور تھے ۔

اگر کسی انسان کے پاس یہ تمیز نہیں تو وہ کتنا ہی خود کو دانشور علامہ الدھر اور آج کل کے اصطلاحات کے مطابق اسکالر کہے وہ جہالت بمعنی ضد عقل جاہل ہونگے ۔ دنیا میں دین اسلام اور مشرکین کے درمیان فرق یہی ہے مشرکین ملحدین کتنا ہی علوم دنیا کے استاد کیوں نہ ہوں وہ مندر' بت خانہ' گرجے میں جا کر انتہائی خاضعانہ' خاشعانہ' متذلانہ اپنے سے کئی درجات پست مخلوق "لا یسمع و لا یبصر ولا یملک نفع و ضرر" کے سامنے اپنے عرائض کو پیش کرتے ہیں ۔ لاکھوں انسانوں کی قیادت کے باوجود گھوڑے کو پکڑ کر ناظرین کو سمجھاتے ہیں کہ میں اس کا غلام ہوں ۔ اسی طرح کوئی دعویٰ اجتھاد کے بعد بلند جھنڈا اٹھا کر کہتا ہے، ہم اس جھنڈے سے بہت کچھ لے سکتے ہیں، کوئی خالی تابوت اٹھاتے ہیں یہ سب مظاہر نفس پرستی خود اپنی ذات کے سامنے خاضع ہیں ۔ جبکہ انسانوں سے ندائے قرآنی یہ ہے کہ ان احمقانہ حرکات کو چھوڑیں ۔

جاہلیت مادہ جہل سے مصدر جعلی ہے ۔ کلمہ جاہلیت قرآن سے پہلے عرب میں معروف و مستعمل نہیں تھا قرآن میں یہ کلمہ اس دور کیلئے استعمال ہوا جو پیغمبرؐ کی بعثت کے دور سے پہلے کا زمانہ ہے یہ کلمہ مصدر صناعی ہے، یہ وہی اسم ہے جس سے یائے نسبی ملحق ہوتی ہے اور اس کے بعد ایک تاء بھی جوڑی جاتی ہے تاکہ اس میں موجود صفت پر دلالت کرے یہ جامد اسماء میں ملے گا جیسے الجریۃ ،الانسانیہ، الکلمیۃ اور اسماء مشتق میں بھی ملے گا جیسے عالمیہ ،مصدریۃ ، جاہلیۃ یہ وہ صفت ہے جو دائمی منسوب ہے عالمیہ عالم سے، جاہلیہ جاہل سے لیکن لفظ جاہلیت کسی دائمی صفت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کبھی صفت پر کبھی زمانہ پر دلالت کرتا ہے یہ کلمہ قرآن میں دو معنی کا حامل ہے جیسا کہ سورہ احزاب ۳۳: ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ جس کے معنی ہیں تم میں سے جو جاہلیت میں باہر نکلتی تھی یا جاہلیت کی حالت میں نکلی تھی ۔

چنانچہ شیخ احمد رضا نے کہا ہے عربوں کو جاہلی اس لئے کہا ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے ۔ گویا اسلام آنے سے پہلے کا دور عصر ضلالت تھا اسلام آنے کے بعد کے دور دور رشادت ہدایات ہے، کلمہ جہل جاہلیت یہاں ضد علم سے مشتق نہیں بلکہ ضد عقل سے ماخوذ ہے چنانچہ استاد احمد امین نے کہا ہے یہاں جہل سے مراد غیرت' حمیت' مفاخرات آباء و اجداد مراد ہے یعنی جن صفات و خصوصیات سے عرب متصف تھے وہ ان کی عادت تقالید اسلام سے تصادم ہے ۔ عرب آباء و اجداد سے فخر و مباہات، تکبر کے مرتکب تھے' چنانچہ ان آیات میں انھیں جاہلیت اولیٰ میں حمیت جاہلیہ' میں حکم جاہلیت سے انتساب کیا ہے ۔ ان کی عورتیں اپنی تزئین و آرائش نامحرموں پر ظاہر کرتی تھیں ۔

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ "اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو" (احزاب ۳۳)

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''(یہی وجہ ہے کہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی'' (فتح ۲۶)
﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ''(اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے'' (مائدہ ۵۰)

نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے عرب طبیعت و مزاج میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ ہر وقت غصہ میں رہتے۔ ہمیشہ قبائل میں جنگ وجدال تخریب اور فساد جاری رہتا۔ کیونکہ عرب کے دل و دماغ میں نفرت، غیرت، عصبیت فخر و مباہات جیسی چیزیں راسخ تھیں، جس چیز سے عرب اپنا دفاع کرتے تھے۔ جس ہتھیار سے وہ جنگیں لڑتے تھے وہ فخر و مباہات، غیرت اور عصبیت تھی ان میں نہ حکومت تھی نہ قانون۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر حملے پر اکسانے کیلئے سبب ہونا چاہئے تھا اور وہ سبب نفرت' فخر و مباہات' عصبیت تھی جہالت' خفت و ذلت' سفاہت و حماقت یہ چیزیں انسان کو جلدی حماقت پر اٹھاتیں ہیں چنانچہ کوئی بھی قبیلہ جونہی استغاثہ کی کوئی فریاد سنتا تھا فوراً بغیر سوچے سمجھے ان کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا چنانچہ ان کے وصف میں شاعر نے کہا ہے ''جب مصیبت میں اپنے بھائی کو پکارتے ہیں تو نہیں پوچھتے تھے تمہیں (بھائی) کیا ہوا ہے'' یعنی بھائی چاہے ظالم ہو یا مظلوم اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان کیلئے اپنا ہم قبیلہ بھائی ہونا کافی اور سب سے ضروری تھا لیکن ان کا یہ سلوک اور رویہ اسلامی فکر کے خلاف تھا جب اسلام آیا تو اس نے رائج فکر و سوچ کے مقابل میں نئی فکر پیش کی یعنی نسل و نسبت سے ہٹ کر سنجیدگی' غور و فکر' تواضع' فروتنی' عمل صالح اور غیر مسلح راہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے اور یہ تمام فکر اسلام کی بنیاد پر ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ مومنین کی صفات میں فرماتا ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ ''اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے'' (فرقان ۶۳)

طبریؒ نے کہا: اس کے معنی ہیں بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر حلم کے ساتھ چلتے ہیں اور اپنے ساتھ جاہلانہ سلوک کرنے والے کے ساتھ جاہلانہ سلوک نہیں کرتے۔ اسلام نے جہل کی مذمت کی ہے کہ وہ غیر قابل ستائش حد تک پہنچ چکی تھی اور حق قبول کرنے میں مانع تھا۔

دور رسالت:

مؤرخین نے تاریخ اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ تاریخ اسلام کا پہلا دور وہ دور ہے جس میں نبی کریمؐ خود امت کی تمام میدانوں میں قیادت فرمارہے تھے۔ یہ ۲۳ سال کا دورانیہ ہے اس میں نبی کریمؐ خود بہ نفس نفیس مسلمانوں کی قیادت کررہے تھے اور تمام خطرات اور درپیش مسائل کا رسول اللہ خود مقابلہ کر رہے تھے' خود یہ دور دو ادوار پر محیط ہے یعنی دور مکی اور دور مدنی۔ اس حوالے سے شکر رب جلیل ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اسے صفحہ قرطاس پر لائیں۔ شاید بعض احباب کی نظروں سے یہ کاوش ''کتاب انبیاء قرآن حضرت محمدؐ'' گذری ہو جس میں پیغمبرﷺ کے ۲۳ سالہ دور کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا دور پیغمبرؐ کی وفات کے بعد کا دور ہے جو چند ادوار میں تقسیم ہوتا ہے۔

پہلا دور:

گیارہویں صدی کے آغاز سے ۳۰ سال پر محیط ہے۔ اس دور کو دور خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ یہ دور ۴۱ ہجری کو اپنے اختتام کو پہنچا۔ خلافت راشدہ امام حسن کی معاویہ کے ساتھ صلح کے بعد ختم ہوئی جسے ہم نے دور رشادہ کا نام دیا ہے جو اس کتاب میں نذر قارئین کرام ہے۔ یہ دور حفاظت و صیانت، قیادت، امانت و خیانت امت کا دور ہے۔ اس کا آغاز دور خلفائے راشدین سے ہوا ہے۔ اور یہ دور خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علی کی شہادت پر اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ وہ دور ہے جہاں دعوت اسلامی کی باگ ڈور' اجرائے نفاذ' حفاظت' تفسیر و تشریح اور توسیع سب آپ کے برجستہ و معتمد اصحاب کے ہاتھوں میں تھی یہ دور ۱۰ ہجری سے لے کر ۴۰ ہجری تک یعنی ۳۰ سال تک چلا ہے۔ تاریخ اسلام میں نبی کریمؐ کے دور سے لے کر آج تک یہ ۳۰ سالہ دور بہترین اور مثالی دور ہے۔ اگر آپ کو بگڑی ہوئی ویرانی دبی ہوئی تاریخ اسلام کی تاریخ سازی کرنی ہے تو آپ کو محمدؐ اور خلفاء راشدین کی تاریخ سے سبق لینا ہوگا۔ اگر آپ نے فاسد تاریخ سے دوری اختیار کرنی ہے تو تاریخ ضالہ کے ادوار یعنی امیہ، بنی عباس، فاطمی، صفوی، تاتاری اور دور الحاد جس میں برطانیہ، امریکہ اور مغربی بلاک، سیکولرزم کے کرداروں سے گریز کرنا چاہیے۔

دوسرا دور:

امام حسن کی معاویہ کے ساتھ صلح کے بعد کا دور ہے اس دور میں بنی امیہ فاطمین عباسین آخر تک کا دور ہے اسے ہم نے دور ضالہ کا نام دیا ہے۔ یہ دور تاریخ اسلام میں ملوکیت کا دور ہے۔

یہ ایک تجزیہ ہے لیکن اس دور میں بھی حکمران خود کو بادشاہ نہیں بلکہ خلیفہ اور امیر المومنین کہلواتے تھے۔ یہ دور ۴۰ ہجری سے شروع ہوا ۶۵۶ ہجری تک رہا۔ اس دور میں خلیفہ پورے عالم اسلام پر حکمران رہے چاہے بنی امیہ ہو یا بنی عباس' فاطمیہ' اس دور میں خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس اور فاطمیہ سب کے رہن سہن' بود وباش خلفائے راشدین سے بہت دور اور ملوکیت قیصر وکسریٰ سے زیادہ شباہت رکھتے تھے۔ گرچہ کچھ شریف اور دیانتدار افراد بھی نکلے ہیں لیکن ان میں اکثر و بیشتر فاسق و فاجر تھے لیکن عوام ان خلفاء کا احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے خاضع رہتے تھے۔

تیسرا دور:

ظاہر و باطن دونوں میں ملوکیت کا یہ دور ۳۰۰ سال ہجری سے آل بویہ سے شروع ہوا۔ اس دور میں ملوک ہر چیز کے مالک تھے اور خلیفہ برائے نام تھا لہٰذا بہت سی جگہوں پر ملوک حاکم تھے لیکن مسلمانوں کے نزدیک خلفاء کی تکریم کے باعث وہ محدود مال خلیفہ کو دیتے اور خود کو خلیفہ کہلوانے سے گریز کرتے تھے۔ جب ۶۵۶ کو خلافت اسلامی کی بساط لپیٹ دی گئی تو یہاں سے تاریخ اسلام کا صفحہ بند ہو گیا۔ زمین کے گوشہ و کنار میں کفر کی حکومت کا اعلان ہوا اور تاتاریوں یعنی چنگیزیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

تاریخ شناسی، تاریخ سازی اور تاریخ گریزی:

دراسہ تاریخ اسلام کے حدود وابعاد کے بعد ہم اسلامی تاریخ شناسی کے مصادر اور تاریخ سازی کے عناصر اور رفاسد تاریخ سے گریزی کے تدابیر بیان کریں گے۔ آئیں دیکھتے ہیں اسلامی تاریخ کے مصادر کیا ہیں۔ اگر ہم تاریخ اسلام کو جاننا چاہیں یا لکھنا اور سمجھنا چاہیں تو ہمیں کن مصادر کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہاں ہم پہلے معاشرہ انسانی کے عناصر اجتماعی کے بارے میں کچھ بیان کریں گے۔

عناصر اجتماع:

اس سلسلے میں شہید صدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں معاشرہ انسانی دنیا والوں کے نزدیک تین عناصر سے مرکب پاتا ہے ایک انسان دوسرا طبیعت تیسرا انسان کا اپنے ہم نوع انسان سے تعلق ہے لیکن اہل ادیان خاص کر موحدین کے نزدیک یہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔ یہاں انسان کا تعلق دو قسم کا ہے ایک انسان کا تعلق طبیعت سے ہے یہ تعلق ایک متبادل کی حیثیت رکھتا ہے جتنا انسان کا طبیعت سے علم و آگاہی' شناسائی تعاقل کم رہے گا' اتنا وہ معاشرہ پسماندگی' فقر و بدبختی میں رہے گا اور جتنی اس کی آشنائی و آگاہی اور تعامل بہتر رہے گا اتنی ہی طبیعت کی سخاوت اور جود و کرم وعنایت بڑھتی جائے گی۔ اسی تناسب سے اس کی ترقی و تمدن اور خوشحالی میں اضافہ ہوتا جائے گا کثیر آیات کے تحت یہ طبیعت ظاہری طور پر زمین' پہاڑ' دریا یا سمندر نظر آتی ہے حقیقت میں وہ اللہ کا خزانہ ہے جتنا بندے کے پاس اس سے آشنائی، التماس، دوستی، تعلقات اور سوال کرنے کی صلاحیت واہلیت بڑھتی جائے گی اسی تناسب سے اس میں اضافہ ہوگا۔ ﴿ وَلِلَّـهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَـٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴾ ''یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تا کہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں۔'' (منافقون ۷) ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾ ''کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں'' (حجر ۲۱)

اس کے پاس بخل نامی کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ اللہ سبحانہ نے سورہ ابراہیم آیت ۳۴ میں فرمایا ﴿ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴾ ''جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔'' یہاں فرمایا جو کچھ سوال کرینگے دیں گے یاد رہے یہاں سائل مومن ملحد و کافر منافق سب یکساں ہیں، جو طبیعت پر لگے قفل

کو کھولتا ہے اس مقدار میں وہ استفادہ حاصل کرے گا۔ ادب سے سوال کرنے والا ہو یا بغیر ادب، وضو کر کے سوال کرے یا تیمم یا بغیر وضو سے کرے، صلوات و بسم اللہ سے کرے یا بغیر صلوٰۃ و درود سے اسکی تخصیص نہیں بشرطیکہ آپ طبیعت کی لغت جانتے ہوں۔

اسی طرح انسان کا تعلق اپنے ہم نوع وہ استفادہ حاصل کرے گا، وہم جنس انسان سے ہے یہ تعلق بہت مشکل' متضاد' متناقص اور پہاڑ سے متصادم ہے اس تناقض اور جدل میں تناقض قوی اور ضعیف ہے یعنی یہاں ایک انتہائی قدرتمند اور مال و دولت کا مالک ہے جبکہ دوسرا ہر قسم کے امکانات سے خالی محروم ہے۔ یہاں تعلقات آجر و مستاجر کے ہیں یہاں قوی آئے دن قوی سے قوی تر ہوتا ہے اور ضعیف ہر دن ضعیف سے ضعیف تر ہو جاتا ہے۔ اسی تناقض اور جدل کے حل نہ ہونے کی وجہ سے اقوام و ملل کو زوال و سقوط و بدبختی کا سامنا ہوا ہے۔ ضعفاء اور محرومین کی طرف سے کوئی صدا اور آواز اٹھانے والا نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ یہ نظام ملکی فرعونی واستبدادی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں سے قوموں کی زوال و بدبختی شروع ہوتی ہے۔ بعض اس زوال کو روکنے کیلئے کسی بڑے ظالم سے چارہ جوئی کرتے ہیں، انہیں ضعیفوں اور مزدوروں کا ترجمان بننا پڑتا ہے، یہاں قبلہ ذکی باقری صاحب کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے جو یہاں ایک طویل عرصے سے مغرب کی ہر قسم کی خرافات کو امام حسینؑ کے نام سے پھیلا رہے ہیں اور لوگوں کو مغرب کا دلدادہ بنا رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ یہاں مسلمان ہیں اسلام نہیں جبکہ مغرب میں جہاں ہم رہتے ہیں وہاں اسلام ہے مسلمان نہیں۔ یہ جملہ سامعین کو تو پسند آیا ہوگا لیکن یہ جملہ اللہ او راسلام پسندوں اور اسلام سے عشق برتنے والوں کیلئے کڑوا تھا اور ان کے حلق سے نہ اترنے والا تھا۔ چنانچہ اسلام پسندوں کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے انھیں ایک غیر اسلامی و غیر عقلی فارمولہ مارکسی کو اسلام اور حسینیت کے نام سے پیش کرنا پڑا جہاں انھوں نے عشرہ محرم خراسان میں قائم مجلس سے خطاب کرتے ہوئے سرمایہ داروں سے کہا آپ کے پاس جو ملازم اور مزدور ہیں، ان کے تمام اہل خانہ اور بچوں کی ضروریات اس مالک کارخانہ کے ذمہ عائد ہوتی ہیں انہوں نے یہ کس فقہی اصول کے تحت کہا تھا یہ ان سے پوچھیں لیکن ان کی اس گفتگو سے ہمیں اس مجلس کی یاد آئی جہاں واعظ درباری نے شاہ ایران سے خطاب کر کے کہا تھا اعلیٰ حضرت آپ کی خواتین جس طرح ننگے سر مجلس میں آتی ہیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ایسی باتیں ہمیشہ درباری ملا عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کرتے ہیں۔

شہید صدر علیہ الرحمہ عناصر اجتماع میں انسان کا علاقہ طبیعت کے ساتھ اور انسان کا علاقہ اپنے ہم نوع انسان کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ دونوں تعلقات اپنی جگہ استقلال نسبی رکھتے ہیں یہاں یہ دونوں علاقے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں یعنی انسان کی طبیعت کے ساتھ تعلقات وسیع و عریض قائم ہونے کے بعد یہ علاقہ اپنی جگہ استحصال واستعمار کرتا ہے چنانچہ سورہ مبارکہ علق آیت ۶۔۷ ﴿ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ﴾ میں آیا ہے جونہی انسان کے اندر استغناء بے نیازی شروع ہو جاتی ہے وہ طاغی ہو جاتا ہے اس طغیانی کے نتیجے میں اس کا تعلق دوسرے انسان کے ساتھ گرتا جاتا ہے وہاں سے استحصال' استعماریت، استبدادیت، آمریت اور فرعونیت جنم لیتی ہے انسان کا تعلق اپنے ہم نوع انسان سے جتنا بہتر ہوگا اتنا ہی وہ ہر قسم کے ظلم و استحصال سے دور اور عدالت سے نزدیک ہوگا۔

اسی تناسب سے انسان کا تعلق اگر بہتر ہوگا تو طبیعت اپنے دروازے کھول دے گی اور اپنے اندر مخفی و پوشیدہ غنائم و ثروت انسان کو عطا کرے گی اور آسمان سے برکتیں نازل ہونگی، زمین کے خزانے کھل جائیں گے اور چشمے ابل پڑیں گے۔

چنانچہ ان آیات میں آیا ہے۔

﴿وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا﴾ اگر راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے'' (جن ۱۶)

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ﴾ ''کاش انہوں نے توارات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو اِن کے رب کی طرف سے اِن کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو اِن کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا (مائدہ ۶۶)

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے'' (اعراف ۹۶)

قانون جاریہ اپنی جگہ دو قسم کے ہیں۔ ایک قانون طبعیت سے متعلق ہے۔ امور طبیعی سے متعلق قوانین کی مثال جریان شمس و قمر ہے کہ یہ مسلسل اور بغیر وقفے کے جاری ہے۔ ﴿لاَ الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلاَ اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ "نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" (یٰسین ۴۰) اور دوسری لیل و نہار کی گردش ہے جو شمس کی گردش سے پیدا ہوتی ہے قانون جاریہ کا دوسرا حصہ شریعت سے متصل ہے۔ شریعت سے مراد اللہ کی اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید ہے۔ یہاں ثابت دائم نا قابل تبدیل ہے' یہ عام ہے اور سب کے لیے مقید نہیں، اللہ اپنی راہ میں قیام کرنے والے اور دین کو اٹھانے والوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ اللہ اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے اور دوستوں کی مدد کرتا ہے یہ اللہ کا قانون نا قابل تنسیخ اور نا قابل تبدیل ہے جیسا کہ یہ دونوں اللہ کے نزدیک ایک جیسے نہیں ہیں۔ ﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾ "کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو" (قلم ۳۵) میں آیا ہے اور یہیں سے کہتے ہیں کہ قصص انبیاء میں عبرت ہے یعنی یہ قانون اطراد ہے استثناء بردار نہیں ہے۔ بعض اولیاء کو بغیر مدد چھوڑ دیں، بعض دشمنوں کو ایسے ہی چھوڑ دیں۔ اس قانون سے آگاہی تاریخ پر غور و غوض کرنے پر منحصر ہے۔ جب تاریخ میں ان کے اخبار کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کیسے ترقی کی؟ کیسے تمدن کیا اور وہ کیسے زوال وفناء کا شکار ہوئے۔ ان صفحات پر غور و خوض کرنے سے ہم بہت سے حقائق سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ لہٰذا کتب تاریخ کا مطالعہ فہم و ادراک پر مبنی ہونا چاہیے۔

تفسیر اجتمائی میں مداخلت ربانی: کائنات میں کسی بھی چیز میں تغیر و تبدیلی ممکن نہیں جس میں اللہ کا دخل نہ ہو تغیرات اجتماعی میں اللہ دو قسم کی مداخلت کرتا ہے ایک مداخلت مستقیم جہاں اللہ مسیر تاریخ کو روکتا ہے، تاریخ گردش دینے والوں کو معطل کرتا ہے جیسے عقوبات نازلہ بر اقوام گزشتہ عاد و ثمود و لوط و ہود وغیرہ لہذا قرآن میں ملاحظہ کریں۔ دوسرا تائید و نصرت مجاہدین فی سبیل اللہ کیلئے مداخلت کرتا ہے یہ مداخلت درحقیقت طاقت کثیر کے مقابل میں قلیل کا غلبہ پاتا ہے۔

یہ مبہم و مجمل متشابہ ہے مثلاً جنگ بدر میں افرادی طاقت مشرکین کے ساتھ تھی جو ایک ہزار افراد پر مشتمل تھے جبکہ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جو ایک تہائی سے کم تھی لیکن غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہوا جنگ موتہ میں مسلمان لشکر گرچہ بدر کی بنسبت کہیں زیادہ تھا لیکن انہیں شکست ہوئی جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اس طرح حنین میں بھی چنانچہ مسلمانوں نے اندازہ لگایا کہ اس جنگ میں فتح ہماری ہوگی لیکن دونوں جگہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ لہذا اس کی تفسیر کرنی ہوگی کہ بدر میں مسلمانوں کی طاقت کونسی تھی جس کی بنیاد پر وہ فاتح بنے اور احد میں قدرت مند لشکر کے ہوتے ہوئے شکست ہوئی اسی طرح موتہ میں مسلمانوں میں کیا ضعف اور دشمن کے پاس کونسی طاقت تھی۔

یہ تغیر و تبدیلی اپنی جگہ دو نسبت رکھتی ہے:

۱۔ ایک نسبت اللہ کی طرف سے ہے یہ تغیر و تبدل اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے یہ ایک سبب ہے۔

۲۔ کسی بشر کے توسط سے ہو رہی ہے بطور مثال بنی اسرائیل ایک زمانے میں مصر میں ذلیل و خوار تھے حکمرانی و اقتدار قبطیوں اور فرعون کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن یہ اقتدار فرعون اور قوم فرعون سے اس وقت چھینا گیا جب موسیٰ اور ان پر ایمان لانے والے بنی اسرائیل حرکت میں آئے۔

۳۔ ایک دن صنادید قریش نے غیض و غضب میں آ کر محمدؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کو مکہ بدر کیا۔ یہاں قریش غالب آئے۔ محمدؐ اور ان کے لشکر کو ایک قسم کی شکست ہوئی۔

۴۔ احد کے میدان میں مشرکین کے مقابلے میں محمدؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو شکست ہوئی لیکن اس شکست کے بارے میں یہ کہ شکست اللہ کو ہوئی یا دین اللہ ہار گیا ایسا نہیں بلکہ شکست محمد بحیثیت بشر شکست ہوئی کیونکہ وہ مشرکین پر غلبہ حاصل کرنے کے اسباب و شرائط کافی نہیں رکھتے تھے تو یہاں شکست وہ محمدؐ کو بحیثیت بشر کے ہوئی نہ کہ اللہ کا نمائندہ ہونے کی حوالے سے۔

سنت میں تاریخ کی حیثیت:

تاریخ اسلام نے تدوین حدیث سے ہی جنم لیا جہاں محدثین روایت کے صحت و سقم کیلئے راوی کو سامنے لایا گیا یہاں سے علماء اعلام نے راویوں کی تاریخ پیدائش تاریخ تعلم تاریخ موانسہ و معاشرت اسباب مکان انتقاء تاریخ وفات لکھی گئی ہے۔ مسلمان مؤرخین دراسات تاریخ میں دیگر مؤرخین سے چند امتیازات

خصوصی کے حامل ہیں وہ تاریخ لکھتے وقت ان ضوابط کا پاس رکھتے ہیں ان ضوابط کے تحت تاریخ کو جانچتے ہیں۔کتاب مدخل الی علم التاریخ تالیف محمد بن صامل سلمی ص ۷۵ صامل سلمی کے نزدیک صحت وسقم روایات میں پہلا ضابطہ نقد سند روایات ہیں۔مؤرخین اوائل کا اصول رہا ہے کہ وہ اخبار حوادث تاریخ کو اس کے راویوں سے مستند کر کے پیش کرتے ہیں جس طرح علمائے حدیث نے حدیث پیش کرتے وقت راوی حدیث کو بھی پیش کیا۔تا کہ بعد میں آنے والے مؤرخین محققین کو نقد نصوص میں سہولت میسر ہو اور ان کی پیش کردہ روایت پر تحقیق میں آسانی ممکن ہو۔علماء نے صحیح روایت کیلئے روایات کا اپنی جگہ اسناد میں اتصال کے ساتھ راوی میں عدالت اور حفظ میں تمام طبقات سند میں استناد وتسلسل کے ساتھ عدالت حفاظت راوی بھی محفوظ کیا ہے تا کہ اس سے احتجاج کرسکیں۔

حدیث کی صحت کیلئے جو شرائط تسلسل روایت تمام طبقات میں راوی کا عادل وحافظ ہونا ہیں تاریخ میں ایسا نہیں ہوا۔تاریخ میں سند نہ اتصال سے ملتی ہے نہ اس میں موجود راویوں کے بارے میں جرح وتعدیل ہوئی ہے بلکہ تاریخ میں اسناد مرسل منقطع معلق جیسے تمام عیوب اسناد جوں کے توں یا کثرت سے پائے جاتے ہیں۔راویوں کے حوالے سے ان میں کاذب،بدعت گزار،مجہول الحال،فسق کے حامل وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔لہٰذا بعض افراد کا یہ اصرار کہ تاریخ میں آیا ہے یا فلاں تاریخ میں موجود ہے کافی نہیں اس حوالہ سے تاریخ ایک مشکل پیچیدہ علم ہے خصوصاً ان افراد کیلئے جنہوں نے اسناد اور کتب سے صرف نظر کیا ہے۔

سندی تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے اسناد تاریخ مرسلات ہیں ان کی سندیں اس کتاب سے آگے نہیں جاتیں۔بلکہ ان تمام اکاذیب کو جوں کے توں باقی رکھنے کا بندوبست کرتے ہوئے کہا گیا ہم کتاب کے حوالے دیکر نقل کرسکتے ہیں یعنی **العہدہ علی الروی**۔اگر ان بزرگوں سے پوچھا جائے اس کی کیا سند ہے تو یہی فرماتے ہیں بزرگان سے سنا ہے۔اس طرح تاریخ کو بھی العہدہ علی راوی چھوڑا گیا۔

کسی بھی ملک کی درسگاہوں میں ابتداء سے انتہا تک کے نصاب میں ایک نصاب تاریخ ہے جس میں وہ اپنے ملک اور اپنے وابستہ ملک کی تاریخ کو پڑھتے ہیں لیکن بدقسمتی سے مسلمان تاریخ میں اپنی پرانی کافرانہ اور ہندوؤں کی تاریخ کو پڑھتے ہیں یا دشمن کی تاریخ کو پڑھتے ہیں لیکن اسلامی تاریخ سے فرزند اسلام نا آشنا ہیں جو ایک بڑا المیہ ہے اس سے بھی بدتر فکر وہ ہے جس میں بعض تاریخ کو انتہائی بدبینی، نفرت سے دیکھتے ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تاریخ اسلام قرآن کے بعد قول وفعل رسول اللہ ﷺ ہے جس کا آغاز آپ کی بعوث کے اعلان سے ہوتا ہے جہاں آپ نے فرمایا: **"قولو لا الٰہ الا اللہ"** اور آپ کے وہ آخری لمحات جب آپ نے اس حیات فانی سے چشم پوشی کی۔یہ تاریخ اسلام کا دوسرا مصدر ہے لیکن منافقین ہزیمت خوردہ عرب روم فارس جب قرآن کریم کو ہیر پھیر کرنے سے عاجز آئے تو انہوں نے آپ کی سنت میں دخل اندازی شروع کی اور آئے دن منصوبہ بندیوں کے تحت کبھی اصحاب اصحاب کہہ کر ان کی سنت کو عین سنت پیغمبرؐ کہا اور کبھی اہل بیت اہل بیت کہہ کر ان کی سنت کو پیغمبرؐ کی سنت میں شامل کیا اور بعد میں اسے اپنی زبان میں پیش کیا چوتھے مرحلے میں بے تحاشا اقوال آپ سے منسوب کر کے سنت شناسی کو مسلمانوں کے لیے معذور ومشکل اور معمہ بنایا۔جس طرح استعمارگروں نے لوگوں کو فریب دھوکہ دینے کے لیے دائیں بازو بائیں بازو جعل کئے اسی طرح ان لوگوں نے دائیں بائیں بازو بنا کر کبھی حدیث کو ہی واحد حجت مصدر اسلام قرار دیا اور اپنی شناخت اہل حدیث سے کرائی اور کبھی قرآن کہنے والوں نے استحکام قرآن کے نام سے سنت وسیرت نبی کریمؐ کو بالکل نظر انداز کر کے اسلام کو ایک لنگڑی صورت میں ایک فاقد ستون بنا کر پیش کیا تا کہ وہ ایک ستون کی جگہ پر اپنے ارباب کفر وشرک کو جاگزین کریں لیکن انسان مسلمان کو جس طرح آیات متشابہات سے گزرتے ہوئے محکمات کو جاننا ہے اسی طرح نبی کریم کی سنت کو اسی مجموعے کی تہوں سے استخراج کرنا ہے۔یہاں یہ حقیقت واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ افراط وتفریط پھیلانے والوں نے تاریخ کے لیے متضاد نظریات پر چار کئے۔یہ تمام احادیث جن میں امت اسلام کیلئے عاقبت بدشگونی نابودی نیستی وبدبختی ظلم وظالمین دور دورہ مسلمانوں کی زبوں حالی ہے وہ سب خلاف نص آیات کثیر قرآن کریم کے خلاف ہے۔

ا۔مکذبین کی عاقبت بری ہوگی۔﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ "تم سے پہلے روشیں گزر چکی ہیں پس تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔" (آل عمران ۱۳۷)

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ "(ان سے) کہہ دیجئے: زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے؟" (انعام ۱۱)

۲۔مجرمین کی عاقبت بری ہوگی۔﴿ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴾''اور ہم نے اس قوم پر ایک بارش برسائی پھر دیکھو ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔'' (اعراف ۸۴)

۳۔مفسدین کی عاقبت بری ہوگی۔﴿ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴾''اور یہ بھی یاد کرو جب تم کم تھے اللہ نے تمہیں زیادہ کردیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔'' (اعراف ۸۶)

﴿ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴾''اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بدعہد پایا اور اکثر کو ان میں فاسق پایا۔'' (اعراف ۱۰۲)

﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴾''اور موسیٰ نے کہا: میرا پروردگار اسے جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آخرت کا گھر کس کیلئے ہے، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔'' (قصص ۳۷)

۴۔ظالمین کی عاقبت بری ہوگی۔﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴾''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علم میں نہیں آئی اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں کھلا، اسی طرح ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔'' (یونس ۳۹)

﴿ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴾''تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو گرفت میں لے لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا، پس دیکھ لو ظالموں کا انجام کیا ہوا۔'' (قصص ۴۰)

۵۔مکاروں کی عاقبت بری ہوگی۔﴿ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴾''پس دیکھ لو! ان کی مکاری کا کیا انجام ہوا، ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو نابود کر دیا۔'' (نمل ۵۱)

جبکہ مومنین کی عاقبت اچھی ہوگی۔﴿ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴾''کہہ دیجئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرتا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس کا انجام کار اچھا ہوتا ہے (بہر حال) ظالموں کیلئے فلاح کی کوئی گنجائش نہیں۔'' (انعام ۱۳۵)

﴿ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک یہ سرزمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اہل تقویٰ کیلئے ہے۔'' (اعراف ۱۲۸)

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔'' (حج ۴۱)

ناظرین وسامعین نبی کریمؐ کی بعثت کے آغاز سے تشیب وفراز دیکھنے سننے والے افراد کے منقولات وملفوضات جو ہم تک پہنچے ہیں وہ ہمارا تیسرا مصدر تاریخ اسلامی ہیں۔تاہم یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ نقل بیانی لفظی کا سلسلہ تاریخ کی اولین تدوین تک پہنچا ہے جسے ہم تاریخ روائی کہیں گے یعنی روایت کرنے والے نے نقل کیا ہے اس طرح سب سے پہلی کتب جو آج ہماری دسترس میں ہیں وہ کون کون سی ہیں ان کتب کو ترتیب سے پیش کرنا ہوگا۔

مصادر تاریخ اسلامی

فی زمانہ وہ کتب جنھیں پڑھ کر سامنے رکھ کر اور ان کی روشنی میں تاریخ لکھی جاسکتی ہے اس قسم کے ماخذ کو مراجع مورخ کہتے ہیں مثلاً فی زمانہ مصادر تاریخ کے حوالے سے ہمارے پاس تاریخ میں طبری، کامل ابن اثیر، مسعودی، یعقوبی، ناسخ التواریخ، منتخب تواریخ وغیرہ ہیں جنھیں دیکھ کر ہم تاریخ لکھتے ہیں چنانچہ جو مورخین

تاریخ طبری، کامل، مسعودی اور یعقوبی سے آگے نہیں ہے۔ وہ طبری مسعودی ناسخ التواریخ تک حوالہ دے کر اپنے آپ کو صحت وسقم سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں جیسے ہمارے ذاکر مصائب امام حسین علما یا ان کے مفتی یہ کہہ کر کے جان چھڑاتے ہیں کہ " العهده علی الروی" اس جملے کا تجزیہ تحلیل کریں یا اسے شارع مقدس کے پاس لے جائیں تو اس کی کوئی سند نہیں ملتی ہے۔ تاریخ کی صحت وسقم سے چشم پوشی کر کے سب کچھ بر گردن راوی کہہ کر بری الذمہ ہونے کی سند قرآن و سنت میں کہاں ہے اگر یہ ایک سند شرعی ملتی ہے تو فریق مخالف کے راویوں کو جسے آپ مردود سمجھتے ہے ان پر یہ قانون لاگو کرنے میں کونسی چیز مانع ہے۔ یہاں بھی آپ فتنہ وفساد سے بچنے کیلئے کہہ سکتے ہیں العهده علی الروی لیکن آپ ایسا نہیں کرتے۔ یہاں سے یہ بدبو آتی ہے کہ جس نے بھی العہدہ علی الروی کا کلیہ اپنایا ہے اس کے پیچھے اس کی بدنیتی شامل ہے مثلاً عباس قمی نے کتاب ناسخ التواریخ شہنشاہی دور میں حکومت کے اشاروں پر لکھی ہے اسے صحت بخشنے کیلئے یہ جملہ گھڑا گیا۔

قارئین اب ہم تاریخ اسلامی کے مصادر کے بارے میں بیان کریں گے۔ اسلامی تاریخ کے مصادر تین ہیں قرآن کریم، سنت وسیرت نبی کریمؐ اور نقل ناظرین وناقلین صحنات اسلام۔ شخص مؤرخ اپنی دسترس میں موجود کتب تاریخ میں منقولات کی اسناد کے پیچھے جاتے ہیں یعنی طبری نے کچھ نقل کیا ہے لیکن انھوں نے کس تاریخ سے اسناد کیا یا اس کی کوئی سند تاریخ میں نہیں ملتی تو یہ مرسلات ہیں کیونکہ انھوں نے کوئی حوالہ دیا ہی نہیں ہے طبری کی اس نقل کا کوئی وزن قیمت عند المحققین نہیں بنتا ہے لیکن امانت داری کا پاس رکھتے ہوئے مجھے یہ کہنا چاہیے طبری نے اپنے منقولات کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے سند دے کر نقل کیا ہے مثلاً انھوں نے ہشام کلبی، ابی مخنف اور رعوانہ وغیرہ سے نقل کیا ہے یہاں ہم یہ دیکھ سکتے ہیں یہ افراد اس وقت موجود تھے یا نہیں صحیح تھے یا غلط، اس حوالے سے یہ قدر و قیمت کی حامل ہے۔

مراتب مصادر:

ہر علم کا ایک مصدر اصلی ہوتا ہے۔ ان مصادر کے بھی مراتب وشرائط ہیں کہ ان کے حوالے کس حد تک معتبر ومعتمد ہیں یہ خود کتاب کی اسناد پیش کرنے میں کہاں تک پہنچے ہیں مثلاً بہت سی کتب کو علماء مصادر اولی کے نام سے پیش کرتے ہیں جبکہ وہ اپنی جگہ کل کی کل مرسلات ہیں جیسے سیرت حلبیہ اور کتاب احتجاج طبرسی وغیرہ۔ مصادر کے چند مراتب ہیں ایک مرتبہ مؤلف کی شخصیت ومقام اور اونچا ہونے پر بھی کفایت کی جاتی ہے جسکی وجہ سے بہت سی جنایت قلمی ظاہر ہوئی ہیں کہ مؤلف کو بڑھا چڑھا کر اس کی تالیفات پر نظر نقص سے روکا جاتا ہے مثلاً اس شخصیت کے بارے میں کہتے ہیں اپنے دور کے بڑے عالم وزاہد تھے پرہیز گار تھے مغرب کی نماز کے وضو پر صبح کی نماز پڑھتے تھے کتاب لکھتے وقت ہر حدیث کیلئے وضو کیا کرتے تھے، دن میں سو رکعت نماز پڑھتے تھے یا ہفتے میں قرآن ختم کرتے تھے یا سال بھر روزہ رکھتے تھے یا کسی بڑی شخصیت سے ان کیلئے اونچے القاب نقل کرتے تھے لیکن یہ تمام خصوصیات امتیازات اس شخصیت کی مکتوبات کی صحت میں کوئی دخل نہیں رکھتی کیونکہ کسی کی نقل کی قبولیت اس علم سے متعلق اس کی آگاہی ہے یہاں عدالت اور حافظہ صحیح ہونا چاہیے اسی طرح جن سے وہ نقل کرتے ہیں ان میں بھی یہ خصوصیات پائی جانی چاہیے۔

مصادر ومنابع تاریخ اسلامی:

کسی بھی کتاب تاریخ کی قدر و قیمت اور اس پر اعتماد واعتبار اس کے مؤرخ کے مصادر اولی سے کیا جاتا ہے جہاں سے مؤرخ نے اپنی کتاب تاریخ کی تصنیف وتالیف میں ان مصادر کتب پر اعتماد کیا اور ان کے اقتباس بھی اعتماد سے پیش کئے:۔

۱۔ ان مصادر اولی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ انہوں نے کہاں سے اور کیسے اپنی تاریخ کو ترتیب دیا ہے۔

۲۔ ان مصادر کے بارے میں عام مؤرخین تاریخ نے کس قسم کا اظہار نظر کیا ہے کہاں انہوں نے اس کی تصحیح کی ہے اور کہاں انہوں نے اسے نقد واعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔

۳۔ تاریخ مکتوب جو اس وقت کے مؤرخین اور ناظرین ومؤلفین کی رسائی میں ہے سب سے پہلی کتاب انہوں نے کن ناقلین سے نقل کر کے اپنی تاریخ کو ترتیب و تنظیم دیا، یہاں تک کہ صدر اسلام سے ان کا تسلسل ملتا ہے یا نہیں۔

تاریخ دوسرے علوم کی بہ نسبت زیادہ مصادر نقلی کی نیاز مند ہے۔بغیر مصادر نقلی کوئی بھی شخص تاریخ پر قلم نہیں اٹھا سکتا لہٰذا شخص مؤرخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے مصادر کو تلاش کرے کہ جو گذشتہ حوادث وواقعات تک اس کی رسائی کو یقینی بنائیں اور جن سے اس کو ان پر اعتماد حاصل ہو جائے اور دوسروں پر ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس ٹھوس اور واضح دلائل آجائیں۔تاریخ میں عقل، تجربہ، شعر، کیات، طبعیات اور حدسیات کارآمد نہیں ہیں لہٰذا مؤرخ کو مصادر نقلی تلاش کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کے لیے بہت توجہ اور عنایت کی ضرورت ہوتی ہے مؤرخ کیلئے ضروری ہے کہ انتخاب مصدر یا جس مقصد کے لیے وہ لکھتا ہے وہ اس سے قریب تر ہو یا اس نے اس کی صحبت میں اس کے ساتھ زندگی گزاری ہو۔جس کے بارے میں لکھنا چاہتے ہیں وہ تواتر سے ہو یا تواتر سے کم مضافر ہو یا مشہور ہو اور کہیں شاذ و نادر نہ ہو۔

اگر ایک شخص مؤرخ بننا یا تاریخ میں تحقیق کرنا چاہتا ہے یا تاریخ سے کوئی چیز ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ مصادر تاریخ میں سے کس تاریخ کو پڑھے اور کس کو ترجیح دے؟ یہ مسئلہ انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہے۔اگر کسی کو مصادر تاریخ کی تفصیلات وخصوصیات اور تشخصات معلوم نہ ہوں تو وہ تاریخ کو اٹھائے گا اور اس کی ورق گردانی کرکے فہرست تلاش کرے گا لہٰذا مؤرخ بننے والے یا تاریخ کی حقیقت کو تلاش کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ مصادر تاریخ میں یہ مسئلہ کہاں ملے گا۔ اس حوالے سے ان نکات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۔وہ تواریخ جو سنہ کے حوالے سے تنظیم شدہ ہیں، جہاں حوادث کو سنہ کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے تو ان تاریخی کتابوں کو دیکھنا ہوگا جیسے تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر تاریخ کامل وغیرہ۔

۲۔اگر کوئی شخص کسی شخصیت کے بارے میں جاننا چاہے کہ وہ کس سن میں تھے، کس قسم کے انسان تھے تو وہ تاریخ کے مصادر میں سے ان کتب میں تلاش کرے جہاں پر افراد اور شخصیات کے بارے میں حروف تہجی کے مطابق ذکر کیا گیا ہے جیسے لسان المیزان اور طبقات ابن سعد اور کتب رجال وغیرہ۔

۳۔اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں جاننا چاہتا ہے کہ وہ کیسے فرد تھے تو اس کی تاریخ وفات تلاش کریں تاریخ وفات ملنے کے بعد اس شخص کا تعارف ذھبی کی تاریخ اسلام میں پڑھیں جہاں سنہ وفات کے نیچے جتنے افراد نے وفات پائی ان کا ذکر ملے گا۔

۴۔روایت جعل کرنے والوں نے جہاں تاریخ میں قصے، کہانیاں جعل کی ہیں وہاں کسی واقعے کو بھی سالم نہیں رہنے دیا تاکہ تحقیق کے راستے بند ہوں اور کوئی شخص اِدھر تک نہ پہنچ سکے۔اس کے لیے انہوں نے ایک جعلی نام وضع کیا ہے کہ یہ واقعہ فلاں جگہ وقوع پذیر ہوا ہے۔اس حوالے سے اسلامی تاریخ کے جغرافیہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کو رجوع کیا جائے جیسے احسن تقاسیم، معجم البلدان وغیرہ۔

۵۔اگر تاریخ میں مقطع تاریخ کو جاننا یا سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں لکھی گئی تواریخ پڑھیں مثلاً بعض تواریخ آدم سے لے کر تیسری صدی تک کے واقعات پر مشتمل ہیں جیسے تاریخ طبری بعض تاریخ گیارہویں صدی تک لکھی گئی ہیں جیسے تاریخ کامل کچھ تاریخ اسلام بعثت نبی ﷺ سے عصر حاضر تک لکھی گئی ہے جیسے تاریخ اسلامی شاکر محمود۔

تاریخ میں تحقیق:-[کتاب، اصول تاریخ صفحہ:۸۵]

علمائے بلاغت کہتے ہیں تاریخ ماضی کی خبر ہوتی ہے۔چنانچہ **بحوث منهجية في علوم بلاغت العربيه** تالیف ابن عبداللہ احمد شعیب ص ۲۲۱ پر لکھتے ہیں خبر وہ ہے جس کے مخبر کے بارے میں یہ کہنا درست ہو کہ یہ صادق ہے یا کاذب۔صدق و کذب کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر خبر حقیقت وواقعیت سے مطابقت رکھتی ہو تو خبر کو خبر صدق اور مخبر کو مخبر صادق کہیں گے۔اگر مضمون خبر حقیقت وواقعیت کے خلاف ہے تو اس خبر کو خبر کذب اور مخبر کو کاذب کہیں گے۔

بلاغیین کہتے ہیں خبر کے بارے میں احتمال صدق و کذب ہی سے خبر متحقق ہے۔خبر کی نوعیت یا حقیقت اسی میں ہے کہ وہ محتمل صدق و کذب بنے قطع نظر اس کے کہ مخبر کون تھا خبر کس قسم کی ہے قابل احتمال ہے یا نہیں۔اگر کہیں خبر اپنی جگہ فی نفسہ مقطوع ہو اور احتمال کذب کی گنجائش نہ ہو جیسا اخبارات قرآن، جو کچھ قرآن کریم میں اللہ نے خبر دی ہے یا انبیاءؑ اور حضرت محمدؐ نے خبر دی ہے اور سامعین نے سنی ہے وہ قطعی صحیح ہے اس میں احتمال کذب نہیں ہے یا وہ اخبار جو ہر عام وخاص، جاہل و عالم سب کیلئے مانوس ومعلوف ہیں جیسے آسمان ہمارے اوپر ہے، زمین ہمارے نیچے ہے، سمندر کا پانی نمکین ہے چشمہ کا پانی شیریں ہے زہر کڑوا ہے اور شہد

میٹھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یا خبر اپنی جگہ مقطوع الکذب ہے جیسا جز کل سے بڑا ہے جس ہستی سے ہمارا کسی قسم کا تعلق و رابطہ نہیں ہے وہ ہمارے لئے حجت ہے اور ہمارا مقتداء و پیشوا ہے۔کتب تاریخ میں منقول اخبار عقل و نقل کے تحت احتمال صدق و کذب دونوں رکھتے ہیں ممکن ہے اس کے مخبرین صادق ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ مخبرین کاذب ہوں۔مخبرین صادق ہونے کی صورت میں شرائط پورا ہونے کے بعد خبر ہمارے لئے حجت بن سکتی ہے تاہم مخبرین کاذب ہونے کی صورت میں ہمارے لئے اس کے بارے میں حسب آیت قرآن سورہ حجرات تحقیق کرنے کا حکم ہے بغیر تحقیق خبر کاذب پر عمل کرنا باعث ندامت و پشیمانی ہے لیکن سب واقف و آگاہ ہیں کہ ہمارے علمائے اعلام جو تاریخ ان کے درمیان رائج ہے وہ اس پر کسی کو تحقیق کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔اگر کوئی غلطی و اشتباہ سے تحقیق کرنا چاہے گا تو وہ انکے نزدیک بدترین مجازات کا مستحق قرار پائے گا۔تاریخی اخبار میں تحقیق کیلئے تاریخی مصادر و منابع کو دیکھنا ہوگا۔تاریخی مصادر و منابع کو دیکھنے کے دو مرحلے ہیں:

۱۔پہلا مرحلہ کتاب تاریخ ہے جو تاریخ کے نام سے آپ کی دسترس میں ہے آپ اس سے استناد کرتے ہیں کہ یہ کتاب جس کی طرف منسوب ہے اس کی تصنیف و تالیفات میں ہے یا نہیں۔اس کے شناخت کیلئے بھی علماء نے کتابیں لکھی ہیں چنانچہ بہت سی کتابیں ہیں کہ ان کا مصنف سے انتساب نہ ہونا یا انکا فلاں مصنف کا نہ ہونا ثابت ہے۔کتب شناسوں نے یقین کیا ہے کہ یہ کتاب ان کی نہیں ہے چنانچہ کشف الذنون یا الذریعہ الی تصانیف شیعہ اسی موضوع کیلئے ترتیب دی گئی ہے۔چنانچہ اس سلسلہ میں کتاب الامام وسیاسہ یا کتاب سلیم بن قیس ہلالی یا دیوان امیر المومنین یا کتاب مقتل ابی مخنف یا مصباح شریعہ کتاب جابر بن حیان، احتجاج طبرسی وغیرہ کا نام آتا ہے۔

۲۔وہ کتابیں ہیں جن کا انتساب ثابت ہونے کے بعد ان کے مندرجات کا انتساب تمام کا تمام مرسلات پر مبنی ہے یعنی مصنف نے تمام راویوں کو حذف کر کے خود مستقیماً صدر اسلام میں امام، صحابی یا رسول اللہؐ سے انتساب کیا ہے۔جیسے سیرت حلبی تمام کی تمام مرسلات ہے۔کتب شیخ عباس قمی اور سید بن طاؤس تمام کی تمام مرسلات ہیں۔کتاب احتجاج طبرسی اور نہج البلاغہ مرسلات پر مشتمل ہے۔جن کتابوں میں مرویات اخبار مرسلات ہیں یا تو ہمیں ان کی سند کو تلاش کرنا ہوگا یا اس کے مضامین کو قرآن اور سنت قطعیہ سے جوڑنا ہوگا۔

تاریخ کے بعض مصادر جھوٹ ہونے کے خدشات:

تاریخ گذشتہ انسانی اجتماع کے بارے میں خبر دیتی ہے کہ ان اجتماعات پر کیا کیا گزری ہے یہاں خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے اور اس احتمال کے بھی کئی اسباب ہیں۔

الف)نفس انسان، اگر معتدل و متوازن ہو تو وہ کسی بھی خبر کو قبول کرنے سے پہلے اس کے متعلق غیر جانب دار اور دقت سے تحقیق کرتا ہے کہ یہ خبر صحیح ہے یا نہیں؟ جب تک صدق سو کذب کا فیصلہ یا ایک طرف کے صدق پر یقین نہیں ہوتا وہ اس خبر کو قبول نہیں کرتا ہے۔

ب)لیکن اگر نفس انسان کسی نظریہ کی طرف مائل ہے یا کسی فرقہ و مذہب کی طرف گرائش رکھتا ہے تو وہ اسی گرائش کے مطابق واقعات کو قبول کرتا ہے گویا ایک انسان کا کسی فرقہ و مذہب کی طرف گرائش رکھنا بذات خود اپنی جگہ ایک پردہ ہے جو مزید تحقیق سے روکتا ہے۔

۱۔جھوٹے اخبار کو پذیرائی ملنے یا قبول کرنے کے اسباب اپنی جگہ چند ہو سکتے ہیں۔

۲۔کیونکہ انسان ہر خبر نقل کرنے کا عادی ہے یہی چیز تاریخ میں بہت سے جھوٹے واقعات شامل ہونے کا سبب بنتی ہے۔

خبر رسانی کے اہداف و مقاصد سے غفلت برتنا:۔

۱۔بہت سے انسان اس صلاحیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ بولنے والے یا خبر دینے والے نے کس بنیاد پر خبر دی ہے؟ اس نے ایسا اقدام کیوں کیا ہے؟ کیونکہ سننے والا اس مقصد سے جاہل ہوتا ہے لہذا فوراً جو کچھ سنتا ہے وہ نقل کرتا ہے اور کبھی وہ گمان کرتا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔

۲۔حسن نیت میں افراط: بعض انسان ہر شخص کے بارے میں حسن نیت رکھتے ہیں اور کبھی یہ احتمال نہیں دیتے کہ ہوسکتا ہے یہ شخص جھوٹ بول رہا ہو۔

۳۔حالات و واقعات پر تدبیر کرنے اور ان کو آپس میں جوڑنے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتے اور یہ نہیں سوچتے کہ کیا کسی نے اس میں ملاوٹ کی ہے یا اس میں کوئی

تیز پیدا کی ہے، لہٰذا فوراً بغیر تحقیق کے نقل کیا جاتا ہے۔

۴۔ بعض انسان معاشرے کی سرخیل شخصیات سے قرب رکھتے ہیں، ان کی نظر میں اُنکا بڑا مقام اور عزت و احترام ہوتا ہے جیسے فقیہ، مجتہد، عالم، عابد، زاہد، یا سیاسی حکمران وہ ان سے مرعوب ہونے کی وجہ سے ان کی شان میں ذکر ہونیوالے تمام واقعات کو فوراً بغیر جستجو و تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

۵۔ بعض انسان اس طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ وہ تاریخ کو ہر حال میں قبول کریں اس لیے وہ کتب تاریخ میں مذکور صحیح و غلط ہر بات کو قبول کرتے ہیں۔ بعض اس دنیا کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور کسی سے مال و مقام کی خواہش و ہوس رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس لالچ کی وجہ سے وہ ان کی باتوں کو سچ گردانتے ہیں۔

۶۔ بعض انسان تاریخ کے مزاج و طبیعت سے ناآشنا ہوتے ہیں کیونکہ ہر حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی اپنی ایک خاص طبیعت ہوتی ہے جب تک انسان اس طبیعت سے آشنا نہ ہو وہ اسے بطور صحیح نہیں جانتا، چنانچہ بہت سے ایسے اخبار ہیں جن میں محالات کی خبر دی گئی ہے اور چونکہ یہ کسی بزرگ شخصیت سے نقل ہوئی ہیں یا اس سے منسوب ہیں یا کسی خاص مذہب کی ترویج میں معاون ہیں لہٰذا انہیں فوراً قبول کیا جاتا ہے مثلاً چاند کا شگاف ہونا یا سورج کا پلٹنا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ آپ جب بھی کوئی خبر سنیں تو پہلے مرحلے میں دقت کریں کہ اس خبر کا اپنی جگہ واقع ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ کیونکہ حق کو باطل سے تمیز دینے کا ایک قانون ہونا چاہیے جس میں سے ایک قانون یہ ہے کہ خبر عقلاً ممکن ہو، بطور مثال مرنے کے بعد اس شخص کا زندہ ہو کر اس دنیا میں آنا ممکن نہیں۔ لیکن ایسی خبر دینے والوں کے بارے میں تحقیق و جستجو کیے بغیر اس خبر کو قبول کیا جاتا ہے۔

تاریخ گریزی مقابل تاریخ سازی:

ایک انسان تاریخ بنانا چاہتا ہے جیسا کہ انبیاء الٰہی اور ان کے پیروان مومن جبکہ دوسرا انسان تاریخ کو بگاڑنا چاہتا ہے جیسے ثالوث منحوسہ فرقہ باطنیہ قدیم و جدید اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ تاریخ انبیاء کو مٹایا جائے اور اس کے بدل میں تاریخ کفر و شرک الحاد کو دوبارہ احیاء کیا جائے۔ ان کے اپنے منصوبے اور طریقہ کار ہیں سابق زمانے میں باطنیہ نے دین کو بگاڑنے کیلئے کیا کیا منصوبہ بندیاں کی ہیں اور کیا کیا طریقہ کار اپنایا ہے ہمیں ان سب کو خط درشت میں لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کرنا چاہیے۔

ہماری ویرانی بربادی میں شعوبیت کا کردار:۔

اس وقت تاریخ اسلام کے صفحات غث و سمین سے پر ہیں۔ اس تناظر میں اگر کوئی اصول و ضوابط تاریخ شناسی سے ناآشنا تاریخ اسلامی کو پڑھیں گے تو وہ کسی قسم کے مطلوبہ نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ الٹا اسلام اور تاریخ اسلام کے داعیوں سے بدظن ہونگے۔ تاریخ اسلام کو شعوبیوں نے مسخ کیا ہے لیکن شعوبی کون ہیں، شعوبیت کسے کہتے ہیں انہوں نے کن کن موضوعات کو مسخ کیا ہے۔ یہاں شعوبیت کے پس منظر کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ شعوبیت مادہ شعب سے اس کے تحت پورا عرب ایک شعب ہے جب کسی فرد یا گروہ کو کسی سرزمین سے نسبت دی جاتی ہے تو اسے شعب کہتے ہیں۔ مثلاً شعب فارس، شعب روم یا پاکستانی عوام کو شعب پاکستان کہیں گے شعوب کا یہ کلمہ سورہ حجرات آیت ۱۳ ﴿ وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ یہ آیت کریمہ ایک شعب کی دوسرے شعب پر فضیلت و برتری کی نفی کرتی ہے۔ لیکن یہاں شعوبیت سے مراد اصطلاحی مراد ہے۔ شعوبیت کی سرگرمی کے حوالے سے ان کا تعارف یہ ہے کہ جو ایک گروہ، قوم، قبیلہ، عشیرہ کو گرا کر دوسرے قوم و قبیلے یا شخص کو اٹھانے والے ہیں۔ کتاب مفردات الحضارۃ اسلامیہ ص ۲۸۳ پر آیا ہے۔ شعوبیت ایک گروہ مبغوض و منفور ہے ان کا کہنا ہے غیر عرب کئی گنا عربوں سے افضل و برتر ہیں۔ عرب کی مذمت سے مراد اسلام کی مذمت مراد ہے۔ یہ گروہ بنی امیہ کے آخری اور بنی عباس کے اوائل میں خوارج اور بعض الحادی فکر کے حامل افراد کے توسط سے وجود میں آیا ہے۔ یہ دین اسلام کے جسم کو مختلف زاویوں سے کھانے کیلئے دین خور جراثیم چھوڑتے ہیں۔ جنکے اثرات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تنہا ادیان کے مزاحمت نہیں کرتے بلکہ اقدار اخلاق عالیہ کے بھی مزاحم ہوتے ہیں۔

تاریخ میں گرائش شعوبیت کے بیج بونے والوں میں سے ایک ابوعبیدہ معمر ابن مثنیٰ تمیمی ہے۔ ابوعبیدہ متولد ۱۱۴ھ متوفی ۲۱۱ھ ق نے معلومات و روایات کو علماء سے جمع کیا اور ساتھ ہی اس نے روایات قبیلہ و محلّہ کو بھی جمع کیا۔ ابو الفرج اصفہانی نے جاحظ کے بعد اسے جامع علوم کہا ہے۔ ابن ندیم نے کہا ہے اس نے علم اسلام و جاہلیت دونوں کو جمع کیا ہے۔ ابوعبیدہ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد ۱۰۳ بتائی جاتی ہے۔ کتاب تاریخ المورخون ج ۱ ص ۱۹۸ میں آیا ہے، اسکی اکثر

کتب لغت عرب سے مربوط کتابیں ہیں۔اس میں اس نے مثالب معائب عرب کو پیش کیا ہے۔ابوعبیدہ معمر ابن مثنیٰ نحواخبار میں بڑے اونچے مقام اور درجے پر فائز عالم تھا۔اسکی اصل فارس یہودی تھی ۔اس نے 'لصوص عرب ادعیائے عرب فضائل فرس'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

شعوبیت اور اس کے عوامل واسباب ظہور میں صفحات تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے یہ تنہا ایک قوم نہیں جو کسی دوسری قوم کی ضد میں نقائص و معائب کو اٹھائے ۔بلکہ یہ فرقہ باطنیہ کی ایک شاخ ہے جو عربوں کی تنقیص کے نام سے اسلام کو گرانے پر تلی ہوئی ہے ۔یہ عربوں کے مثالب ومعائب کے مقابل میں عجمیوں اہل فارس کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں۔

شعوبیت ایک حرکت تہدیم وتخریب دین میں اخوان الصفاء حرکات زندقہ تعلیمۃ وغیرہ کی مانند ہے لیکن ان کے طریقہ واردات ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً حرکت الحادیۃ کے مفکر عبداللہ مقفع عربوں کے قصیدہ خوان ہے جیسا کہ کتاب بلوغ العرب فی معرفۃ الاحوال العرب ج ا ص ۱۶۰ میں آیا ہے وہ ہر جگہ عربوں کے فضائل ومناقب بیان کرتے تھے ،بعض دیگر عرب بعض دیگر کی تنقیص پر اترے ہوئے تھے اس کے بانیوں میں ابا عبیدہ ہے ابوعبیدہ فکر خوارج رکھتا تھا اس نے عربوں کی مثالیب پر کتاب لکھی ہے۔جب معاویہ نے اسے اپنے باپ سے انتساب کیا تو عربوں نے اسے تسلیم نہیں کیا ان پر طنز کیا ہر قسم کی عیب ونقص کو اپنے تشفی کیلئے عربوں سے نسبت دی اس کے بعد غیلان شعولی ورقہ جو ایک زندیق مجوس تھا۔

دجال شعوبیوں کی خرافات:

مقطوع الاسناد ضعیف روات' سے گھڑی ہوئی روایات مرسلات کو عصائے ارتداد کے ذریعے لوگوں کے دین وایمان پر ڈاکہ لگانے والے باطنیہ کی پیدا کردہ ایک روایت ظہور دجال ہے ۔جس کے بارے میں کہتے ہیں آخری زمانے میں اسکا ظہور ہوگا اسی طرح ظہور سفیانی ،نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی مجہول النسب جیسے عقائد ہیں ۔ان کی دجالی کا ایک نمونہ مسخ تاریخ ہے ۔انھوں نے تاریخ اسلام کی برجستہ ذوات کو بھی نہیں چھوڑا اور انکی شخصیت کو مسخ کیا ہے ۔اس کیلئے بہت سی تالیفات لکھی گئی ۔اس حوالے سے چند کتب قابل ذکر ہیں۔

تاریخ ذی وجوہ وذی جہات:

تاریخ میں جہاں شخصیات استقلال مجاہدین فی سبیل اللہ اعلاء کلمہ حق کیلئے جان کی بازی لگانے والوں کا نام سرفہرست آتا ہے وہاں ہی دین فروش ملت فروش وطن فروش شخصیات کا نام بھی آتا ہے ۔تاریخ کا رخ موڑنے اور صفحہ بدلنے میں بنیادی کردار ادا کرنے والی یہی شخصیات ہوتی ہیں یہ لوگ اپنے دین ودیانت و ملت ووطن کو ٹوکری میں ڈال کر ارباب اقتدار اقتصادی سیاسی علمی کے قصور میں چھتوں میں جا کر اپنی سحر انگیز بیان وقلم سے اپنی متاع کو قلیل قیمت میں فروخت کرکے اپنا روزگار بناتے ہیں ۔تاریخ اسلام میں اس کا سلسلہ بنی امیہ کے دور سے شروع ہوا اور بنی عباس کے دور میں اپنے عروج پر پہنچا۔

تاریخ شعراء علماء ادباء میں آیا ہے کہ یہ لوگ اپنے دیہاتوں سے نکل کر اپنے سرمایہ علمی ٬ہنر٬ادب کو ٹوکری میں ڈال کر وزراء امراء پھر خلفاء کے دربار میں پہنچاتے تھے ۔ان میں سے بعض صرف اپنا سرمایہ فروخت کرنے پر اکتفاء کرتے تھے وہ وزراء وامراء خلفاء کے ہر جرم وجنایت میں بغیر کسی تکلف کے شریک ہوتے تھے بعض خود کو موالی' دوستدار اہل بیت پیش کرتے تھے ۔لیکن یہاں کون سے اہل بیت تھے یقیناً ان کی نظر میں وہ زہراء ٬علی ٬حضرات حسنین نہیں تھے بلکہ جس کے سامنے وہ تھے انہی کو وہ اہل بیت سمجھتے تھے انہی کو خوش کرنے کیلئے لکھتے اور بولتے تھے۔

انہی میں سے ایک شخصیت ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی کی ہے صاحب تاریخ آداب لغت عربیہ جرجی زیدان اپنی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں ابوالفرج اصفہانی ان کا نام علی باپ کا نام حسین ہے اس کی کنیت ابوالفرج ہے ان کا نسب مروان بن حکم آخری خلیفہ بنی امیہ پر منتہی ہوتا ہے ۔اصفہانی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اصفہان میں پیدا ہوئے اور وہاں کے ادیب اور مصنفین میں سے تھے بہت سی کتابوں سے لگاؤ رکھتے تھے اخبار آثار ٬قصص٬حدیث٬نسب٬اشعار کے ساتھ ان کے مصنفین کی تاریخ بھی جانتے تھے ۔یہ وزیر ملہبی کے دوست تھے وزیر کے دستر خوان پر رہتے تھے وسائل وذرائع بے پناہ کے حامل ہونے کی وجہ سے انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس میں گانا گانے والی عورتیں' عفت فروش کنیزوں وغیرہ کے علاوہ ایام عرب خاندان بنی عبدالشمس سلسلہ نسب بنی امیہ کے متعلق کتابیں لکھیں ہیں۔

عربوں کے مناقب، مطائن میں تعدیل پر کتاب لکھی اسکے علاوہ نسب بنی شیبان، محالبہ، بنی تغلب اور نسب بنی کلاب پر لکھا۔ اس نے گانا گانے والے جوان لڑکے اور لڑکیوں کے راقصات کی ایک فہرست بھی لکھی ہے ان میں سب سے معروف ومشہور ادب پرستوں کیلئے ذی قدر کتاب 'کتاب آغانی' ہے۔ اسی سے وہ مشہور ہوئے ان کتابوں کی تصنیف کے ذریعے انھوں نے بنی عباس سے، سیف الدولہ سے ہزار ہا دینار انعام لیے۔ ساتھ ہی اندلس میں اپنی قوم جو اندلس میں حکومت کررہی تھی انھیں بطور مخفی کتب ارسال کر کے بنی امیہ سے انعام لیا ہے۔ بنی عباس، آل بویہ، بنی ہمدان سب سے مفاد حاصل کئے۔ کہا جاتا ہے وہ شیعی مسلک پر تھے کیونکہ انہوں نے کتاب مقاتل طالبین لکھی ہے معلوم نہیں شیعہ مذہب کیوں اس حد تک پست اور ذلت کی طرف چلا گیا کہ ایسا شخص جو عبدالشمس پر لکھ کر بنی امیہ نہیں بنا بنی تغلب نصاریٰ پر لکھ کر مسیحی نہیں بنا بنی کلاب پہ لکھ کر بنی کلاب نہیں بنا، رقص و راقصات ومغنیہ پر لکھ کر مغنی نہیں بنا، علم فروشی کر کے علم فروش نہیں بنا مگر مقاتل طالبین لکھ کر وہ شیعہ بن گیا۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ شخص علامہ بزرگوار محسن امین اور دیگر مصنفین کے نزدیک مفاخر شیعہ ہے۔ یہاں ہر قسم کا کفرو الحاد وشرک سب ایک نعرہ علی ولی الله کے بدلے میں جائز ہو جاتا ہے۔ کیا دعویٰ نبوت کرنے والے، نبوت کا استہزاء کرنے والے، شراب ورقص کرنے والے سب مفاخر شیعہ ہیں۔ کیوں یہ القاب سلمان وبوذر کو نہیں ملا، یہ القاب عمار یاسر، اور حجر بن عدی کو نہیں ملا یہ القاب نوابغ قیس بن سعد کو نہیں ملا۔ غرض یہ لوگ ذوالجہات ذی الجہات ہیں، ہم ان کے منقولات کو نص مستند قرار نہیں دے سکتے اور اپنے قلم کو ان پر نہیں روک سکتے۔ ہم تاریخ میں شخصیات سے ہٹ کر خود خبر کے متن سے اس کی صحت وسقم کو نکالتے ہیں۔

کتب حذر من ہما من علما، تالیف ابی عبیدہ بن حسن آل سلمان ج ۲ ص ۲۴ پر لکھا ہے، آغانی علی بن حسین بن محمد اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ اصفہانی کنیت ابوالفرج یہ شخص مختلف فیہ ہے۔ بعض اس کے مداح ہیں جبکہ بعض ان کے نقاد ہیں، نقادوں میں ہلال بن محسن صابی ہیں۔ یاقوت معجم ادباء ج ۱۳ ص ۱۰۰ میں لکھا ہے وہ ایک گندا انسان تھا اس کے جسم کے ساتھ اس کی زبان بھی گندی تھی وہ لوگوں کی ہجو کرتا تھا۔ لہٰذا وہ ان سے مجالست ومعاشرت اور رفت وآمد سے گریز کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۹۹ میں ابی محمد حسن نوبختی سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک جھوٹا انسان تھا۔ وہ بازار جاتا تھا، دکانوں سے بہت سی کتابیں اور مجلات لے کے آتا اور پھر ان کو دیکھ کے خود روایات جعل کرتا تھا، ان کے نقادوں میں ابن جوزی ہے جنہوں نے کتاب منتظم ج ۷ ص ۴۰ اور ابن کثیر نے بدایہ ونہایہ ج ۱۱ ص ۲۸۰ میں لکھا ہے کہ اس جیسے انسان سے مروی روایات پر بھروسہ نہ کریں۔ وہ کہتے ہیں ایسے نقل کرنے والے فاسق کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ شراب پینے کو بے حرج سمجھتا تھا۔ آغانی خود کہتے ہیں اگر کوئی اس کتاب کو پڑھے گا تو اسے ہر چیز قبیح وبری نظر آئے گی، ابن تیمیہ نے ذہبی سے نقل کیا ہے کہ ہم نے تقی الدین ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ وہ اصفہانی کو ضعیف اور متہم کرتے تھے۔ خوانساری نے اپنی کتاب روضات الجنات ص ۴۵۷ پر اصفہانی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شیعہ ہے۔ اس کی نقل واضح نہیں ہے۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ وہ شیعہ ہے تو اس نے اس لئے تشیع کا اظہار کیا ہے تاکہ اس وقت کے بادشاہوں کے دربار تک رسائی ہو جائے اور وہ ان سے عطیات وجوائز کی خواہش کرے جیسا کہ ان بادشاہوں کی عادت تھی کہ وہ ان کے مداحوں کو کثیر عطیات سے نوازتے تھے، خوانساری لکھتے ہیں میں نے کتاب آغانی کو سرسری پڑھا اور اس کی ورق گردانی کی تو اس میں ضلالت وگمراہی، مذاق، قصہ کہانی کے علاوہ اہل بیت سے دوری اجنبیت کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا ہے، لہٰذا ان کی تشیع نمائی محض ریاکاری ہے۔ ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کریں اور حق گوئی کی مثال قائم کریں۔ تو اس کتاب کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر واضح ہونا چاہیے۔ ہمیں چاہیے اس کے بارے میں اظہار نظر کرتے وقت ایک نقاد صحیح کے طور پر اظہار نظر کریں۔

کتب قصص عرب آغانی جس کے مؤلف ابوالفرج اصفہانی ہے جو ایک لامذہب اور گندا انسان تھا جبکہ بعض فخر سے ایک نابغہ اور مؤلف قصص العرب کہتے ہیں انکے نزدیک اس نے ہمارے لئے بہت سا تاریخی مواد چھوڑا ہے جو ایک ذخیرہ ہے اگر ابوالفرج اصفہانی نہ ہوتے تو ہم ان ذخائر سے محروم رہتے۔ یہاں ایک جملے کا اضافہ ضروری ہے کہ اگر خرافات سے بھری کتب مجلسی وقتی نہ ہوتیں تو ہم بہت سے اباطیل سے محروم ہوتے۔ غرض ہم یہاں اس ذخیرے کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

عبداللہ فرزند جعفر طیار شوہر عقیلہ قریش زینب دختر علی مرتضی جن کے چار بیٹے میدان کربلا میں رکاب حسین میں شہید ہوئے ان کے گھر کو رقص وسرور کی جگہ پیش کیا گیا ہے اور لکھا ہے یہاں معاویہ گانا سننے کیلئے آتا تھا۔ عبداللہ جعفر نے اپنی بیٹی کو حجاج بن یوسف ثقفی بدجنس کے عقد میں دیا۔ عبداللہ بن جعفر لوگوں کو اونٹ

پرلدی اشرفیاں دیتے تھے اور معاویہ سے عطیات رواتب لیتے تھے۔اسی طرح ان کتابوں میں حضرات حسنین کو معاویہ سے مال لیکر غریب نوازی کرنے والا پیش کیا گیا ہے دختر عزیز حسین سکینہ کے گھر کو شعراء بے دین فاسق فاجر کا کباڑ خانہ متعارف کروایا گیا ہے۔

مؤرخ کبیر ابوالحسن اصفہانی شیعی حسب خوش فہمی صاحب اعیان شیعہ والذریعہ کا کہنا ہے کہ سکینہ شام سے واپسی کے بعد شعر ونقد شعر وشعراء کی محفل برپا کرتی تھیں، شعراء کو بہت سے جائزے سے نوازتی تھیں۔فاسق و فاجر زانی وشرابی فرزدق وجریر اپنے کلام سکینہ کو پیش کرتے تھے اور وہ ان کے اشعار کی قدردانی کرتی تھیں۔اس بات کو ابوالحسن نے اپنی کتاب مجموعہ آغانی یعنی گانوں کے مجموعہ کی کتاب میں ثبت کیا ہے۔

محقق نامدار مؤرخ کبیر علامہ محسن امین نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ ج ا میں ابوالحسن اصفہانی شیعی کی خدمات کی تجلیل وتقدیر کرتے ہوئے ان پروارد عائد الزام کو دفع کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے امانتداری سے اس تاریخی مواد کو ضائع ہونے سے بچا کر ہم پر احسان کیا ہے۔

بتائیں! یہاں سکینہ مظلومہ جنھیں آپ کے والد بزرگوار امام حسین نے آپ کو زہد وتقویٰ اور توجہ الی اللہ میں مستغرق تعارف کروایا اس عزیزہ کے حق میں کون ان کا مدافع تھا اور کون ان کے حق میں جنایت کار تھا۔کیا اس سے بدتر مسخ تاریخ کی کوئی مثال ملتی ہے، کیا کوئی تاریخ کا محقق یہاں سے تحقیق کرتے ہوئے اپنی جان سالم اور عزت واحترام کے ساتھ نکل سکتا ہے۔

ایام سوگواری امام حسین میں طول وعرض مملکت میں عمامۂ سیاہ وسفید پوش، عباپوش ذاکر وخطیب، مرثیہ خوان، نوحہ خوان کہتے ہیں، سکینہ نوعمر کہتی ہوئی روتی ہے بابا مجھے اپنی گود میں لے لیں، بابا کہاں ہیں مجھے اپنی گود میں اٹھالیں۔یہ کہہ کر روتی ہوئی شام کے زندان میں خواب سے اٹھتی ہے بابا کو آواز دیتی ہے، غش کھاتی ہے اور اسکی روح بدن سے نکل جاتی ہے۔یہ ذاکر وخطیب اور مرثیہ خوان ونوحہ خوان کے پسندیدہ مصائب ہیں۔اس کے برعکس محقق نامدار سید عبدالرزاق مقرم، سید جواد شبّر صاحب ادب طف کہتے ہیں؛ سکینہ میدان کربلا میں ازدواج شدہ تھی یا سن ازدواج میں تھی آپ عابدہ تھیں اور طویل عرصہ زندہ رہیں۔کیا سن ازدواج میں جانے والی لڑکیاں باپ کی گود میں جاتی ہیں۔عبدالرزاق مقرم اور خطیب بارع جواد شبّر کی تحقیق نامدار علمائے پاکستان وہندا سے قبول نہیں کرتے۔ان کا کہنا ہے اگر یہ صحیح بھی ہو تو بھی ہم نہیں مانیں گے اس کی دلیل میں قبلہ مرحوم ذیشان حیدر جوادی فرماتے تھے نہ یہ عقائد میں ہے نہ احکام خمسہ میں لہٰذا چونکہ ہم نے انہی میں جینا ہے اس لئے اس غلط تاریخ کو پڑھنے سے ہمارے مذہب پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا خلاف واقع جھوٹ پر کوئی حرج نہیں، غلط تاریخ کوئی پر احکام تکلیفیہ لاگو نہیں ہوتے۔بلکہ دروغ گوئی مجالس امام حسین میں بےحرج ناجائز ہے چونکہ رُلانے میں کام آتی ہے تو مستحسن بھی ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ امام صادق کو اپنے دور میں آزادی بیان ملی تو انہوں نے فقہ آل محمد کو برملا نشر کیا وہ بھری مسجد کے حلقہ اصحاب میں درس دیتے تھے پھر بھی لوگ بہت سے فتاویٰ امام سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں اس وقت آپ تقیہ میں تھے۔چنانچہ اس سلسلے میں کتب رجال میں جو مذتین زرادہ محمد بن مسلم وغیرہ کے بارے میں آیا ہے کہتے ہیں یہ ان اصحاب کی جان کو لاحق خطرات سے بچانے کیلئے از روی تقیہ فرمایا ہے امام اور اصحاب دونوں تقیہ میں تھے۔

اگر تاریخ پر نقد نہیں کرتے اور شعوبیوں کے انتقامی صفحات کو جوں کا توں رکھتے تو یہ تاریخ مسلمانوں کو قدیم دور یونان کے فسطائیت کی طرف لے جائے گی نہ کہ قرآن، محمد، حضرات اہل بیت، فدا کاران محمد اللہ کی طرف۔وہ انسان بدبخت دین فروش اور دجال ہے جو ذکر حسینی کے نام سے لوگوں سے دولت لیتے ہیں عزت لیتے ہیں وقت لیتے ہیں اور حسین کے نام سے رلاتے ہیں اور اپنے مواد میں ضد اسلام ضد قرآن ضد محمد، ضد اہل بیت اطہار، کی قصہ خوانی کرتے ہیں یہ لوگ بدترین خصیص ترین علمائے یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔انھوں نے دین کو جہنم پر جانے والی پٹری پر سوار کیا ہے۔

شعوبیت سے دفاع کرنے والوں کا کہنا ہے شعوبیت کے ظہور کے اسباب وعلل بنی امیہ کی طرف برگشت کرتے ہیں جہاں انہوں نے غیر عرب اسلام لانے والوں کو تذلیل وتحقیر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو دوسرے تیسرے درجہ کا مسلمان قرار دیا۔جب کہ تعلیمات اسلام وقرآن وسنت میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں یہاں کسی کو ایک دوسرے پر برتری نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔بنی امیہ نے اپنی برتری جتائی تو ان کی ضد میں شعوبیت وجود میں آئی اور شعوبیت کے داعی جواپنی جگہ دین کے مخلص تھے جس طرح غالیوں سے دفاع کرنے والے، لکھتے ہیں جب ان لوگوں نے ائمہ طاہرین سے خوارق عادات معجزات کے بارے میں سنا تو ان کی عقل انھیں ہضم نہ کرسکی جسکی وجہ سے انہوں نے انہیں اللہ کا مقام دیا ہے اسی طرح صوفیوں سے دفاع کرنے والے صوفیوں سے اس طرح دفاع کرتے ہیں اس

وقت کے ارباب اقتدار نے بے تحاشا اسراف وتبذیر کیا ان کو دیکھ کر دوسروں نے بھی اس طرح کیا تو دین کے دردمندوں نے قناعت کفایت شعاری دنیا سے چشم پوشی کرتے کرتے دنیا سے بے تعلق ہو گئے۔

ان سے دفاع کرنے والے شعوبی غالی صوفی ہیں۔شعوبیوں کا اس طرح کا دفاع خود شعوبیوں کی طرف سے بھی نہیں کیا گیا۔درحقیقت شعوبیوں نے بنی امیہ کے عربوں کی تذلیل کرنے کی ضد میں نہیں تھا بلکہ ان سب نے اسلام کی ضد میں یہ اقدام اٹھائے ہیں۔

شعوبیوں کے ایک گروہ نے عربوں کی ضد میں بات نہیں کی بلکہ انہوں نے عربوں کی حمایت کی ہے اور ان کیلئے فضائل بیان کیے ہیں لیکن وہ اس فضیلت بیانی میں منافق تھے۔عربوں کو اہل فارس سے لڑانے کیلئے انھوں نے یہ فضائل بیان کئے جیسے عبداللہ عنترہ۔جن لوگوں نے عربوں کے مثالب ومطائن بیان کیے ان کا پس منظر دینداری نہیں تھا بلکہ یہ لوگ مجوسیت کے حامل تھے انکی حرکات وسکنات سے پتہ چلتا ہے یہ لوگ تسلیم نہیں ہوئے تھے۔کیونکہ یہ لوگ فاسق و فاجر اور بے دین تھے ان میں ابی نواز معمر مثنی اور زیاد بن ابیہ سرفہرست ہیں۔

شعوبیت کیلئے کام کرنے والوں نے اپنی فکر کی استناد کو الحادیوں سے لیا ہے شعوبی باطنیہ کی ایک شاخ ہے۔قصہ ازدواج امام حسین شاہ زنان دختر یزدجرد سے پھر امام حسین کو داماد شاہ ایران کا افتخار دینا اور امام زین العابدین کو اہل فارس کا نواسہ قرار دینا شعوبیوں کے اختراعات میں سے ہیں۔سلمان فارسی کے فضائل و مدائح کو اس حد تک لے گئے کہ کبھی انھیں تمام اصحاب نبی پر برتری دی۔کبھی اہل بیت نبی میں شمار کیا اور کبھی علی سے بھی برتر دکھایا اور کبھی انکی نبوت کے قائل ہوئے چنانچہ کتاب معجم الفرق اسلامیہ تالیف شرف یحیٰ ص ۱۳۵ پر لکھتے ہیں: السلمانیہ یکے از فرق غلاۃ ہے جو نبوت سلمان فارسی کے قائل ہیں۔کبھی کہتے ہیں نبی کریمؐ کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے صرف سلمان اور چار پانچ افراد باقی رہ گئے۔مقام نبوت پر فائز ہونے کے عقیدے کا اعتراف مؤرخ محقق غالی مرتضی عاملی نے اپنی کتاب سلمان فارسی کی سطورات میں کیا ہے۔

شعوبیت ہی اس وقت ہمارے ملک میں سندھی پنجابی بلوچی پختون بلتی کبھی فرقے شیعہ جعفری سنی تحریک کبھی عوامی بحالی جمہوریت کے نام سے اسلام والحاد کے مشترکہ مظاہرے کر کے فتنہ فساد پھیلا رہے ہیں کبھی الگ صوبے کی تحریک چلاتے ہیں۔چنانچہ ہمیں شعوبیت کے حامیوں،ان کے داعیوں کے پس منظر افکارات،کلمات اور طریقہ کار کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔

دوسری صدی سے یہ گروہ اس میدان میں سرگرم ہوا۔کسی نے پرچم علم کو اٹھایا کسی نے اسی کو غرض وغایت کل قرار دیا کسی نے اوراد اور اذکار کا بازار بنایا کسی نے فقہ کسی،نے فلسفہ کسی نے شعر کی متاع بنائی ان کے عمائد میں یہ افراد ہیں بعض مؤرخین ان کو مفاخر اسلام گردانتے ہیں کتاب موسوعہ ج ۲ ص ۱۰۷۸ میں آیا ہے: بنی امیہ فتح مکہ کے بعد اسلام کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کا دور دورہ دیکھنے کے بعد اقتدار لینے والے ہیں۔ان کے رویہ سلوک کا انتقام اسلام و مسلمین اور دیگر عربوں سے بطور کلی لینا کوئی منطق نہیں رکھتا۔اگر شعوبی بنی امیہ کی ضد میں وجود میں آئے تو انھیں چاہیے تھا وہ بنو امیہ کی مخالفت کرتے' کیوں انھوں نے تمام عربوں کے خلاف مہم چلائی کیا دین اسلام پھیلانے میں محمدؐ کو اپنے آشیانہ جان ومال کے نذرانہ کرنے والے یہی عرب نہیں تھے۔

کتاب مفردات من الحضارۃ الاسلامیہ،تالیف محمد راجی حسن کناس ص ۲۸۳،پر ہے شعوبیت ایک مبغوض گرائش ہے جس کا تاریخ نویسی میں بڑا منفی کردار ہے ان کے توسط سے تاریخ اسلام میں بہت سی غیر اسلامی اقدار داخل ہوئی ہیں اس گروہ کی کوشش رہی ہے کہ غیر عربوں کو عربوں پر برتری دیں اور عرب کو ایک منحوس،نالائق اور پست قوم پیش کریں یہ گروہ ابتدائے دور عباسی میں خوارج مجوس مسیحیون سے وابستہ گروہوں سے تعلق رکھتا تھا ان میں بشار برد،ابونواس اور ابوعبیدہ وغیرہ شامل ہیں۔یہ فکر سورہ حجرات آیت ۱۵ سے متصادم ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ "حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔وہی سچے لوگ ہیں"۔میں مومنین کو اخوہ کہا ہے اور سورہ حجرات کی آیت ۱۳ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ "لوگو،ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ

پرہیز گار ہے ۔یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے‘‘۔ میں فضیلت کو اہل تقویٰ کیلئے مختص کیا ہے‘اس طرح سنت نبیؐ سے متصادم ہے ۔نبی کریمؐ نے فرمایا‘کسی عربی کو عجمی پر فضیلت وبرتری نہیں مگر تقویٰ کے ذریعے ۔

عصبیت:-[کتاب موسوعہ فقہیہ تالیف کبار علمائے اسلام ج۳۰ص۱۳۴]

عصبیت وکالت‘مدافعت یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت میں ہو اصطلاح فقہی میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے‘اس کے مترادفات حمیت‘انفیت‘غیرت کے کلمات بھی استعمال ہوتے ہیں عصبیت اپنے عشیرہ‘قبیلہ کے مظالم کے نصرت کیلئے دعوت دینے کو کہتے ہیں یہ نص قرآن کریم کی آیت ۲ کے تحت حرام ہے ۔آیت کے علاوہ نبی کریمؐ کی طرف سے روایات میں بھی آیا ہے فرمایا: **’’لیس من نادعا الی العصبہ‘‘** وہ شخص جو عصبیت کی طرف دعوت دیتا ہے وہ ہم سے نہیں ہے عشائر وقبائل سے چاہے ظالم ہو یا مظلوم دونوں صورت میں دفاع سنت وسیرت عرب جاہلی تھا اسلام نے اس کو دفنایا ہے اسلام نے مناصرہ ومعاونہ کو ایمان کی بنیاد پر قائم کیا ہے جیسا کہ سورہ توبہ آیت ۷۱ میں آیا ہے ۔

عصبیت کی ایک شاخ عصبیت فرقائی ہے یعنی اسلام کو نظر انداز کر کے اپنے فرقہ سے دفاع‘چاہے وہ مظلوم ہو یا ظالم‘صادق ہو یا کاذب‘عصبیت ایک ضخیم‘سیاہ پردہ ہے جو انسانوں کے دل وبصر پر چھائی ہوئی ہے چنانچہ آیت غشاوہ میں آیا ہے اس مرض قلبی وبصری نے بہت سے مؤرخین معاصر کو اپنے لپیٹ میں لیا ہے ہم یہاں پر تین اہم شخصیات کے کھلے عصبیت کی بنیاد پر حق وحقیقت اور صداقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے ظالم‘کاذب فرقہ کی حمایت میں تاریخ کا تحلیل و تجزیہ وتحقیق کے نام سے جو جنایات کی ہیں اس کی چند مثال پیش کرتے ہیں:

عصر حاضر کے مؤرخ کبیر تجزیہ وتحلیل علامہ عاملی نے تاریخ صحیح کے نام سے کئی جلدیں لکھی ہیں ان میں انہوں نے ابوبکر کی سبقت ایمانی‚سبقت ہجرت غار اور سفر ہجرت کو جان فشانی کرتے ہوئے رد کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ فرقہ کسانیہ وقدا حیہ نے حضرت زہراء کے نام سے مسلمانوں میں تفرقہ کے جو شعلے بلند کئے ہیں انہیں سراہا ہے ۔مرحوم آیت اللہ فضل اللہ نے احتیاطی کلمات میں خطاب کیا تھا کہ ان بحثوں کو عوامی اجتماع میں پیش کرنے کے بجائے درسگاہوں میں تحقیقاتی مجالس تک ہی محدود رکھنا چاہیے ۔ان کے اس بیان کے خلاف انھوں نے مآساۃ الزہرا لکھ کر فضل اللہ کو دشمن زہرا گردانا ۔نیز عاملی کی تائید میں علم فقہ واصول کے موجودہ نابغہ کا دعوی رکھنے والوں نے اپنے مقلد بنانے کی خاطر اسکی مخالفت میں اپنی قیام گاہ سے پابرہنہ جلوس کا اہتمام کیا‚لہذا جہاں دعویٰ دلیل سے بے بہرہ ہوتا ہے کوئی دلیل نہیں ہوتی تو وہاں اپنے مدعا کو جلسہ وجلوس گالم گلوچ سے ہی ثابت کیا جاتا ہے ۔

دوسری شخصیت آیت اللہ جعفر سبحانی کی ہے آپ نے اپنے فرقہ میں سیرت نبیؐ کی کمی کو پورا کرنے کیلئے مصادر سنی سے ایک کتاب فروغ ابدیت لکھی ہے جس میں نبی کریمؐ کی ولادت کے بارے میں خوزستان میں جہاں اکثریت اہل سنت رہتے ہیں کسی عالم دین دانشور نے آپ سے پوچھا کہ حضرت عالی اس کی کیا منطق ہے مسلمان ابھی تک اپنے نبیؐ کی تاریخ ولادت پر اتفاق نہیں کر سکے تو آپ نے ان کے جواب میں فرمایا آپ بتائیں اگر آپ کے گھر میں بچہ پیدا ہوتو اس کی تاریخ پیدائش آپ کو پتہ ہوگی یا مجھے؟ اس پر سوال کنندہ سمجھ گیا کہ آپ کے دل پر فرقے کی پٹی بندھی ہے ۔یہاں سے ہم قارئین کرام کو ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں ۔تاریخ چاہے مرسلات پر مبنی ہو یا عصبیت پر یا گرائش پر مبنی ہو تاریخ کو تاریخ کہہ کر مؤرخ کی دشمنی میں رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ تاریخ کو رد کرتے وقت دلائل سے رد کرنا پڑتا ہے لہذا ہر کتاب اول سے آخر تک جس طرح صحیح نہیں ہوتی اسی طرح غلط بھی نہیں ہوسکتی اس میں صحیح وغلط دونوں شامل کئے جاتے ہیں ۔مؤرخ متعصب کبھی صحیح لکھتا ہے اور کبھی غلط ۔

حدیث افک میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: افک یعنی (ہر سنی سنائی بات) سعد بن عبادہ جو رئیس قبیلہ خزرج تھے خود مرد صالح تھے لیکن حمیت وغیرت اور غصہ انہیں جہالت میں لے گیا کیونکہ سعد بن معاذ اوسی نے کہا: اگر حدیث افک میں غور کیا جائے اور ہمارے خزرج بھائی ہمیں حکم دے دیں تو ہم تمہاری بات کو مان لیں گے‚تو سعد بن عبادہ نے کہا: اللہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا ‚نہ تم اسے قتل کرتے ہو اور نہ قتل کرنے کی قدرت رکھتے ہو اگر وہ تمہارے قبیلہ سے ہوتا ہے تو تم اسے قتل کرنا پسند نہیں کرتے ۔

ایک دفعہ اوس اور خزرج کے درمیان تند وتیز گفتگو چھڑ گئی یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کو مارنے کیلئے تیار ہوگئے تو پیغمبرؐ منبر پر تشریف لے گئے اور

فرمایا: دیکھو یہ دو قبیلے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں جبکہ دونوں رسول اللہؐ کے حضور میں ہیں ایک قبیلہ نے دوسرے قبیلہ کیلئے ایسی بات کہہ دی انہوں نے حماقت ونادانی کی، جاہلیت کی، غیرت اور قبائلی عصبیت نے اجتماع کے اعتدال کو توڑنے میں کیا کردار ادا کیا؟ اس سلسلے میں کتاب (بخاری باب: جو چیز دعوائے جاہلیت کرنے سے روکتی ہے) میں جابر انصاریؓ سے نقل ہے: ''ہم پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ میں تھے اور مہاجرین کے ساتھ ایک لعاب (لکھنے والا) شخص تھا اس نے ایک انصاری کے پیٹ پر مارا تو انصاری غصہ میں آیا ان کا آپس میں جھگڑا ہوا، انصاری نے پکارا اے میرے انصاری بھائی! تو مہاجر نے بھی آواز دی اے میرے مہاجر بھائی! ان کی فریاد پر پیغمبرؐ نکلے اور فرمایا: ''یہ اہل جاہلیت کا دعویٰ ہے'' عرب اور مسلمانوں کے دشمن عرب کی اس طبیعت کو بخوبی جانتے ہیں چنانچہ انھوں نے قبائل کی اتحاد و یکجہتی والی اس الٰہی نعمت کو دوبارہ خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔

کبھی عصبیت اور غیرت لوگوں میں شقاوت واختلاف کے اسباب میں سے ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے بھائی کی نصرت ومدد کی دعوت دیتی رہتی ہیں چاہے بھائی ظالم ہو یا مظلوم اور یہی چیز مذہب جاہلیت ہے۔ واثلہ بن اسقع نے رسول اللہؐ سے پوچھا: آیا کسی شخص کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت میں شمار ہوتا ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہاں۔ قبیلہ اور عصبیت کو مکروہ ومذموم قرار دیا ہے اور جنگ میں قبیلہ کا نام لینے سے سختی سے منع کیا ہے چنانچہ احمد بن حنبلؒ سے نقل ہے: شاس بن قیس یہودی اوس وخزرج کے ایک اجتماع کے قریب سے گزرا جہاں وہ گفتگو میں سرگرم تھے، اسلام کے آنے سے ان میں الفت ومحبت اور صلاح وہمدردی پیدا ہوچکی تھی جبکہ جاہلیت میں ان میں بغض وعداوت تھی، یہودی یہ دیکھ کر بہت غیض وغضب میں آیا اور خود سے کہنے لگا: اگر یہ لوگ متفق ومتحد ہوکر کوئی فیصلہ کرلیں گے تو ہمارا کیا حال ہوگا، اس نے یہود کے ایک جوان سے کہا: جلدی ان کی محفل میں جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھو اور انھیں ''یوم بعاث'' [اس دن اوس اور خزرج میں بہت لمبی جنگ ہوئی اور آخر کار اوس جیت گیا] کو یاد دلاؤ اور وہاں پڑھے گئے اشعار کو دہراؤ تاکہ ان کے دلوں میں پرانی نفرتیں تازہ ہوجائیں چنانچہ اس یہودی جوان نے ایسا ہی کیا، دیکھتے ہی دیکھتے ان کے درمیان پرانی دشمنی دوبارہ اٹھی اور وہ ایک دوسرے پر غرور اور غصہ کرنے لگے، یہاں تک ان کی آواز بلند ہوئی السلاح السلاح: تلوار، تلوار۔ یہ بات پیغمبرؐ تک پہنچی تو آپؐ مہاجرین وانصار کو لے کر ان کی طرف نکل پڑے اور ان سے خطاب کیا اور فرمایا: کیا جاہلیت کے دعویٰ کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں، اب جبکہ اللہ نے تمہیں اسلام کی کرامت وشرافت سے نوازا ہے اور تم سے جاہلیت کو دور کیا، دلوں میں الفت ومحبت پیدا کی تو تم اس چیز کی طرف پلٹنا چاہتے ہو جس پر تم کفر کے دور میں تھے؟۔ اس طرح ان پر واضح ہوا کہ یہ شیطان کی فکر اور دشمن کی چال تھی۔ پھر انھوں نے اسلحہ ہاتھوں سے پھینک دیا اور ایک دوسرے سے گلے لگ کر رونے لگے اور پیغمبرؐ کے ساتھ سمعاً وطعاً کہہ کر نکل پڑے۔ دعویٰ جاہلیت جسے اسلام نے مکروہ قرار دیا ان کا میدان جنگ میں یہ کہنا کہ اے آل فلاں، اے آل فلاں جہل اور بے صبری کی علامت اور حلم وصبر کا فقدان ہے جو اجتماع میں شر و رپھیلاتا ہے اسی خاطر اسے زمانہ جاہلیت کہا ہے کیوں کہ یہ جہل سے لیا گیا ہے جو حلم وصبر کے خلاف اور بمعنی سفاحت ہے کیونکہ جہل تمام مفاسد کی جڑ ہے جو جاہلیت اور عداوت کو اور حق سے روگردانی کو زندہ کرتی ہے یہ بچوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم اور بت پرستی کی طرف کھینچ کر لے آتی ہے لہٰذا ''جہل'' کا اسلام سے پہلے زمانے کیلئے وضع ہونا، جزء کا کل پر اطلاق ہونے کے باب سے ہے کیونکہ یہ جزء اس کے علاوہ دیگر صفات کا بھی حامل ہوتا ہے۔

اسم جاہلیت قرآن میں چار جگہ پر آیا ہے اور ہر مقام پر اس دور کی کسی مذموم صفت کا اس کی طرف اضافہ کیا گیا ہے:

۱۔﴿يَظُنُّونَ بِاللهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کررہے تھے۔'' (آل عمران ۱۵۴)

یہ منافقین تھے جو اللہ کی نسبت بے دلیل اور ناحق ظن وگمان کرتے تھے یہ آیت غزوہ اُحد میں نازل ہوئی ہے جب مسلمان پریشان تھے اور منافقین کا خیال تھا کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ہرگز نہیں کرے گا چنانچہ اپنے لئے جائے پناہ تلاش کررہے تھے۔

۲۔﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ ''کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں'' (مائدہ ۵۰) اس آیت میں آیا ہے جو حکم الٰہی سے جو ہر حوالے سے خیر ہے روگردانی کرتا ہے اور دوسری آراء، خواہشاتِ نفسانی اور شریعت خدا کو چھوڑ کر انسانوں کے خود ساختہ اور فاسد قوانین کو اپناتا ہے وہ جاہل ہے، جس طرح اہل جاہلیت ضلالت اور جہالت کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے اور قوانین بناتے تھے۔

۳۔﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ ''سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو'' (احزاب ۳۳) زمخشری اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں: ''یہ

جاہلیت اولیٰ جسے جاہلیت جہلا کہا جاتا ہے کچھ کی نظر میں یہ آدمؑ اور نوحؑ کے زمانے کو کہتے ہیں بعض نے ادریسؑ اور نوحؑ کا دور بتایا ہے بعض نے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا دور ذکر کیا ہے اور دوسری جاہلیت حضرت عیسیٰؑ سے حضرت محمدؐ کے درمیانی دور کو کہا ہے۔

سورہ فتح میں: ﴿اذجعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیہ﴾ کے کلمہ "الحمیۃ" کی تفسیر نخوت وغیرت سے کی گئی ہے۔

اسلامی اور الحادی ثقافت میں آمیزش :

ثقافت مصدر ثقف بروزن کرم ہے کتاب صحاح لغت میں آیا ہے۔ اس کے معانی میں حذاقت ظرافت اور سرعت ادراک ہے اگر کہیں فلاں ثقیف ہے یعنی وہ فطین ہے ذکی ہے یہ کلمہ ظفر، غلبہ، حصول قوت، مرادفہ، تسویہ، ادراک، تقویم، اصلاح کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ﴿ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ﴾ "اور انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کرو۔" (بقرہ ۱۹۱)

﴿ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴾ "اگر آپ لڑائی میں ان پر غالب آجائیں تو (انہیں کڑی سزا دے کر) ان کے ذریعے بعد میں آنے والوں کو بھگا دیں اس طرح شاید یہ عبرت حاصل کریں۔" (انفال ۵۷)

﴿ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴾ "ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے" (احزاب ۶۱)

﴿ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴾ "ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمھیں آزار دیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ" (ممتحنہ ۲) میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔

تاریخ اور ثقافت میں کیا رشتہ ہے کیا تاریخ اور ثقافت کے درمیان رشتہ سمندر اور بارش کی مانند کہ بارشوں سے سمندر بھرتا ہے اور پھر سمندر سے بخارات کی صورت میں بارش بنتی ہے۔ ارباب اقتدار سیاسی واقتصادی اپنے دور اقتدار میں اپنے عزائم کو بھرپور طریقے سے ثقافت کے نام سے فروغ دیتے ہیں۔ گزشتہ زمان کے بعد یہ ثقافت اس قوم کی تاریخ بن جاتی ہے۔ تعریف ثقافت میں کہتے ہیں فالثقافۃ ہی اسلوب طریقہ حیاۃ مجتمع بعض نے اسے تعلیم وتربیت بعض نے عادات و تقالید بعض نے نظام اقتداری یا اجتماع کہا ہے۔ انسانی اجتماع چند زاویے کا حامل ہے۔

پہلی ثقافت آباؤ اجداد کی روایات پر باقی رہنا ہے۔ سالہا سال سے یہ معاشرہ اپنی عاداتِ تقالید کو نہیں چھوڑتا۔ جسے معاشرہ مشرکین کہتے ہیں ان کا کہنا ہے آبا و اجداد کی روایات قوی روایات ہیں۔ دوسرا معاشرہ متحرک ہے وہ ہر سال مہینے ہر ہفتے میں دگرگونی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ تیسرا معاشرہ وہ ہے جو ایک طرف کو پکڑ کر رکھتا ہے تو دوسری طرف چھوڑ دیتا ہے یہ متغیر رہتا ہے۔ ثقافت عصر حاضر کے مفہوم میں ہر قسم کی معرفت چاہے وہ عملی ہو یا نظری، تجرباتی ہو یا فکری انسان کی ترقی وتمدن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یا اسے سلوک وتہذیب کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کلمہ ثقافت تمام وسائل فکر وعمل وتجربہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں آیا ہے کسی بھی معلومات واخبار کے رد وقبول میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس میں بحث وتحقیق کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ دوسرا اسکی شناخت قرآن سے کرنے کا حکم ہے۔ جس چیز سے قرآن نے روکا ہے اور اسے باطل اور ضرر رساں قرار دیا ہے گرچہ بادی نظر میں وہ نفع بخش ہی کیوں نہ ہو وہ ضرر رساں ہوگی۔ چنانچہ یہ حقیقت سورہ میں بیان ہوئی ہے۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ "تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب کہ وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار گزرے مگر وہی تمہارے لیے بہتر ہو، (جیسا کہ) ممکن ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو مگر وہ تمہارے لیے بری ہو (ان باتوں کو) خدا بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" (بقرہ ۲۱۶)

اس وقت مغربی ثقافتی جنگ کے مقابلے میں ہمارے ملک کے حکمران و دانشوران علماء اعلام اپنی ہزیمت تسلیم ہونے کا اعلان کر چکے ہیں یہ حضرات تنہا تسلیم نہیں ہوئے ہیں بلکہ گرویدہ جنرل مشرف ہو چکے ہیں ان کا خیال اب سرسید احمد خان سے وصل ہو چکا ہے ان کا جینا مرنا مغرب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے ہماری تمام تر بقاء ودوام کا راز مغربی ثقافت کو بغیر کسی استثناء وترمیم کے دل وجان سے قبول کرنا چاہیے۔ جبکہ دوسری فکر یہ ہے کہ ہمیں اس شیطانی وابلیسی

ثقافت کو چھوڑ کر تعلیمات اسلامی سے مزین ثقافت کو اپنانا چاہیے۔ یہی ہمارا دین و دیانت ہے۔

علماء و مفکرین اسلامی کا کہنا ہے امت اسلامی کو اس وقت جس سیاہ روزگار کا سامنا ہے اور امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ یہ سب مغربی اور الحادی ثقافت کے تسلط کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ غلبہ سیاسی یا عسکری ہوتا تو وہ اپنے مراکز تک ہی محدود رہتا لیکن لشکر ابرہہ ثقافت نے اندرون خانہ مورچے بنالئے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک دوسرے کو پکارنے والے کلمات بھی الحادی ثقافت پر مبنی ہیں۔ امام جماعت و جمعہ خطیب منابر اسلامی غیروں کی ثقافت کو استعمال کرنے کو اپنے لئے فخر اور اعزاز محسوس کرتے ہیں۔ یہاں کے مبدع و مبتکر خرافات کثیر جان علی شاہ صاحب نے مدرسہ امام خمینی سولجر بازار میں مجلس عاشورا امام حسین کے سوگواران کو بائیبل کا درس دیا جیش ابرہہ ثقافت اس طرح کی واردات کرتے ہیں۔ دینی کتابوں مجلوں کی پشت پر انگریزی حروف میں لکھتے ہیں۔ یہاں تک مجلّہ ثقلین صادرہ مجمع اهل بیت کتابهای مؤلف آیت اللہ بزرگوار جوادملی حسن آملی مصباح یزدی کی کتابوں کے پشت پر کتابوں کا نام انگریزی میں لکھتے ہیں حتی کہ قرآن فہمی کی تحریک چلانے والی جماعات بھی آیات قرآن کریم کے نمبر کو انگریزی حروف میں لکھتے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو کہتے ہیں آپ تنگ نظر ہیں گویا بے جا اور بے مقصد انگریزی حروف استعمال کرنے کو وسعت نظری کا شعار گردانتے ہیں۔ کسی بھی چیز شخص' شہر' دکان' کارخانہ جات' روڈ' میدان' مجلّات' صحوف و کتب ہر ایک کی شناخت انکے ناموں سے ہوتی ہے۔ ممکن ہے عرصہ دراز گزرنے کے بعد مغرب والے کہیں یہاں اسلام سے پہلے انگریز آئے تھے یہ انکی کالونی تھی اللہ ایسے روزگار سے بچائے۔ مسلمان کو جو ہر حوالہ سے ایک ملت ممتاز مستقل ہیں اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں خود کفیل بھی ہیں انھیں ہر حال میں اپنے استقلال اور خود مختاری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ میدان ثقافت میں انتخاب اسماء کو بھی وسیع و عریض مقام دینا چاہیے۔ اس مملکت خداداد' نام دل ربا' پر کشش پاکستان جس کی تاسیس و استقلال کے بارے میں یہ جملہ کہا جاتا ہے پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔

یہ نعرہ اس ملک کے سیکولر' متضارب' متقاتل متحارب فرقوں کو بھی جلوسوں میں کہتے سنتے ہیں جب ایسا ہے تو اس ملک کی ہر چیز کا نام اسلامی ہونا چاہیے یہاں ہر شخص کو اسلامی قرآنی ہونا چاہیے یہاں ہر شخص' شہر' دکان' سڑک' جرائد' اخبار' مجلّاد' کتب سب کا نام قرآن و سنت میں آئے ہوئے نام سے کرنا چاہیے۔ کتب تربیت میں آیا ہے والد کو چاہیے اپنی اولاد کے اچھے نام رکھے آپ کی دکان آپ کا کارخانہ' روڈ آپ کا بنایا ہوا ہے اس کا نام بھی اسلام کے مطابق رکھنا چاہیے۔ اگر آج جیش ابرہہ ثقافت مغرب سے آزادی اور اللہ سے قرب حاصل کرنے اور اپنے استقلال کو بحال کرنا ہے تو ذلت و خواری او مغربیت زیستی اور ثقافت استعمار کی بول چال رہن سہن کے مظاہر کو چھوڑیں۔

اس ملک کو فقر و فاقہ اور بدبختی میں رکھتے ہوئے مغربی ثقافت نافذ کرنے کی سرتوڑ کوشش کو نشان ترقی و تمدن گردانتے ہیں یہاں تک علماء وسعت نظری دکھانے کیلئے اپنی تقریبات کی تاریخ اور وقت انگریزی زبان یا حروف میں لکھتے ہیں' مغربی ثقافت سے اسماء گزاری کرتے ہیں بچے کچھے نام جو رہ جاتے ہیں اس پر فرقوں کی ثقافت کا قبضہ ہے۔

جب یہ ملک اسلامی ہے تو نام بھی اسلامی ہونا چاہیے۔ یہاں صدر اسلام میں پیغمبرؐ کی رکاب میں' خلوت و جلوت میں پیغمبرؐ کے فداکاروں کے ناموں کو فروغ ملنا چاہیے۔ اس میں نبی کریمؐ کے ہمراہ جنگوں میں شجاعت و مردانگی دکھانے والے ایثار و قربانی دیکھانے والے اور نبی کے بعد امت محمد کی قیادت کرنے والوں کا نام ہونا چاہیے لیکن اہل بیت کے پیروکار ہونے کے دعویدار تفاخر کرنے والے یہاں اہل بیت کی سیرت طیبہ سے منہ موڑتے ہیں ورنہ حضرت علی، امام حسین نے اپنے بیٹوں کے نام انکے نام پر رکھے ہیں۔ جنھوں نے رکاب امام حسین میں جام شہادت نوش کیا۔

لیکن بدقسمتی سے ان اصحاب باوفا کے نام گرامی ناموں کو ہٹانے کیلئے عمائدین قائدین انسانی عقیقے دیتے آئے ہیں ان میں سے ہمارے قائد محترم آقائے ساجد ہیں جنھوں نے اس کیلئے چند عقیقے دیئے تھے جبکہ صوفی اور فرقہ واریت کو فروغ دینے والوں کے ناموں کو فروغ دیا تا کہ یہاں کی آنے والی نسل انہی کی یاد میں فرقہ واریت کو فروغ دیتی رہے۔ یہاں اسلام سے ہٹ کر پرانی روایات یا جدید مغربیت سے ماخوذ اسم گزاری کرنے والے ان ناموں کے ساتھ فلسفہ تراشی کرتے ہوئے امت مسلمہ کو مزید خرافات' خیالات و وہمیات' کے سمندر کی موجوں اور تہہ میں غرق کر رہے ہیں۔

ثقافت اور تاریخ:

ثقافت اور تاریخ میں کیا واسطہ اور رشتہ ہے ثقافت کس طرح تاریخ کو اٹھاتی ہیں اور کس طرح اسے زوال و نیستی کی طرف دھکیلتی ہے۔اس کیلئے ثقافت کا مفہوم واضح و روشن ہونا ضروری ہے ثقافت ایک لغت مکالمہ کو کہتے ہیں کبھی لباس، رہن سہن بود و باش کے انداز طور طریقوں اور کبھی گھٹیا گری ہوئی رسومات رقص و ناچ ہنسی مذاق لڑائی جھگڑے بے بنیاد سالگرہ برسی پتنگ وغیرہ ان ثقافتوں کا رواج اپنی جگہ مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ہر ایک کی اپنی بنیاد و ریشہ ہوتا ہے ان کی برگشت شرک قدیم آباء یا جدید غرب نوازی پر ہوتی ہے۔مختلف بہانے سے کھلے عام کفریات بکتے ہوئے ترقی و تمدن کے نام نہاد شعار بلند کرتے ہیں حتیٰ وہ افراد جو خود کو پیروی ولایت فقیہ کہلاتے ہیں وہ بھی اس ملک کے تعلیمی نظام کو انگریزی زبان میں تبدیل کرنے کے مزموم عزائم رکھتے ہیں۔اس پر تعجب کی لہر میں اس وقت طوفان آیا جب فاطمیہ سکول جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ فاطمہ دختر محمد کے نام گرامی پر ہے جس طرح مرتضی مصطفی کے نام سے دھوکہ دے کر اسماعیلیوں کے عقائد پڑھائے جارہے ہیں، اس سکول میں بچوں کو شعار صلیبی ٹائی پہن کر آنے کا حکم ابھی چند سال پہلے سے سننے میں آیا ہے جس پر ہمارے پڑوس کے ایک نوجوان کاشف نے احتجاج کیا تو قبلہ فاضل محترم آقائے اصغر شہیدی نے جواب دیا انتظامیہ نے فیصلہ کیا ہے اب ہم کیا کر سکتے ہیں جس طرح رئیس کاروان العصا آقای داؤد دوانی نے قرآن وسنت کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا قرآن وسنت اور فتویٰ میں تزاحم کی صورت میں فتوای مجتہد مقدم ہے یہی ہمارے محترم گرامی قدر رئیس محکمہ شرعیہ آقای شیخ محمد صادق کا فرمان ہے قرآن میں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔علامہ شہیدی کے پاس انتظامیہ کے فیصلے کے بعد ٹائی کی قباحت ختم ہو جاتی ہے اس کا نام دہری شریعت ہے۔اگر چہ ان سب کا ریشہ باطنیہ سے ملتا ہے اور باطنیہ کا رشتہ کفر سے ملتا ہے۔

فنون عاد و ثمود کو اسلامی فن کے نام سے رواج:

جہاں تک اسلام کی بات ہے تو قرآن وسنت کے دائرے سے باہر کوئی اسلام نہیں ہے۔اسلام غریبوں کو محروم کرکے اور اسلام کو کنارے پر لگانے والے فن و فنون کی اجازت نہیں دیتا۔بعض اقلام سیرت مشرکین کی تاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم اس میں سبقت رکھتے تھے فن عمرانی کے حوالے سے ہمارے پاس چار نمونے ہیں دو نمونے ماقبل از اسلام عاد و فرعونی ہیں جس کی قرآن میں مذمت آئی ہے۔دوسری مثال شاید مسجد دمشق سے شروع ہوتی ہوئی بنی عباسی کے ادوار سے گذرتے ہوئے آج کے دور سے ملتی ہے۔قرآن کریم میں عمرانیات سے متعلق دو سوروں میں ذکر آیا ہے دیکھتے ہیں۔﴿ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (٧) الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (٨) وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِي (٩) وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ (١٠) الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (١١) فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ (١٢) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (١٣) إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾ (فجر ۷-۱۴) ان آیات میں ان نکات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

﴿ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴾ ''کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک بے سود یادگار بناتے ہو؟ اور تم بڑے محلات بناتے ہو گویا تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔'' (شعراء ۱۲۸-۱۲۹) ان آیات میں درج ذیل نکات کی طرف متوجہ کیا ہے۔

۱۔آیا ہر بلندی اونچائی پر تعمیرات کا کھیل کھیلتے ہو۔

۲۔ایسے قصور مصنوعی بناتے ہو گویا تمہیں یہیں پر ہی ہمیشہ رہنا ہے دونوں آیات میں دو کلمے ایسے ہیں جس کی تشریح ضروری ہے ایک کلمہ تعبثون ہے یہ تعمیرات در حقیقت ایک قسم کا کھیل ہیں دوسرا نکتہ اتنی محکم تعمیرات اس حوالے سے بھی درست نہیں جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ ہے۔کلمہ عبث قرآن کریم کی ان آیات میں آیا ہے۔

﴿ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴾ ''کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک بے سود یادگار بناتے ہو؟'' (شعراء ۱۲۸)

﴿ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴾ ''کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں عبث خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹائے نہیں جاؤ گے؟'' (مومنون ۱۱۵)

کلمہ خلو و پست جمودی کیلئے آیا ہے۔

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ ''اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے طفیل اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن اس نے تو اپنے آپ کو زمین

بوس کردیا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابعدار بن گیا تھا لہٰذا اس کی مثال اس کتے کی سی ہوگی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان لٹکائے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان لٹکائے رکھے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، پس آپ انہیں یہ حکایتیں سنا دیجئے کہ شاید وہ فکر کریں'' (اعراف ۱۷۶)

﴿ یَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴾ ''وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس طرح رہے گا'' (ہمزہ ۳)

[تفسیر کاشف ج ۵ ص ۵۰۹] ہر وہ تعمیر جو انسان کی ضروری حاجت کو پورا کرے وہ انسان کیلئے خیر ہے انسان دنیا میں حیات اخروی بنانے کیلئے آیا ہے وہ تعمیرات میں مصروف ہوا س کی کوئی منطق نہیں بلکہ یہ شر محض ہونے کے ساتھ اپنی ذات ملت اور دین سے کھیل ہے۔

[تفسیر شعراوی ج ۲ ص ۱۰۱۷] کلمہ عبث ''العبث هو الفعل الذي لاغاية له ولافائدة منه'' انسانی افعال ان حرکات سے خالی نہیں ہیں:

۱۔ افعال جدی جو اہداف غایات و مقاصد عقلائی رکھتے ہوں۔

۲۔ عبث جنکی کوئی غرض و غایت عقلائی نہیں۔

۳۔ وہ فعل جو غرض و غایت بچگانہ رکھتے ہیں۔

۴۔ وہ فعل جو کسی کو بے حس رکھنے کیلئے اس سے کروائے جائیں جس کا فائدہ عامل کو نہیں بلکہ کروانے والے کو ہو۔

تعمیرات جس نوعیت کی بھی ہوں ذاتی شخصی ہوں جیسے رہائشی مکانات یا اجتماعی ہوں جیسے مساجد مدارس امام بارگاہیں وغیرہ یا سیاسی ہوں، جتنے بھی اماکن حکومتی یہ اپنی اولاد و نسل، ملت و مملکت اور اپنے دین سے خیانت ہونے کے ساتھ صریح آیات قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفاء راشدین کے خلاف ہے بلکہ یہ سیرت خلفاء بنی امیہ بنی عباس اور سیرت امراء خلفاء و سلاطین ہیں یہ اعمال اپنی جگہ خیانت مالی کے علاوہ تربیت عیاشی کے ساتھ عقول کو جام کرنے کے مترادف ہیں۔ سوال ہے ایک انسان یا گروہ حکومتی کو کتنی پشتوں کیلئے رہائش کا بندوبست کر کے جانا ہے؟

مستقبل میں اسکی کیا مصروفیت ہوگی۔ اسی وجہ سے ہماری نسلیں فاسد چور ڈاکو، غیروں کے نوکر ملازم بن گئے ہیں اور آقائیت آزادیت خود مختاریت کھو بیٹھے ہیں۔ مفت کھانے کی عادت نے جائیداد فروشی ملک فروشی ناموس فروشی و دین فروشی پر مجبور کر دیا ہے۔ ایسے اعمال کو قرآن کریم نے فعل عبث و دیوانگی و بے وقوفی کہا ہے لیکن جتنے بھی اجتماعی اور سیاسی دینی تعمیرات و محلات یہ بقول ان کے وجوہات شرعیہ یا خیرات مومنین سے نہیں ہے بلکہ دین فروشی ملک فروشی مملکت ناموس اسلام فروش ہے بتائیں یہ وسیع و عریض بلند گنبد و منارے کس کے فائدے میں ہیں اور کس آیت و روایت کی تفسیر ہیں۔ اگر یہ اموال ملکیت افراد ہیں تو یہ اسراف و تبذیر میں آتا ہے۔ این جی اوز کا عطیہ ہے، آج کل زیادہ احتمال یہی ہے تو اس سے ملک کی عزت، استقلال و آزادی دفنانے کا قبرستان ہے۔ قرآن وسنت اور سیرت مجاہدین اسلام سے انحراف اور کافرین مشرکین دشمنان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے اس کا فائدہ خان چوہدریوں، وڈیروں وزرا کو یہی ملا کہ اپنے ہاں کی عزت کے بدلے میں دوسروں کی شہریت اور بات نہ ماننے کی صورت میں گالی و ذلت ان کے نصیب میں آئی ہے۔

مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اس عمارت کو اپنے کم و کیف مساحت بلندی جہت دیوار سردی گرمی سے بچانے کی حد تک ہونا چاہیے لیکن اس کا تعمیراتی مواد بیرون ملک سے درامد کرنا، دیواروں کی تزئین و آرائش کرنا تا کہ نمازیوں کی تمام تر توجہ مسجد کی تزئین و آرائش کے نظارہ میں محو ہو اسکا جواز عقلاء عالم سے پوچھنا ہوگا۔

کیا جس ملک میں روزگار ملازمت کے حصول کیلئے اپنی جائیداد فروخت کی جائے تا کہ بالا افسروں کی رشوت کا بندوبست کیا جائے، کیا عقلاء عالم لاکھوں انسانوں کے بھوک و افلاس اور ایک چھت سے بھی محروم ہونے کی صورت میں ایسی عمارات کی اجازت دیتے ہیں۔ جس مسجد میں ٹونی بلیئر کی خاطر اذان بند کی جاتی ہو اس کی اعلیٰ شان تعمیر و تزئین و آرائش کی تعریف کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ آیا وہ مدارس اور حوزات جن میں اللہ کی کتاب قرآن اور نبی کریم کی سنت، مجاہدین اسلام کی تاریخ جہاد نہ پڑھائی جاتی ہو تو کیا ایسے مقامات کو دینی درسگاہ کہیں گے یا نوجوانوں کو دفنانے کا قبرستان، ایسی مساجد و مدارس جہاں جہاں تعمیر کئے گئے ہیں وہ ضرار اسلام و مسلمین ہیں چاہے ان کی کتنی ہی منزلیں کیوں نہ ہوں، کتنے ہی اونچے مینار کیوں نہ ہوں ان سے صرف ان کے مہتممین کی شکم پروری کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں۔ اسی طرح فکراور صوتی فن کی بات سب صدائے شیاطین ہیں اسے چاہے مدح و منقبت، قصائد و مدائح کہیں یا مرثیہ و نوحے کہیں سینہ زنی ہو یا رقص وناچ

ہوا نہی سے خانہ اسلام ویران ہوا اور آماجگاہ منافقین فاسقین و فاجرین بنا ہے۔آج یہ مستعمرات دشمنان اسلام بن چکے ہیں۔اگر آپ نے صحیح معنوں میں دل کی گہرائیوں سے کلمہ پڑھا ہے تو آپ فنون وتنوعات کو چھوڑیں اور اصل اسلام کو پیش کریں۔بعض کہتے ہیں اسلام نے انہی چیزوں سے رونق اور فروغ پایا ہے، یہ کہنا ایسے ہی ہے کہ عمامہ پوشوں کی عیش ونوش سے اسلام کو تقویت ملتی ہے جبکہ حقیقت میں اسی وجہ سے دین اسلام جام ہو گیا ہے۔

قصے کہانیاں اشعار، حکایتیں، رقاصی، ناچنے بقول بعض روشن خیال حوزات ومدارس کے عاد وثمود کی تعمیرات کے نمونہ جیسے مسجد شاہ تہران، تاج محل ہندوستان، اصفہان، بادشاہی مسجد لاہور، فیصل مسجد اسلام آباد، امامیہ مسجد سکردو امام خمینی سے منسوب قم کراچی کوثر رسول اللہ سے منسوب اسلام آباد جہاں جامدترین خرافات اور عقائد اسماعیلی کی تدریس ہوتی ہے۔نیز حکومت بیچاری عوام کی ضروریات کیلئے مقرر رقم روک کر کانفرنسوں اور قانون سازاداروں کیلئے بنائی جانے والی عمارتوں پر خرچ کرتی ہے۔جس پر وزارت جامعات کے عمائدین تعمیرات مذہبی والوں کو فخر ہے انکے نزدیک یہ عمارتیں ملک وملت کا نام بلند کر رہی ہیں۔

ہمارے اور تاریخ اسلام کے درمیان حائل حجاب:

ہم جس دور میں ہیں یہاں سے تاریخ اسلام کا نظارہ کرنے اور فیصلہ کرنے کے درمیان ہزار سال حجاب زمانی کے ساتھ حجاب مکانی بھی حائل ہے۔ہمارے اور تاریخ کے درمیان ذریعہ مؤرخین ومحدثین ومفسرین اسلام ہیں۔ہم انہی مؤرخین ومحدثین کے آئینے میں دیکھ کر ان کے پیش کردہ صفحات کی روشنی میں تاریخ اسلام کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔یہ فیصلہ اپنی جگہ نصف صحیح اور نصف غلط ہے۔نصف صحیح اس وجہ سے ہے کہ ہمیں تاریخ اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والے یہی ذوات ہیں انہی کے توسط سے ہم نے تاریخ اسلام سے آگاہی حاصل کی ہے۔دوسرا نصف جو ان مؤرخین ومحدثین کے درمیان تناقص وتضاد کوئی ہے جو عقل وقرآن کے علاوہ متفق علیہ منقولات سے بھی متصادم ہیں، ان کا یہ نصف غلط ہے۔محدثین ومؤرخین کے متضاد ومتعارض منقولات کو ہم سامنے رکھیں اور انہیں قرآن وحدیث شناسی مسلمہ تاریخ کے معیارات سے گزاریں اور دیکھیں متفق علیہ کیا ہے؟ اور مختلف فیہ کیا ہے؟ تاریخ اسلام کا پہلا باب نبی کریمؐ کی ذات گرامی اور آپکا اعلان رسالت ہے جو عام الفیل کے چالیس سال بعد سے شروع ہو کر تیئس سال گزرنے تک ہے جس کے بعد آپ وصال رحمت ہوئے۔تاریخ حقیقی اور واقعی معنوں میں تاریخ اسلام یہی تیئس سال پر محیط ہے۔اس دور میں نبی اسلامؐ کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرنے اور اس راہ میں صبر وتحمل برداشت کرنے اسے پھیلانے اور اس راہ میں جنگ وجہاد کرنے والوں کا کردار ہے جنھیں کلمہ اسلام پڑھنے والے نہیں بھول سکتے اور اگر بھولیں گے تو سمجھ لیں وہ کفران نعمت ہوگا، یہ ایک ہی گروہ ہے ہم اس کو ایک جماعت کہیں گے جو نبیؐ کی دعوت کے ساتھ آپ کے رزم بزم خلوت وجلوت سلم وامن میں آپ کے ساتھ رہے اس میں آپکے خاندان کے افراد اور مہاجرین وانصار اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان تینوں کی مدح وستائش قرآن کے علاوہ خود نبی کریمؐ نے فرمائی ہے۔کوئی مسلمان قرآن اور نبی کریمؐ کی زبان سے مہاجرین وانصار اور اہل بیت کی شان میں آئے ہوئے مناقب مدائح کو نظر انداز وانکار نہیں کرسکتا۔عصر رسالت سے جتنا بھی مکانی وزمانی فاصلہ زیادہ ہوگا تاریخ کو سمجھنا اتنا ہی دشوار ہوگا عصر رسالت اور ہمارے درمیان حائل رکاوٹوں کی ایک فہرست ملاحظہ کریں:

۱۔قرآن کریم کی تاریخ سے متعلق آیات پر عدم توجہ کی وجہ سے تاریخ اسلام کو سمجھنا ہمارے لئے دشواری کا سبب بنتا ہے۔

۲۔سنت رسول سے منسوب کثیر احادیث کے انبار ہمارے اور تاریخ اسلام کے درمیان مثل کوہ ہمالیہ کھڑے ہیں جنھیں عبور کرنا تنہا دشوار نہیں بلکہ ناممکن کی حد تک ہے۔

۳۔یہ احادیث اصول ومقائیس راوی شناسی کے تحت نہیں بلکہ یہ کثیر آیات قرآن سے صراحتاً متصادم ہیں مثلاً۔

۱۔میری امت کے تہتر فرقے ہونگے اس میں سے صرف ایک ہی ناجی ہونگے۔

۲۔عشرہ مبشرون یعنی نبی کریم نے صرف ان دس بیس اصحاب کو جنت کی بشارت دی باقیوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔

۳۔خلافت تیس سال تک ہی چلے گی بعد میں آنے والی حکومتیں ملوکیت ہی ہونگی۔

۴۔میری امت کو ایک طویل عرصہ ظہور مہدی نزول عیسیٰؑ کا انتظار کرنا ہوگا۔

۵۔مکہ مکرمہ کے علاوہ شام نجف قم مشہد حتیٰ کل اہل فارس والوں کی مدح ومنقبت۔

۶۔بعض مؤرخین امثال ابن تیمیہ ابن جوزی ابن عربی صلابی ،اسی طرح محسن امین جعفر عاملی رسول جعفریان جعفر سبحانی مرتضی عاملی عسکری محدثی وقتی مجلسی کی متعصّبانہ انداز تاریخ نویسی ہے۔بعض کے مخدوش اصحاب معاویہ عمرو بن عاص اشعری اشعث بن قیس یزید اور تمام بنی امیہ کا بغیر کسی دلیل و منطق کے دفاع کرنا۔

مؤرخ و محقق کیلئے ضروری صفات اور شرائط بیان کرنے کے بعد اور بحث جو صفات و شرائط سے کم ذکر کرتے ہیں یہ وہ رکاوٹیں ہیں جو محقق بحث کنندہ کے تحقیقی راستہ میں رکاوٹ بنتی ہیں اور اسے آزاد نہیں چھوڑتیں مؤرخ کیلئے ضروری ہے ان رکاوٹوں سے خود کو آزاد کرے اسے اور اپنے موضوع کو مدلل اور معقول انداز میں پیش کرے چاہے وہ بحث اس کے عقائد اور نظریات سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔اس عمل میں کئی رکاوٹوں کا سامنا ہو سکتا ہے جیسے:

۱۔قصہ کہانیوں سے تأثر لینا:

یہ قصے کہانیاں ہمیشہ سے علم کی جگہ گھیرتی ہیں تاریخ بشریت میں ایک عرصہ سے بہت سی جگہوں پر بہت عرصہ سے ان قصہ کہانیوں نے قبضہ کیا ہوا ہے جہاں علم و تحقیق کو داخل ہونے کی اجازت نہیں کیونکہ وہاں اساطیر قصہ کہانی حاوی ہے پرانے قصوں سے مراد وہ قصے ہیں جنھیں از خود گھڑ کر طوق گردن بنایا ہوا ہے اور ان کی ایسی تفسیر کی ہے جو انہیں پسند آجائے۔فکر اساطیر' فکر خرافات اس دور کے افکار میں ہے جس وقت علم نہیں آیا تھا یا علم کم تھا اساطیر خرافات زندگی پر حاکم تھے اور دنیا کی دگرگونی تغیرات کی تفسیر تنہا اساطیر خرافات سے کی جاتی تھی۔فکر خرافات وہ فکر ہے جس میں علم کو رد کیا جاتا ہے اور علم کی جگہ گزشتہ افکار کو جگہ ملتی ہے۔خرافاتی اساطیر کی مبدأ وہ فکر ہے جو عام طور پر ہمارے ہاں روشن خیال دانشور انہی خرافات کی پاسداری کرتے ہیں انہی کے کہنے والے کو داد دیتے ہیں۔

۲۔قدامت پسندی:

اگر کہیں اختلاف پیدا ہو اور انتخاب کی نوبت آئے تو کہتے ہیں قدیم رائے کو اپنائیں جو کچھ آبا ؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے اس کی اپنی اہمیت ہے یہ آج کل کی آراء سے بہتر ہے۔اس قسم کا نظریہ تاریخ کو ایک تقدیس اہمیت اور مقام و منزلت دیتا ہے۔یہ ایک قسم کی ماضی پرستی ہے ماضی کی تقدیس ہے۔انسان کو جب کسی مشکل اور پریشانی سے پالا پڑتا ہے تو وہ ماضی پر قدسیت کی چادر چڑھاتا ہے اس کی قدر دانی کرتا ہے اور اس کو اہمیت دیتا ہے پھر اس کو اپنے لئے جائے فرار بناتا ہے حالانکہ قدسیت پرستی کوئی مقدس نہیں اور قدامت کسی چیز کی دلیل نہیں۔

۳۔شہرت:

اگر کسی مشہور شخصیت سے کوئی نظریہ کسی چیز کے بارے میں صادر ہوا ہے جو اپنے تخصص و تحقیق میں ایک قدرت رکھتا ہے اگر اس شخص نے کسی خاص دور میں اور کسی خاص ماحول میں پرورش پائی اور وہ کوئی نظریہ رکھتا ہے تو یہ صاحب نظریہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو اس کا یہ نظریہ بعد میں آنے والے تمام نظریات پر احاطہ نہیں کر سکتا خلاصہ کلام شخص مؤرخ کیلئے عقل کو روک کر باندھ کر نہیں رکھنا چاہیے بلکہ فکر کے دروازوں کو کھول کر رکھنا چاہیے یعنی پرانی اور مشہور رائے اس کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنے کیونکہ ہم اس طریقہ سے اپنے راستہ میں کانٹے کھڑے کریں گے اور اس کے اوپر قدسیت کی چادر چڑھا رہے ہیں یہ ترقی و تمدن کے خلاف ہے۔ہر وہ شخص جو گزشتہ کسی رائے کے خلاف جدید رائے کو اپنائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص منکر وراثت قدیم ہو گا اسے عاق نہیں کہا جا سکتا لیکن اگر گزشتہ لوگوں کے نظریات میں اعادہ کریں ہمیشہ اسی کو تکرار کرتے پھریں تو فکر بشر ترقی نہیں کرے گی۔

۴۔تعصب کی راہ میں بہہ جانا:

تعصب بھی ایک ایسی صفت ہے جس میں خود کو صاحب حق اور صاحب فضیلت سمجھتے ہیں اور دوسروں کو اپنا محتاج ،اسی طرح حقیقت و غلط کی کسوٹی اپنی ذات کو بناتے ہیں اس تعصب کے نقصانات کا اندازہ بحث تاریخی میں اس وقت ہوتا ہے جب محقق کسی خاص موضوع کی تحقیقات میں وارد ہوتا ہے کسی فکر یا اجتماع قبیلہ قوم و مذہب سے متاثر ہو کر نکلتا ہے۔مثلاً ایک شخص سنی مذہب ہے تو وہ شیعہ پر شدت سے انتقاد کرتا ہے،اگر کوئی شخص دین اسلام کے عالمی دین ہونے پر عقیدہ رکھتا ہے وہ تمام حرکات قومی سے کدورت رکھتا ہے اگر کوئی شخص سرمایہ دار ہے وہ اشتراکیت' سوشلزم کے خلاف ہے اگر کسی خاص جنس سے تعلق رکھتا ہے تو دوسرے اجناس کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے تو یہ شخص تحقیقی تاریخ لکھنے کے قابل نہیں' صالح نہیں اگر بحث کرنے والا تعصب کے دلدل میں پھنس گیا تو وہ تحقیق نہیں کر سکتا۔

نقد تاریخ:

نقد تاریخ کے بارے میں عرائض پیش کرنے سے پہلے نقد کی لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنا ضروری ہے۔ نقد موجود، مستعد، حاضر، اچھا عمدہ نفیس، انوکھا، چوکھا کھرا، ہاتھوں ہاتھ، سردست اسی سے نقاد بنا ہے نقادکا اسم فاعل ناقد آتا ہے۔ ناقد پارکھ، صراف اصل میں یہ کلمہ نقد الدراہم سے بنا ہے۔ سابق زمانے میں سونے چاندی کے سکوں کی قدر و قیمت ان کی مقدار وزن، مثقالی سے کرتے تھے۔ اوزان کرنے کے عمل کو نقد دراہم کہتے تھے۔ یہاں اسے اس کلمہ کو وسعت دیتے دیتے علوم فنون کے معائب ونقائص نکالنے کے عمل کیلئے بھی نقد استعمال ہونے لگا۔ صاحب مترافات لکھتے ہیں لغت واصطلاح میں نقد سے مراد مبصر، نکتہ چین، تبصرہ نگار ہے۔

صاحب فرہنگ آصفیہ ج ۴ ص ۵۸۳ پر لکھتے ہیں تنقید کے معنی حسن وقبح اور محاسن و معائب، کھرا کھوٹا، الگ کرنا، اصطلاح میں آنکھ چرا کر دیکھنے کو کہتے ہیں کسی بھی کتاب یا قصہ یا اشعار کی جملہ خوبیاں اور خامیاں سامنے لانا تا کہ اسے جانچا جاسکے اسکی سب سے بہتر عمدہ تعریف کھرے اور کھوٹے میں تمیز پیدا کرنا ہے۔

نقد اردو' فارسی لغات، میں آیا ہے یہ کلمہ عربی ہے لہٰذا اس کے موارد استعمال کو عربی معاجم وقوامیس میں بھی دیکھنا ہوگا۔ کتاب لسان العرب مؤلف ابن منظور ج ۳ ص ۴۲۵ پر آیا ہے نقد، النقد خلاف النسیة و النقد و النقاد تمیز الدراهم و اخراج الزیف منها کہا ہے اللیث نے کہا ہے النقد تمیز، الدراهم و اعطاو کها انسانا و اخذها الانتقاد، ونقدت الدراهم و انتقدتها اذا اخرجت منها زیفها و فی حدیث جا بر و جمله قال فنقدنی ثمنه ای اعطانیه نقدا و الدرهم النقد ای وازن جید اسی سے آیا ہے نقد الطائر الفخ ینقد، بمنقاره و نقد الطائر الحب، ینقد هاذا کان یلتقطه، واحدا بعد واحد و نقد الرجل، الشی ینظره تاج العروس زبیدی ج ۹ ص ۲۲۰ میں آیا ہے النقد تمیز الدراهم و اخراج الزیف منها و کذاتمیز غیرها کا لتنقاد و التنقد وتنقدها اذا میزجیدها من ریها و منها النقد اعطاء النقد و من المجاز النقد اختلاس .

نقد تاریخ یعنی تاریخ کو پرکھنا، اسے صحت وسقم تاریخ کیلئے وضع کردہ معیار ومقائیس سے گزارنا' تاریخ کے صحت وسقم کیلئے بھی علماء تاریخ نے مقائیس و معاصر وضع کئے ہیں۔

مقیاس وموازین ونفع ونقصان کی وزیادتی سے بچنے کیلئے ترازو وضع کئے تا کہ بائع ومشتری دونوں کو کمی وبیشی جیسے نقصانات کا سامنا نہ ہونے پائے۔ ناپنے کی چیزوں میں گز و میٹر وغیرہ وضع کئے گئے ہیں۔ الحان! زبان وگفتگو میں غلطی سے بچنے کیلئے قواعد صرف ونحو وضع ہوئے ہیں۔ اور فکری غلطیوں سے بچنے کیلئے منطق وضع ہوئی ہے۔ کسی بھی موضوع پر تنقید کرنا شخص ناقد وناظر کا حق ہے، کوئی بھی مصنف مؤلف کسی بھی مسئلہ پر اس وقت تک اطمینان کامل حاصل نہیں کرسکتا جب تک اپنے لکھے گئے مضمون پر ناقد تصدیق نہ کرے۔ ناقد حقیقی معنوں میں ایک بابصیرت دانشمند ہے وہ اس موضوع پر احاطہ رکھتا ہے یہ جانتا ہے کہ یہ منطق کس سند سے مستند ہے یہاں سے ضروری ہے انسان جو عمل انجام دینا چاہتا ہے اس کو نقد کے ترازو میں ڈالے نقد کا ترازو ہی اصل میزان ہے جسے ایک دوکان دار تو لتا ہے ناقد تاریخ کی تحقیق کے بارے میں یہ کشف کرتا ہے کہ یہ کس نظریہ سے ہم آہنگ ہے وہ اپنے قلم کو گھماتا ہے ادھر اُدھر گردش دیتا ہے' دیکھتا ہے کہاں سے انحراف ہوا ہے' ناقد ہی میدان علم میں قاضی ہے اس کے اور عدالتوں میں موجود قاضی کے درمیان فرق یہ ہے کہ عدالت کی قضاوت میں قانون سے نکلنے کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں جبکہ یہاں ناقد آپ کے موضوع کے منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے۔ نقد تاریخ اسلام کو بھی دیگر تواریخ کی طرح صحیح اور سقم کے تمیز کرنے کے موازین و مقائیس سے گزارنا ہوگا۔ جس طرح تاریخ یہود وعلماء دین فروش یہود کے ذریعہ اور تاریخ نصاریٰ علماء نصاریٰ کے ذریعہ مسخ ہوگئی ہے اب یہ دین نقد کے موازین میں نہیں رہ سکتا کیونکہ تحریفات وخرافات ہی کل دین اختیار کرچکی ہے، چنانچہ یہ دین اسلام کا بھی یہی حشر کرنے کیلئے سرگرم ہیں جسکا ایک مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ جسکا مقصد اس دین کو جتنا بھی ہوسکے اس کے دونوں منبع سے دور کریں ان دونوں مصدر سے کاٹیں یا کم سے کم ایک سے لنگڑا کرائیں، تا کہ مسلمان اپنے پاؤں پر استقامت نہ دکھا سکیں۔

ہم دیکھتے ہیں ایک گروہ قرآن کے نام سے محمدؐ کو بے حیثیت کم درجہ دکھا کر سنت نبیؐ سے بیزاری اور تمسخر کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں حتیٰ موجودہ نماز کی شکل

سے انکار پر تلے ہوئے ہیں یہ گروہ قادیانیوں کا مقدمۃ الجیش ہے۔دوسرا گروہ حدیثی ہے جس نے قرآن کو حدیث سے باندھ کرامت کو قرآن سے دور کر کے لنگڑا بنایا ہے پھر حدیثوں کے انبار کا میلہ لگایا ہے جعال احادیث کے دفاع میں تمام اصحاب کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لگا کر محمدؐ کے دائیں بائیں کھڑا کیا ہے تیسرے گروہ نے قرآن وسنت دونوں کو خیر آباد کہہ کر اہل بیت کیلئے سینہ مارنے اور رونے کو کل دین بنا رکھا ہے ان تمام گروہوں نے اپنے اس عمل سے دین اسلام کو لنگڑا بنایا ہے ایک نے کل دین کو نماز روزہ اذکار اور استخارہ، تو دوسرے نے رونا پیٹنے میں دین کو محصور کیا ہے انہی کو عمائدین دین متعارف کیا ہے۔ایک گروہ عاد وثمود کی مانند عمارتوں کے انواع واقسام تعمیرات کے ساتھ شعراء نجومی کی آثار میں تحقیق کرتا ہے، انہی کو وارث اسلام اور حجۃ الاسلام مسلمین گردانا جاتا ہے تیسرا گروہ ضد اسلام، مسلمانوں کیلئے مغربی قانون کا تحفہ پیش کر رہا ہے ان کے مقابل میں ان کے خلاف بولنے والے ان کے نزدیک غیروں کے کارندے ہیں ایسے حالات میں بتائیں اس دین کے نسخ ہونے میں کتنی دیر لگے گی۔

اختلاف عقول و درجاتِ فہم وادائیگی میں تفاوت ایک حقیقت بدیہی و واقعی بشری ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، یہاں سے ہر انسان معلم ومتعلم مفکر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے کی فکر وعمل سے نتائج اوادراکات اسلوب وسلوک طریقہ ادائیگی سے اختلاف کرے، اس حد تک نقد کو عقلا ءنقد موضوعی کہتے ہیں جبکہ اس دائرے سے باہر کسی اور جہت کے پیش نظر نقد کو نقد حقدی و مبغوض کہتے ہیں۔

نقاد تاریخ چند چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نمایاں کر کے بڑی غلطیوں سے آنکھ چراتے ہیں جیسے بیروت میں بعض ادارے ایسے ہیں جو مفاتیح الجنان سے چند غلطیاں نکال کر سمجھاتے ہیں جو کچھ غلط تھا اسے ہم نے نکال دیا اب اسے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔تبصرہ وتاثرات کی درخواست کرنے والے کی تعریف ہوتی ہے اگر کسی نے بے وقوفی سے اس پر اظہار نظر کیا تو اسکی خیر نہیں کیونکہ انکا مطلب ہوتا ہے کہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں۔اس سلسلے میں دو کتب اور ایک مجلّہ آنکھوں سے گذرا جو تینوں اسلام اور قرآن وسنت کے خلاف تھے۔ایک قبلہ جناب آقای قرۃ العین صاحب کی تالیف تھی جو سر سید احمد خان جو برصغیر ہندو پاک میں سیکولرزم کے بنیادگزار، انگریز کے خدمت گزار اور قادیانیوں سے تمغہ پانے والے ہیں اور حکیم سعید پاکستان میں حج وعمرہ کی بندش کی خواہش رکھنے والے تھے کی تجلیل وتعظیم اور خدمات پر مشتمل تھی۔معلوم نہیں ان کی نظروں سے قدیر خان صاحب کیسے چھوٹے عالم دین نکلے۔دین کو کھوکھلا کرنے والے جناب مرتضی زیدی صاحب ان سیکولروں کے مداح بنیں تو دین کہاں رہے گا۔

مجلّہ کے مضامین صوفیوں اور قلندروں وغیرہ کی تعلیمات کے علاوہ کون ومکان کے نظام کائنات کو گردش دینے والے امام زمان کو گردانا تھا امام زمانہ کا یہ تصور غالیوں اور اسماعیلیوں کے عقائد کے مطابق تو درست تھا لیکن اثنا عشری کے عقائد میں جہاں انہیں بشر کہا گیا ہے جو کچھ بیان ہوا ہے اسکے خلاف تھا۔اس کے نگران بھی فاضل وفاضلہ قم تھے۔

تیسری کتاب ھدی للمتقین کے مؤلف گرامی جناب سید جعفر رضا گردیزی حفظہ اللہ ہیں۔موصوف نے قرآن کریم سے تمام آیات نفی شرک کو جمع کر کے ترجمۃ بمعہ تفسیر پیش کرنے میں بہت زحمت فرمائی لیکن اس قابل قدر عمل کو دو ضد قرآنی لفافوں میں ملفوف کیا۔ایک تو کتاب کا اختتام شعر سے فرمایا جبکہ شعر کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں زیادہ جھوٹ شامل ہو۔شعر غالیوں کا قرآن ہے اللہ کا قرآن اور غالیوں کا قرآن یکجا جمع نہیں ہو سکتے ہیں دوسرا لفافہ علماء عمائدین نصیریوں کے شرک کے خلاف امضاء تھا اب تک یہ معلوم نہیں کہ یہ امضاء اصلی تھا یا نہیں یا کسی نقل سے نقل کیا ہے۔

آخری صفحہ امضاء علماء اعلام تھا کہ ہم نصیریت اور غلو کے خلاف ہیں لیکن نام نہیں پڑھا جا رہا تھا لہٰذا دیکھنے والوں نے تشکیک ظاہر کی کہ کسی کا بھی نام پڑھا نہیں جا رہا ہے اگر امضاء ہے تو نام صحیح لکھنا چاہیے۔لیکن میرا اپنا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا کہ آپ ان تمام علماء اعلام کی امضا پیش کرنے کی بجائے ملک میں غلو پرور غالیوں کے پناہ دہندہ لاہور اور اسلام آباد، کراچی وسکردو کی شوریٰ فقاہت سرکردگی فقیہ سرگودھا تشکیل دیتے اور اور ان سے استفتاء لے کر چھاپ دیتے تو بہتر اور موثر تھا۔لیکن انہوں نے اپنی مساعی کو اچھے مشیر نہ ہونے کی وجہ سے ناقص پیش کیا تھا۔یہ منظر دیکھ کر میری مثال مولا امیر المومنین کا وہ خط ہو گیا جو آپ نے اپنے ایک نمائندہ مصقلہ بن جبیرہ شیبانی کو لکھا تھا کہ میں تمہاری تعریف چاہتا تھا تم نے جلدی مجھے تمہاری مذمت کرنے پر مجبور کیا۔ہماری طبیعت بھی تعریف سے دیگر مولویوں کی طرح جلدی متاثر ہوتی ہے۔بہت توقعات قائم کرنا اور سابقہ تجربات سے استفادہ کم کرنے سے نقص رہتا ہے۔ہم نے بھی سابقہ تجربات سے استفادہ نہیں

کیا ورنہ جناب موقر ومعزز گردیزی صاحب ایک سرمایہ دار ہیں اور سرمایہ دار سے سربلندی اسلام وقرآن ممکن نہیں ۔اگر کہیں یہ لوگ سرگرم دکھائی دیں تو سمجھ لیں انکا یہاں کمیشن ہوگا۔ان سے اگر پوچھا جائے کہ جناب آپ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں تو انکا جواب ہوگا جہاں کمیشن ملے گا۔ان کی خیرات دعوت سہم سادت یتیم پروری، تعلیم ہسپتال سب کمیشن کے فن ہیں ۔ورنہ جو ایسی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر تقسیم کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اسے مجمع جہانی اھل البیت غلو نواز اور غلو پرور ادارے سے متوسل ہونے کی کیا ضرورت تھی ۔مجمع جہانی اہل بیت ناشر غلو کا اس کا چھاپنا خود اسے مشکوک بناتا ہے۔انہوں نے دیکھا توسل کے بارے میں اشعار اور امضاء کے بعد آیات نفی شرک بے اثر ہونگے ۔آخر میں اشعار سے خاتمہ کرنا اور علماء غلات سے اس کی رد میں امضا کرنا اچھا فن ہے۔اگر یہ کتاب غالیوں کی مذمت میں ہوتی تو وہ قطعاً غلو پرور ادارے سے تعاون نہیں لیتے ،لیکن موصوف نے از خود مجھے تاثر لکھنے کی خواہش کی جس پر ہم نے چند صفحات لکھ کر بھیجے لیکن موصوف نے انکے وصول ہونے کی اطلاع تک نہیں دی ٗ ابھی تک موصوف سے رابطہ منقطع ہے۔

نقد اسناد تاریخ:

تاریخ اسلامی قرآن کے بعد سنت رسولؐ وسیرت رسولؐ سے مختص ہے جسے ایک لحاظ سے حدیث بھی کہتے ہیں نبی کریمؐ کے وصال کے بعد منافقین ،مفاد پرستوں اور شکم پرست افراد نے جن کا نہ کوئی دین ہے نہ صداقت کوئی میں ان کا کوئی مقام تھا انہوں نے اللہ اور رسولؐ سے منسوب اکاذیب کی ایک تحریک ومہم شروع کی چنانچہ جو بھی ان کی خواہشات اور زبان نے چاہا، وہ بول اٹھے اور سادہ عوام اور جاہل لوگوں نے اس کا بغیر کسی بحث وتحقیق کے استقبال کیا۔

اس سلسلہ میں [کتاب امام صادق والمذھب الاربعہ تالیف استاد حیدر ج اص ۳۷۸] پر وضع الحدیث کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں دور خلفاء صحابہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھوں گا کیونکہ ان کی شان ومنزلت اعلیٰ وارفع ہے انھوں نے جس نبیؐ کا تن ومن سے ساتھ دیا ہے ان کی طرف اکذیب کی نسبت دی گئی ہے اور لوگوں نے حقیر وذلیل عیش دنیا کیلئے اپنے دین وایمان کو فروخت کر کے اپنی آخرت کو ویران کیا ہے لیکن وضع حدیث یا حدیث کا بازار جو گرم ہوا وہ دور خلافت راشدہ کے بعد ہوا جس دور میں حرج ومرج اور زمانہ کو دوبارہ جاہلیت کی طرف پلٹانے کی کاوشیں حرکت میں آئیں تقرب ابواب سلاطین ایک قسم کے کسب کا ذریعہ بنا۔اس سلسلہ میں معروف ومشہور رضائے سلطان کیلئے غضب رحمان خریدنے والوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جس میں غیاث بن ابراہیم ٗ وھب بن منبہ ٗ شاہ بن بشر بن ماميان ٗ اسحٰق معروف بابی حذیفہ متوفی ۲۰۰ ٗ ابا محشر سندھی ٗ نعیم بن حماد بن معاویہ متوفی ۲۲۷ ٗ ماہر وضع حدیث احمد بن عمر ابن مصعب بن بشر ٗ علی بن احمد بن محمد بن عمر ٗ احمد بن عبداللہ انصاری شامل ہیں ۔بعض نے نقل کیا ہے جو احادیث وضع ہوئی ہیں ان کی تعداد چار لاکھ آٹھ ہزار تین سو چوبیں مختص ہے جن میں سے چار سو فضائل ومناقب کے بارے میں نقل ہوئی ہیں ابن جوزی نے لکھا ہے قصہ کو چوتھی صدی کے آخر میں سنی وشیعہ میں فتنہ پرور بنے تھے۔

[کتاب قبل تدوین حدیث]

ا۔نبی کریمؐ کی صحبت کا افتخار حاصل کرنے والی بعض ذوات سے اتنی احادیث منسوب ہیں جس کی کوئی توجیہ وتفسیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اتنی احادیث ان سے بہتر وبرتر اور زیادہ مواقع حاصل کرنے والے افراد سے نقل نہیں ہوئی ہیں جو ان سے نقل ہوئی ہیں تناسب پر غور کریں۔جنھیں علمائے رجال نے **مکثر الرویات** کا لقب دیا ہے ان میں حضرت عائشہ ،عبداللہ بن عباس ،عبداللہ بن عمر ، جابر بن عبداللہ انصاری ،ابا سعید خدری ،ابوھریرہ شامل ہیں ۔

۲۔کتاب اصول کافی میں سولہ ہزار احادیث نقل ہیں جن کے راویان کی تحقیق کرنے کے بعد علامہ مجلسی نے اس کتاب کی شرح کرتے وقت نو ہزار یعنی نصف سے زائد کو ضعیف گردانا ہے۔

۳۔شیخ صدوق نے من لا یحضرہ الفقیہ میں پانچ ہزار احادیث میں سے ڈھائی ہزار احادیث کی اسناد کو طوالت کے بہانے سے حذف کیا ہے ان احادیث کی صحت وسقم کو کہاں سے پورا کریں گے ۔

۴۔صحاح ستہ میں جن کتابوں کے مندرجات کو صحیح کا لقب دینے کے بعد فقیہ وحدیث شناس ناصر البانی نے چودہ جلد ضخیم احادیث کی کتاب ترتیب دی ہے۔

۵۔بعض علمائے اعلام نے موضوعات وغیرہ کے نام سے جعلی احادیث کو جمع کیا ہے۔

۶۔شیعوں کے پاس دس ہزار سے زائد موجود احادیث کو اہل سنت کے فقہا یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ یہ احادیث شیعوں کی ہیں جن پر عمل درست نہیں اس طرح

صحاح ستہ کے مندرجات احادیث کو شیعہ کتنی طعن وطنز اہانت وجسارت کر کے کہتے ہیں اہل سنت کی ہیں جن پر عمل درست نہیں یہ اس بات کی دلیل ہے حدیث سازوں نے افسانہ سازوں کیلئے اسے مصدر بنایا ہے۔گرچہ بعض علماء نے فقہ میں واردا حادیث کی چھان پھٹک کی ہے اگر اس کو تسلیم کریں تب بھی نبی کریمؐ کی سیرت مطہرہ سے متعلق جعلیات کے انبار لگا کر فرقے کے پہرہ داروں کو پہرے پر بٹھا رکھا ہے۔یہ اہل تحقیق کیلئے بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔

۷۔قرآن کریم کی آیات آپؐ کی سیرت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو آپ کی سیرت کو درخشاں وتابناک رکھنے کی ضامن ہیں۔

یہاں یہ مطلب لینا بھی درست نہیں کہ اتنی جعلی احادیث کے ہوتے ہوئے ہم مجامع حدیث میں بیان کردہ فروع دین صوم صلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور جہاد کے بارے میں کیسے اعتماد و بھروسہ کریں۔یہ تشکیک قرآن ومحمدؐ کو کنارے پر لگانے والوں کے اہداف کی معاون ہے ورنہ آپ نبی کریمؐ کی ۲۳ سالہ جدوجہد ومشقت کی دعوت کو بالکل کالعدم کیسے قرار دینگے، میلاد مسیحؑ سے پہلے کے فلاسفہ کے اقوال وکلمات کو آپ نقل کرتے ہیں جبکہ محمدؐ کے بارے میں موجود احادیث کو یکسر مسترد کریں۔

قارئین اہل فکرودانش حامی حق وحقیقت سے سوال ہے آیا تاریخ اسلام کے ردو قبول کا بھی کوئی مقیاس ومیزان ہے یا نہیں، جاہلوں کے پاس کسوٹی صرف انکار ہے۔ان کے پاس رد کیلئے یہی کسوٹی کافی ہے۔یورپ والوں کے پاس فارس عربوں ہندوں کی تاریخ کا نقد ہے تاریخ اسلام کا نہیں، تاریخ اسلام جیسا کہ بتایا گیا ہے اس کے مصادر و ماخذ اخبار واحادیث ہیں احادیث کی مجامع میں بے سند احادیث بہت ہیں لہٰذا ہمیں یہ حق حاصل ہے تاریخ اسلام سے متعلق احادیث کو صحت وسقم کی سانچے سے گزاریں سند میں تسلسل اپنی آخری زنجیر سے ملنے کے بعد اگلا مرحلہ ان میں موجود راویوں کی تحقیق کا ہے راوی اپنی جگہ صحیح ہے قابل اعتماد ضعفاء سے نقل کرتے ہیں یا ان سے نقل کرنے والا ضعیف ہے یا فاسق ہے علماء نے تسلسل سند ملنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس تسلسل میں موجود راویوں کی علمیت کی چھان بین بھی کی ہے اسے تاریخ میں نقد باطنی سلبی کہتے ہیں چنانچہ اس طریقے سے بہت سی روایات جعلی نکلی ہیں جن کی علماء نے خاص کتابوں میں جمع آوری کی ہے جنھیں موضوعات کا لقب دیا ہے۔اس میں جائے شک وتردید نہیں کہ اہل حدیث جو حاکمیت اور صرف حدیث کو ہی واحد مصدر سمجھتے ہیں لیکن کیا آپ کو سب احادیث قبول ہے شیعوں کی احادیث قبول ہیں یا صرف آپ کی اپنی حدیث قبول ہیں۔ابن کثیر، جوزی اور البانی نے جن احادیث سے اتفاق نہیں کیا اور جو صریح محکم آیات قرآن کے خلاف ہیں وہ بھی قبول ہیں۔آپ کو ان احادیث پر بھی اعتراض نہیں جو آپ کے نزدیک صحیح احادیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔اس وقت ہمیں میسر کتب تاریخ میں طبری، کامل مغازی، سیرت ابن ہشام اور طبقات وغیرہ شامل ہیں۔ان تاریخ کو اسناد کے علاوہ دیگر معیار، مقائیس وموازین سے نقد کرنے کی ضرورت ہے۔

نقد تاریخ سیرت نبیؐ اصحاب آئمہ:

نبی کریمؐ کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان مرد وعورت، حاکم ومحکوم والدین اولادمیاں بیوی اجیر ومستاجر سب کیلئے آئین لے کر آئے تھے نہ کہ آپکا مقصد معجزات کے انبار لگانا تھا۔آیات خاص کر سورہ اسراء میں اللہ نے صریح آپ کو قرآن کے علاوہ معجزات دینے کی نفی کی ہے۔لیکن آپکی شان میں ولادت سے وفات تک، اسی طرح کھانا پکانے علاج ومعالجہ تک معجزے بیان کئے گئے ہیں۔اسی طرح ہم جب آئمہ اطہار کی حیات وسیرت پر لکھی گئی کتابوں کو پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں تو بقول مرحوم شہید صدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ یہ سیرت اپنی جگہ سیرت مقطعی ہے ہم آغاز ولادت سے لے کر شہادت یا وفات تک فصل بہ فصل پہلو بہ پہلو اسے دیکھتے ہیں تو یہ عند التحقیق ایک دوسرے سے غیر مربوط، متضاد، نا قابل جمع اور نا قابل تحلیل نظر آتی ہیں۔یہ سیرت ہر حوالے سے عام انسان کیلئے نا قابل عمل اور نا قابل تاسی بنتی ہے لہذا اس قسم کی سیرت کو پڑھنا جس پر عمل اور جس کی پیروی ممکن نہ ہو تو یہ وقت کا ضیاع اور اپنی زندگی کو جہالت ونادانی میں اندھا دھند چلانے کے مترادف ہے۔سیرت نویسوں نے حضرت علی سے لے کر آخر تک تمام آئمہ کی جو سیرت لکھی ہے وہ ایسے قصہ کہانیوں پر مشتمل ہے جو نا قابل عمل ہے۔

سیرت نبی کریمؐ اور آئمہ طاہرین میں معجزات غیر محدود بیان کئے گئے ہیں جب ہم معجزات کے بارے میں عقل وقرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو عقل کہتی ہے نبی چونکہ اللہ کی طرف سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے جس تک کسی کی رسائی ممکن نہیں کہ پوچھا جائے کہ آپ نے محمدؐ کو ہماری طرف بھیجا تھا اور انھیں نبی بنایا۔یہ تصدیق اللہ کی طرف سے ہر انسان کیلئے ممکن نہیں لہٰذا اللہ اپنے نبی کو معجزہ دیتا ہے تا کہ جہاں اس سے دلیل بر نبوت طلب کریں معجزہ دکھائیں۔جب ہم معجزہ کو قرآن کی طرف لے جاتے ہیں تو قرآن ایک جگہ فرماتا ہے ہم نے ایک معجزہ قرآن کی صورت میں دیا ہے جو کافی ہے۔سورہ اسراء میں فرماتے ہیں ہم زیادہ طلب

معجزہ کو اس لئے مسترد کرتے ہیں کیونکہ گزشتہ انبیاء کو معجزہ دینے کے بعد بھی لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لائے۔

لیکن کاش یہ معجزات انھی تک محدود رہتے لیکن اب تو یہ امام زادوں عرفا پیروں فقیروں تک تجاوز کر گئے ہیں۔ یہاں تک بہت سے علماء کی طرف بھی معجزات کی نسبت دی گئی ہے۔ اسی طرح مرحوم آغا عارف حسین کی طرف معجزات کی نسبت دی گئی ہے چنانچہ صحیفہ نور ان کے معجزات سے پُر ہے۔ آغائے بہجت کے بھی نہ جانے کتنے مجلّات معجزات بنے ہیں۔ قرآن کریم میں معجزات کو ایک آیت نشان الٰہی بتایا گیا ہے جبکہ یہاں انھوں نے معجزات کا حصول شب بیداری اور چند اذکار بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے ہر وہ شخص جو زہد و عبادت و ریاضت میں اپنے آپ کو اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرے تو اللہ فرماتا ہے ہم اس کو اپنے جیسا بنائیں گے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ جان لیں گے اور جو کچھ ہم کرسکتے ہیں وہ کر بیٹھیں گے چنانچہ وہ مثل اللہ بنیں گے۔ چند رات چلّے کاٹنے سے اللہ بن سکتا ہے نمی دانم وہ جو پہلا اللہ ہے اس نے کتنے چلّے کاٹے ہیں جب ہم اس حدیث کی سند طلب کرتے ہیں تو کہتے ہیں حدیث قدسی میں ایسا آیا ہے اور جب حدیث قدسی کی سند کے بارے میں پوچھتے ہیں تو علماء فرماتے ہیں اس حدیث کی کوئی سند نہیں اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ ایسی صورت میں کیسے عقل انسان اور مومن بہ قرآن اسے تسلیم کریں گے جبکہ اس کی بنیاد حدیث قدسی ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبرؐ کیلئے نقل شدہ بہت سے معجزات کی برگشت ان روایات کی طرف جاتی ہے جس میں مستشرقین نے پیغمبرؐ کی نبوت پر طعن کیا ہے کیا ایسی روایات معجزات کی تائید کرسکتی ہیں۔ طالبین اسناد کو رد کرنے کیلئے ایک نیا قانون وضع کیا گیا جس کا نام تواتر معنوی ہے ان کا کہنا ہے جب روایات تواتر معنوی تک پہنچ جائیں تو سند کی ضرورت خود بہ خود ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر ان سے سوال کریں کہ تواتر لفظی میں حجیت اتفاق عام و خاص، عالم و جاہل اتفاق، اتفاق ملل و نحل ہے لیکن آپ کے تواتر معنوی کے حجیت کی کیا اسناد ہے سوائے فرقے کی لاٹھی اور گولی کے۔

سیرت موضوعی:

سیرت موضوعی کے پہلے مرحلے میں دو نکتوں میں سے ایک کو سامنے لانا ہے۔ پہلا نکتہ بقول غالیان اسماعیلی یہ ذوات معصوم ہیں۔ عصمت ائمہ یا اصحاب کا غیر معقول یا غیر قرآنی عقیدہ غالیوں اور اسماعیلیوں کی اختراع ہے۔ یہ صفت آیات قرآن و سنت و سیرت ائمہ و اصحاب پہاڑ سے متصادم ہے اور طاقت و قدرت، گالم گلوچ سے اسے ثابت کیا جاتا ہے جس کے مظاہر ہم نے خود دیکھے ہیں۔ ہمارے پرانے دوست قبلہ آقائے سلمان نقوی نے ایران سے آکر یہاں کراچی، پنجاب میں ہمارے خلاف منکر عصمت کا پروپیگنڈا کیا لیکن انہیں دو صفحہ عصمت پر لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی ان کے پاس عصمت تنہا گناہوں لغزشوں سے پاک ہستی نہیں بلکہ یہاں گناہوں لغزشوں کے بارے میں استفسار کرنے کی بھی اجازت نہیں، ائمہ و اصحاب کو عصمت سے باندھنے والوں کی حسن نیت حسن عقیدہ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اسے جھگڑا فساد برپا کرنے کیلئے معاشرے میں پیش کیا ہے۔ ان کا مقصود کفر و شرک اور الحاد کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔ چنانچہ یہی سابقہ اور موجود باطنیہ اسماعیلیوں کی سنت و سیرت رہی ہے کہ مسلمانوں کو دشمن ائمہ اصحاب قرار دے کر مصلحت کی خاطر کفر و الحاد کی حکومتوں کی جڑوں کو محکم کریں چنانچہ ہلاکو اور ان کے اولادوں کی حکومت کو قائم کیا گیا ہندوستان میں اکبر بادشاہ کی حکومت کو قائم کیا اور یہاں سیکولرزم بلکہ ملحد پرویز کی حکومت کی تائید کی ہے۔

سیرت موضوعی یعنی سیرت نویسی و سیرت گوئی اور سیرت سامعی کو موضوع بنا کر پڑھیں یعنی آئمہ کی پوری حیات کو ہر طرف سے پڑھیں مثلاً ایک طرف انھیں علم و فضل و تقویٰ اور صداقت کے لحاظ سے پڑھیں، دوسری طرف سے اس وقت کے عوام الناس کے رجحانات و توجہات و ترجیحات کو سامنے رکھیں، تیسری طرف سے معاشرے پر حاکم امراء و خلفاء کی ذہنیت، سیاست و سلوک کی روشنی میں دیکھیں اور چوتھی طرف سے جب قرآن و سنت محمدؐ کی روشنی میں ہم آئمہ کو پڑھیں گے، تو بہت سی منقولات سیرت نویسیان اکاذیب بلاسند خرافات ہوا میں اڑتی نظر آئیں گی۔ اس کے نتیجے میں اس کا اثر اس مسلک پر پڑے گا جو اہل بیت سے محبت کا دعوےدار ہے اور یوں لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ محبان اہل بیت کہلانے والے اپنے دعویٰ میں صداقت سے کس حد تک قرین ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں امام جعفر صادق کی سیرت میں چند باتیں نقل کی گئی ہیں؛

۱۔ امام ابو حنیفہ نے دو سال آپ کی تلمذی اختیار کی ہے۔ وہ اس کے ثبوت میں کہتے ہیں ابو حنیفہ نے کہا اگر دو سال ہم امام جعفر صادقؑ کی شاگردی نہ کرتے تو ہلاک ہو جاتے۔ دو سال امام کی شاگردی کے طفیل وہ ہلاکت سے بچ گئے۔

۲۔ امام جعفر صادق اور ابو حنیفہ کے درمیان مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ یا منصور دوانیقی کے دربار میں ہوا یا امام جعفر صادق کے دولت خانے میں جہاں امام صادق ابو حنیفہ

سے سوال واستفسار کرتے اور انکو ذلیل وخوار کر کے اپنے علم کو تسلیم کرواتے ہیں۔
۳۔ کہتے ہیں بنوامیہ اور بنی عباس کے درمیان رسہ کشی، جنگ ستیزی میں مصروفیت مشغولیت کی وجہ سے امام صادق کو اپنے مکتب کو فروغ دینے کا موقع ملا یہاں سے آپ نے مسجد نبوی یا مسجد کوفہ میں ایک حلقہ درس قائم کیا جہاں کم سے کم چار ہزار شاگردوں کو آپ نے علوم آل محمد سے سیراب کیا۔
۴۔ منصور دوانیقی سے نقل ہے وہ کہتا تھا کہ جعفر صادق میرے گلے میں پھنسنے والی ہڈی ہے اس نے چندین بار امام صادق کو اپنے دربار میں حاضر کیا۔ کہتے ہیں جب یہ بغداد میں تھا تو اس نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ بغداد میں قیام کریں۔ دوسری طرف سے لکھتے ہیں کہ آپ اس دوران مسجد کوفہ میں کھلی آزادی سے حلقہ درس قائم کئے ہوئے تھے اور درس دیتے تھے اب ہم سیرت موضوعی کے ان نکات کو اسی سیرت موضوعی کے دائرے میں پڑھیں گے۔
۱) امام جعفر صادق علیہ السلام معاشرے کے دگرگوں حالات کے تناظر میں اپنے رہن سہن اور سلوک وعمل کیلئے کیا طریقہ اپنائے ہوئے تھے۔
۲) سنہ ۱۳۲ھ سے ۱۴۸ھ تک کے دور میں بنی عباس کے دو خلفاء گزرے ہیں؛ عبداللہ سفاح اور منصور دوانیقی۔ ان کے علاوہ مدینے میں ان کی طرف سے قائم والی کون تھے اور یہ لوگ اہل مدینہ سے کس قسم کا سلوک کرتے تھے آیا اس کو انہوں نے ایک آزاد علاقہ کے طور پر چھوڑے رکھا یا ان کی تمام تر توجہ مدینہ وشام پر تھی اور وہ انہیں معارضین ومخالفین کا علاقہ تصور کرتے تھے۔
۳) معاشرہ سے مراد مدینہ اور شام ہے کیونکہ عراق پر عباسی مسلط تھے وہاں ان کے مخالف ومعارض نہیں تھے ان کے تمام مخالفین ومعارضین کا مرکز شام تھا جہاں بنو امیہ کی اسی سال حکومت رہی ہے۔ شام حامیان بنوامیہ تھا۔ یہاں اس علاقہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں شبہ اور تہمت پر گرفت کی جا سکتی ہے جب کہ مدینہ مرکز علوئین تھا۔ علوئین گرچہ بنوامیہ کے مخالف تھے لیکن وہ خود مدعی خلافت وطالب خلافت تھے۔ اگر یہاں امام جعفر صادق کا انقلابیوں کی طرف جھکاؤ ہوتا تو وہ عباسیوں کی گرفت میں آجاتے اور اگر آپ کا عباسیوں کی طرف میل ہوتا تو علویین آپ کو نہیں چھوڑتے۔
۴) مدعیان موالی امام جعفر صادق جن لوگوں نے امام جعفر صادق سے ولاء ودوستی کا نعرہ بلند کیا ہے جب آپ اس کاروان کے سرخیلوں کو سامنے رکھ کر امام جعفر صادق کی حیات کو پڑھیں گے تو آپ پر واضح ہوگا کتنے اکاذیب امام صادق سے منسوب کئے گئے ہیں، اس طرح سیرت موضوعی آپ پر حقائق کو واضح کرتی ہے

طبقات مورخین اسلام

تاریخ میں نقل کی طرف رجوع کر کے ہم گذشتہ حالات سے آگاہ ہوتے ہیں، اسے تاریخ کا مصدر وماخذ کہتے ہیں۔ کیونکہ تاریخ میں صرف نقل پر بھروسہ کیا جاتا ہے لہذا ہمیں گذشتہ سے جوڑنے کیلئے مندرجہ ذیل تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

۱۔ کتب اہل قدیم ہتورات جدید، انجیل۔ ۲۔ قرآن کریم۔ ۳۔ سنت قولی نبی کریمؐ۔
۴۔ اصحاب اور تابعین اصحاب کی یادداشتیں۔ ۵۔ پہلے کی لکھی گئی کتب تاریخ۔

شاکر مصطفیٰ اپنی کتاب میں ظہور مورخین کبار کے تمہید پر لکھتے ہیں قرن دوم سوم میں علماء کی تمام تر توجہ فقہ اسلامی فہم قرآن جمع لغت عرب اور اس کے مزاج خصوصیات اسرار کے بحث کی طرف تھی جبکہ ان کے بعد کے علماء کی توجہ یونانی ہندی علوم فلسفہ طب فزکس کیمیا پر مرکوز رہی۔ بخاری مسلم نے اپنی توجہ علم حدیث پر مرکوز رکھی خلیل احمد نے شعر عربی کی ترکیب اوزان پر توجہ دی، سیبویہ کسائی نے نحو پر توجہ دی ابی حنیفہ شافعی ابن حنبل مالک امام جعفر صادق نے قرآن و سنت کے روشنی میں فقہ کو اٹھایا بعض نے علوم عقلی کو فلسفی ہندی کو ترجمہ کرنے پر متوجہ کیا یہاں سے ان علوم کے نتیجہ میں مذہب معتزلہ کلامیہ اور باطنیہ وجود میں آئے۔

اس طرح تیسری صدی کے آغاز سے تاریخ کو اہمیت اور خاص توجہ کے ساتھ اٹھانے کا عمل وجود میں آیا جس کی کچھ اسناد ہمارے پاس بطور سند موجود ہیں وہ خلیفہ بن خیاط اللیثی العصفری کی کتاب ہے کتاب مورخون کبار ج اص ۲۴۴ پر ان کے بارے میں لکھتے ہیں یہ ۱۶۰ ہجری سے ۱۷۰ کے درمیان پیدا ہوئے ہیں اور ۲۴۰ کو وفات پائی۔ بصرہ کے علم حدیث سے وابستہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مامون کے دور میں تھے جس دور میں معتزلہ چھائے ہوئے تھے۔ معتزلہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔ ابن خیاط نے تاریخ میں کتاب طبقات کتاب تاریخ وغیرہ لکھی ہے لیکن ہمارے پاس جو اس وقت دسترس میں ہے وہ کتاب طبقات اور کتاب تاریخ ہے۔ ان کے مصادر تاریخی محمد بن اسحاق وہب بن جریر وغیرہ سے ہیں ابی معشر سندھی ہشام بن محمد کلبی مدائنی وغیرہ سے

ہیں۔ابی عبیدہ معمر بن مثنی سے تاریخ خوارج کونقل کرتے ہیں عبداللہ بن مغیرٗ ولید بن ہشام سے بھی نقل کرتے ہیں۔اسناد کو درک کرتے ہیں لیکن طبقات کا خیال نہیں رکھتے۔انکی زیادہ تر توجہات والی وزراء حکومت کے کارندوں اور بیت المال خزائن وغیرہ کے بارے میں مرکوز تھی۔

دوسری شخصیت ابن قتیبہ دینوری کی ہے تاریخ ومورخون ص ۲۳۹ پر لکھتے ہیں عبداللہ بن مسلم لغت وادب واخبارٗ قرآن وحدیث کے ایک علمی گھرانہ میں بغداد میں پیدا ہوئے ان کو دینوری اس لئے کہتے ہیں وہ ایک زمانہ میں دینور کے قاضی تھے بغداد میں پرورش پائی ان کی مولفات ۴۷ تک بتائی جاتی ہیں لیکن تاریخ میں ہماری رسائی طبقات شعراءٗ عیون اخبار اور کتاب معارف تک بتائی جاتی ہے اس میں فہرست کی شکل میں کتاب معارف کے مصادر روایات پر اکتفا ہے،لسانی مصادر پر اعتماد ہے۔ابن اسحاقٗ واقدیٗ کلبی وغیرہ مصادر کو نقد نہیں کرتے ،معلومات ونقد کرتے ہوئے جاری نظریات کو چھوڑتے ہیں۔

صاحب کشف ظنون نے ان کی تاریخ کے بارے میں نقل کیا ہے۔کہتے ہیں اس نے ابوحنیفہ کے اقوال کو اپنے سے نسبت دی ہے کتاب الامامتہ والیاں جوامت اسلام میں فتنہ فسادٗ خراب تفرقہ وانتشار کا مصادر بنی اس کا ایک بڑا مصدر یہ کتاب ہے اس کے بارے میں صاحب مورخون لکھتے ہیں یہ کتاب ان سے منسوب ہے ان کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔

موٴرخین:

چوتھی صدی کے کتاب تاریخ العربی والمورخون ج ۲ ص ۴۲ میں ہے عراق وایران میں محمد بن علی اعثم کوفیٗ محمد بن عبدوس کوفی جھشیاری محمد بن یحیٰ صولی متوفی ۳۳۵ صولی ۳۳۱ ٗعلی بن حسین ۳۴۶ ٗمسعودی وغیرہ آتے ہیں۔پانچویں صدی سے ساتویں صدی کے موٴرخین ۲۵۰ سال کے عرصہ میں یاقوت الحموی ۶۲۶ معذل ٗاحمد بن محمد بن یعقوب ملقب بہ مسکویہ ۴۲۱ ثعلبی ۴۲۳ ثعالی عبدالملک بن اسماعیل نیشاپور ۴۲۹ ابوالنعیم اصفہانی ۴۳۰ محمد بن احمد خوارزمی البیرونی ۴۴۰ ٗابن ابی طی ۶۳۰ عھد بویہ کے بعد جن کا عھد ۳۳۴ سے ۴۴۷ تک چلا اور ان کے بعد ۵۴۸ سے ۶۵۶ تک کے موٴرخین کا دور ہے جس میں بڑے بڑے موٴرخین جیسے مسکوئی ہیں جن کے ماں باپ مجوسی تھے ،آپ نے ۴۲۱ میں وفات پائی۔ابن امیط کے مکتبہ کے مشرف رہے پھر آل بویہ کے خدمت میں رہے فلسفہٗ کیمیاٗ منطقٗ فقہٗ ادب تاریخ وغیرہ میں مصروف ہوئے تمام اخراجات انہی بحث وتحقیقات میں صرف کی فلسفہ تربیت آداب اخلاق تاریخ میں ان کی کتاب تجارب امم ہے۔یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے یہ خلقت کائنات سے شروع کرتے ہوئے ۳۶۹ ہجری کو ختم کرتے ہیں جس میں تاریخ فارسٗ عربٗ اسلامٗ امویٗ آغاز عباسین وغیرہ پر مشتمل ہے

دوسری کتاب ثعلبی ہے ابومنصور عبدالملک بن اسماعیل نیشاپوری متوفی ۴۲۹ مشاہیر ادباء بلغائے تاریخ ادب ہے کثیر تالیف کے حامل ہیں۔

ابونعیم اصفہانی احمد بن عبداللہ بن احمد حافظ سولی متوفی ۴۳۰ ان کی کتاب حلیت اولیاء طبقات الاصغیار ہے چار جلدوں پر مشتمل ہے یہ تراجم صحابہ تابعین کبار رجال اسلام خاص کر اہل تصوف سے وابستہ افراد کے سوانح حیات وکلمات ہیں ان کی اس کتاب کو ابن جوزی نے مختصر کرکے صفوۃ الصفوۃ نام رکھا ہے۔

بیرونی ابوریحان محمد بن احمد خوارزمی ہے متوفی ۴۴۰ یہ سندھ میں پیدا ہوئے خوارزم میں رہے ہیں چالیس سال ہندوستان میں گزارے ہیں ان کا اہتمام علم نجوم فلک ریاضیات پر رہا ہے ان کی کتاب آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ ہے۔

موٴرخین اولی اسلام: [تاریخ العربی وموٴرخون ج ۱ ص ۱۴۹]

تاریخ اسلام کے مصادر وماٴخذ اولی تاریخ اسلامی کو چند علاقوں میں تقسیم کرکے موٴرخین نے انہیں طبقہ بندی میں ترتیب دیا ہے طبقہ اولیٰ کے موٴرخین جن سے مصنفین وموٴلفین اولین نے تاریخ لی ہے یہ ذوات یا تو ناظر اوضاع ومعاملات غزوات وسریہ تھے یا ان کے فرزندان تھے جنہیں موٴرخین اولین کے نام سے جانا جاتا ہے ان کے بارے میں اگر کچھ بولنا اور لکھنا چاہیں گے تو مدینہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا کیونکہ مدینہ میں رہنے والے ہی تاریخ اسلام سے واقف وآگاہ ہونگے کیونکہ یہ دارالحکومت رسولؐ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاءؓ اور ان کے بعد بھی مرکز اصحاب رہا ہے۔جب اطراف عالم میں منتشر مسلمان چاہیں گے کہ دین اسلام کے بارے میں وسیع آگاہی حاصل کریں،احکام شریعت اور تفسیر قرآن جاننا چاہیں تو انھیں مدینہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔اصحاب پیغمبرؐ اور ان کے فرزندان جنھوں نے اپنے آباء واصحاب سے سنا ہے۔ہم یہاں اس سلسلہ میں بعض شخصیات اور ان کے درجات ومراتب علم وایمان کا خیال رکھتے ہوئے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس:

عبداللہ بن عباسؓ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۷ھ میں طائف میں وفات پائی۔انھیں مدینے کا سب سے بڑا فقیہ و عالم سمجھا جاتا ہے۔انہیں تمام علوم فقہ‘انساب‘شعر‘لغت‘تفسیر قرآن‘حساب‘فرائض تاریخ میں عبور حاصل تھا ابن سعد نے کتاب طبقات میں ان کی تعریف میں لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے حلقہ میں فقہ کا درس دیتے،ایک دن تاویل قرآن‘ایک دن مغازی‘ایک دن شعر‘ایک دن تاریخ کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔عطاء بن ابی رباح جوان کے شاگردوں میں سے ایک ہے کہتے ہیں یہ لوگ ابن عباس کے پاس شعر سننے کیلئے آتے تھے بعض انساب پوچھنے کیلئے آتے بعض تاریخ عرب سننے کیلئے آتے تھے۔ابن عباس کا مقام نقل تاریخ میں وہاں واضح ہوتا ہے جہاں ان سے طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور ان کا ذکر اس کتاب تاریخ میں ۲۸۶ بار آیا ہے۔کتاب تاریخ میں ابتداء سے پانچویں فصل تک ابن عباس کا ذکر ملتا ہے۔

انہوں نے ان کے اقوال کو بہت نقل کیا ہے شاید ان میں سے بہت سی روایات ایک دوسرے سے متضاد و متناقص ہوں۔ابن عباس کی لکھی ہوئی کوئی کتاب نہیں ہے لیکن ان کے اقوال اور معلومات کتابی صورت میں ان کے موالی اور شاگردوں کے پاس ہونے کا تذکرہ ہے کریب بن ابی مسلم مولی جو ابن عباس کا غلام یا مولیٰ تھا اس کے پاس ایک اونٹ کتابوں سے لدا ہوا تھا علی بن عبداللہ بن عباس جب چاہتے تھے اس کے پاس آدمی بھیجتے تھے اور کہتے تھے مجھے فلاں فلاں صفحہ بھیجو تو وہ اس کا نسخہ کرکے ان کو بھیجتے تھے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تاریخ تدوین کا آغاز پہلے دن ہی قرن اول کے ابتدائی ایام میں شروع ہوا،ایسا نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ابن عباس نے بہت سے صفحات اپنی وفات کے بعد اپنے وارثین کیلئے چھوڑے اور وہ اتنے زیادہ تھے کہ اگر ان صفحات کو جمع کریں تو ایک اونٹ کا بار ہوگا۔ان کے شاگردوں کے پاس بھی ان سے نقل شدہ بہت سی چیزیں ہیں۔ان کے شاگردوں میں عروۃ بن زبیر محمد بن کعب قرظی‘وھب بن منبہ‘سعید بن جبیر‘انس بن مالک‘سعید بن المسیب ہیں۔ان سے نقل کرنے والے بہت ہیں جیسا کہ ابن ابی خثیمہ اور ابن سائب کلبی۔

اولاد اصحاب سے نقل کرنے والے افراد:

ا۔سعید بن سعد عبادۃ الخزرجی:

یہ پیغمبرؐ کی حیات میں پیدا ہوئے لیکن پیغمبرؐ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔بعض کا کہنا ہے انہوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے پیغمبرؐ کی حیات کے بارے میں کچھ چیزیں لکھی ہیں یا انہوں نے اپنے باپ سے کچھ مواد لیا اور پھر سعید نے بعد میں اس کی تصحیح کی ہے ان کی تصنیفات کا نسخہ اصلی ان کے پوتے سعید بن عمر بن سعد کے پاس تھا جو ابتدائی دور عباسی میں تھے۔ہمیں پتہ نہیں انہوں نے کب وفات پائی لیکن ان کا بیٹا شرحبیل بن سعد جس نے مغازی پر کتاب لکھی اس نے ۱۲۳ھ میں ۱۰۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ان کی کتاب سے ہمارے پاس بہت سی باتیں مسند ابن حنبل اور طبری میں موجود ہیں۔

۲۔سہل بن ابی خیثمہ المدنی الانصاری:

تیسری ہجری میں پیدا ہوئے‘معاویہ کے دور میں انہوں نے ۴۱ھ سے ۶۰ھ کے دوران وفات پائی۔انہوں نے پیغمبرؐ کی حیات اور جنگوں کے بارے میں لکھا ہے۔انہوں نے اپنے آثار کو اپنے پوتے محمد بن یحیٰ بن سہل کے پاس چھوڑا ہے ان سے واقدی نے بہت روایات نقل کی ہیں محمد اپنے جد کی کتاب کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں میں نے یہ باتیں اپنے آباء کی کتابوں میں پائی ہیں اس کتاب سے کچھ اقتباسات بلاذری نے انساب الاشراف اور ابن سعد نے طبقات اور طبری میں نقل کئے ہیں۔

۳۔سعید بن مسیب مخزومی:

۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں ۹۴ھ میں وفات پائی یہ عالم انساب تھے مؤرخ و فقیہ اور محدث تھے ادب میں بھی ان کا بہت کردار ہے زہری ان کے شاگردوں میں سے تھے سعید نے حیات رسولؐ کے بارے میں فتوحات کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے جس سے طبری نے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ابان بن عثمان بن عفان:

۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ سے ۱۰۵ھ کے دوران وفات پائی آپ ایک محدث تھے مؤرخ نہیں ۔ان سے بہت سی خبریں سنت پیغمبرؐ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں لیکن تاریخ کے حوالے سے نہیں لیکن جنگوں کے بارے میں روایت کوانہوں نے اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے جن کو مالک بن انس اور طبری نے نقل کیا ہے۔آپ تدوین حدیث اور تدوین تاریخ کے درمیان واقع ہیں لہٰذا کتب تاریخ اور مؤرخین میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے سوائے یعقوب کے جنہوں نے ان سے کچھ نقل نہیں کیا۔

۵۔عروۃ بن زبیر بن العوام:

۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں وفات پائی محدث وفقیہ تھے سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغازی کے بارے میں تالیف کیا اسلام کے اور بھی حوادث کے بارے میں انہوں نے کتاب لکھی ہے۔ابن اسحاق، واقدی اور طبری نے ان سے مواد لیا ہے اسی طرح ابن سعید الناس اور ابن کثیر نے بھی لیا ہے ان کی روایتیں مادہ صریح مبالغہ سے خالی ہیں اور مصادر اولیہ سے کہتے تھے انہوں نے حضرت عائشہؓ اور آل زبیر سے لیا ہے ان کے اخبار سے پتہ چلتا ہے آپ سند کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے لیکن ان سے پہلے کچھ گروہ مدینہ میں گزرے ہیں جن سے انہوں نے اخبار نقل کئے ہیں لہٰذا جو کچھ عروۃ نقل کرتے ہیں وہ بہت سے لوگوں کی کاوش کا مجموعہ ہے عروۃ نے تاریخ کے بارے میں جو روایات نقل کی ہیں کچھ پیغمبرؐ کے دور سے اور کچھ ابی بکرؓ کے دور تک یہاں تک کہ جنگ جمل کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔اسی طرح جنگ مرتدین، جنگ قادسیہ اور یرموک وغیرہ کے بارے میں لکھا ہے آپ علم حدیث اور تاریخ کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں تاریخ میں شام اور مدینہ کے مدرسہ تاریخ میں یہ پہلے شخص ہیں۔

۶۔شرحبیل بن سعد مولی بنی خطمہ:

یہ سعد بن وقاص کے پوتا ہیں جو آخری عہد عمرؓ میں ۲۴ھ اور ۲۵ھ کے دوران پیدا ہوئے انہوں نے ۱۲۳ھ میں وفات پائی ۔تاریخ لکھنے میں دقت نہیں کرتے تھے لہٰذا ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد ان پر اعتماد نہیں کرتے تھے لا یہ کہ اس کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ان اصحاب کی ایک فہرست دی ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے کہ جنہوں نے میدان جنگ میں شرکت کی اس میں ان کے اسماء درج ہیں۔

۷۔ابوفضالۃ عبداللہ بن کعب بن مالک الانصاری:

یہ کب پیدا ہوئے پتہ نہیں لیکن ۹۷ھ میں وفات پائی۔اسحاق نے کہا ہے کہ یہ انصار کے بڑے علماء میں سے شمار ہوتے تھے انہوں نے اپنے باپ سے جنگ کے بارے میں کچھ لکھا ہے ان سے ابن اسحاق طبری نے نقل کیا ہے۔

۸۔قاسم بن محمد بن ابی بکر:

ابوبکر صدیقؓ کے پوتے ہیں محمد بن ابی بکر کے بیٹے سنہ ۳۷ھ میں پیدا ہوئے یعنی علیؑ کے دور خلافت کے ابتدائی سال میں پیدا ہوئے ۔آپ نے ۱۰۷ھ میں وفات پائی ۔اپنے دور کے بڑے علماء میں سے تھے انہوں نے مغازی اخبار خلفاء کے بارے میں کتاب لکھی ہے۔طبری نے ان سے بہت نقل کیا ہے بلاذری اور واقدی نے بھی نقل کیا ہے۔

۹۔وھب بن منبہ:

یمن کے قریہ ذمار سے تعلق رکھتے تھے ان کی اصل فارس ہے یہ یہودی تھے پھر مسلمان ہوگئے ۔کتب عربی میں وارد بہت سی اسرائیلیات انہی سے منسوب ہیں ۔وھب نے زیادہ تر یمن کے جاہلیت کے دور کے اخبار پر توجہ دی ہے اس کے علاوہ وھب زیادہ تر مصادر نصاریٰ نجران سے بھی لیتے تھے ان کی کتابوں میں ایک کتاب جوان سے منسوب ہے کتاب ملوک متوج من خمیر و اخبار ھم و قصصھم و قبورھم واشعار ھم کتاب تیجان فی ملوک حمیر میں شامل ہے اخبار وھب بن منبہ میں زیادہ تر قصص میں عوامی خرافاتی رنگ غالب ہے۔اس نے قصص تاریخ لکھنا شروع کی اصل میں یمن کے رہنے والے تھے

مدینہ میں غربت کی حالت میں آئے زیادہ تر کعب بن احبار سے نقل کیا ہے جس نے سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی اور عبداللہ بن سلام سے بھی نقل کیا ہے جنہوں نے ۴۰ھ کو وفات پائی اس کے بعد ان دونوں کے علاوہ وہ جو کچھ تورات اور انجیل سے جانتے تھے وہ جمع کیا ہے انہوں نے ۷۰ یا ۹۴ کتب کو جمع کیا ہے۔ علماء نے وھب بن منبہ کی کتاب کو مشکوک نظروں سے دیکھا ہے لہٰذا ان کو اصحاب مغازی اور سیرت نویسوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے اس کے باوجود ان کے پاس غزوات کے بارے میں کچھ ملتا ہے۔ انہوں نے ایک کتاب ''المبتدا'' کے نام سے لکھی ہے جو ان کی سب سے پہلی کتاب ہے جسے مؤرخین سیرت میں نہیں لیتے تھے۔ ایک کتاب ''محاولۃ فی الاسلام'' کے نام سے ہے جو ایک جامع تاریخ کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب 'ملوک متوجۃ من حمیر'' کے نام سے قبیلہ حمیر اکے بادشاہ کے نام سے ہے لیکن ان کی روایت میں انداز قصص کوئی کا رنگ چھایا ہوا ہے جسکی کوئی سند نہیں یہ قصہ کہانیوں پر مشتمل ہے اس میں یمن کے یہودیوں سے متعلق حالات ہیں اور اشعار کو جمع کیا گیا ہے لہٰذا اس میں شک کی وجہ سے علماء نے ان کی احادیث کو اہمیت نہیں دی اس کے باوجود مدرسہ مدینہ میں ان کا نام آتا ہے۔ ان کے آثار میں اسرائیلیات بہت شامل ہیں ابن اسحاق، ابن قتیبہ، مسعودی، مقدسی، طبری، کسائی اور ثعلب نے بھی ان سے نقل کیا ہے۔ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

مؤرخین اسلامی طبقہ دوم:

۱۔ عبداللہ بن ابی بکر بن ابن حزم:

یہ ۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا اسلام سے گہرا رشتہ تھا انھیں میں عمر بن حزم ہیں جو پیغمبرؐ کی طرف سے یمن میں والی تھے۔ ان کے جد مدینہ کا دفاع کرتے ہوئے جنگ خندق میں شہید ہوئے۔ ان کے والد قاضی مدینہ تھے۔ وہ ۹۶ھ میں اور ۱۱۸ھ میں والی بنے۔ عبداللہ نے خود کو سیرت رسولؐ میں مصروف رکھا انہوں نے پیغمبرؐ کی جوانی آپؐ کے چچاؤں، غزوات اور مرتدین کے بارے، بہت کچھ لکھا ہے پیغمبر اکرمؐ کے باہر سے آنے والے وفد کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کے حوالے سے بھی انھوں نے لکھا ہے۔

وہ نہ صرف حدیث جمع کرنے پر اکتفا کرتے تھے بلکہ حدیث کو وقت اور سنہ کے حوالے سے ترتیب دیتے تھے مثلاً انہوں نے پیغمبرؐ کے غزوات کی فہرست کو سنہ کے حوالے سے مرتب کیا ہے چنانچہ اس ترتیب کو ابن اسحاق نے ان سے لیا ہے اس کے علاوہ طبری نے بھی ان کے اس طرز کو اپنایا ہے۔ اس وجہ سے سب سے پہلے تاریخ کو سنہ کے حوالہ سے ترتیب دینے والے ابن حزم ہیں چنانچہ انہوں نے وہ خطوط جو پیغمبرؐ نے ملک حمیر کو لکھے تھے اور ان کو جو آپؐ نے ان کے جد عمر بن حزم کو دیئے جب انھیں دین سیکھانے کیلئے بھیجا سب کو جمع کیا ہے۔

۲۔ عاصم بن عمرو بن قتادۃ: (متوفی ۱۱۹ھ)

وہ انصار میں سے تھے ابن قتادۃ کے جد جنگ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھے، جنگ حنین میں یہ قبیلہ بنی ظفر کے پرچم دار تھے ان کے والد راویان حدیث میں سے ہیں لیکن آپ نے کسی قسم کا منصب نہ رسمی طور پر لیا اور نہ ہی آپ اغنیاء میں تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بنی امیہ کے دور حکومت میں معاونت کی تلاش کی غرض سے دیگر اہل مدینہ کی طرح دمشق گئے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کا قرضہ ادا کیا اور ان سے کہا مسجد دمشق میں بیٹھیں اور لوگوں کو غزوات نبیؐ اور اصحاب کے فضائل بتائیں آپ ۱۰۱ھ کو واپس مدینہ آئے، آپ غزوات نبیؐ کی تاریخ میں مشہور تھے اور اس میں ان کو معتبر علماء میں جانا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مدینہ میں غزوات پیغمبرؐ کے بارے میں ۲۰ سال مشغول رہے عاصم نقل روایت، سند اور شعر میں اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی بکر جیسے تھے۔

۳۔ ابو روح یزید بن رومان الأسدی المدنی:

یہ زبیر کے موالیوں میں سے ہیں آخری تابعین کے ہم عصر تھے انہوں نے ۱۳۰ھ میں وفات پائی عروۃ بن زبیر کے علاوہ انہوں نے اپنے ہم عصر زھری سے بھی نقل کیا۔ ابن اسحاق اور امام مالک ان کے شاگرد رہے ہے۔ انہوں نے غزوات کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور واقدی کو پہنچائی جس نے اس سے استفادہ کیا ہے لہٰذا وہ واقدی کے استادوں میں سے ہیں اس کے علاوہ ابن سعد اور طبری کے پاس ان کی نقل ملتی ہیں۔

۴۔ابوالاسود محمد بن عبدالرحمن بن نوفل الاسدی:

انہوں نے ۱۳۱ھ یا ۱۳۷ھ میں وفات پائی ۔یہ عروۃ کے علاوہ زھری کے بھی شاگرد رہے ۔مصر کے مؤرخین میں سے بعض ان کے شاگرد رہے ہیں ۔ابن حجر کے پاس ۴۸ جگھوں پر ان کی نقل ہے ان کے بعض کلمات اور مواد آپ کو ابن سعد کے طبقات میں ملیں گے اسی طرح انساب اشراف کے بارے میں ان کی نقل ملیں گی طبری کے پاس بھی ان کی نقل موجود ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مؤلف کے پاس کس قدر مواد ہے ۔

۵۔محمد بن مسلم بن شھاب زھری:

یہ اپنے دور کے بڑے علماء میں سے تھے ابن زھری متولد ۵۰ھ اور متوفی ۱۲۴ھ ہیں ۔انہوں نے مدرسہ تاریخ شام اور مدینہ کی بنیاد رکھی ہے آپ اپنی کتابیں اونٹ پر لاد کے یہودیوں کے پاس لے گئے' زھری مکہ میں قبیلہ زھرۃ کی جید شخصیات میں سے تھے ان کے جد نے جنگ بدر اور احد میں پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ لڑی ہے لیکن آپ کے باپ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تھے ۔جب انہوں نے بنی امیہ سے جنگ لڑی زھری مروان بن حکم کے پاس دمشق گئے پھر عبداللہ ملک کے پاس گئے اور ان کے پاس رہے انساب عرب کے عالم تھے عہد رسالتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور کی معلومات سے آگاہ تھے ۔ان کے نتائج بہت اچھے ہوتے تھے ۔جو کچھ جانتے تھے وہ لکھ لیتے تھے مالک بن انس ان کے دور میں تھے وہ کہتے تھے سب سے پہلے علم کو تدوین کرنے والے ابو شھاب تھے' اسی طرح سیرت نبوی اور علم غزوات اور جو کچھ آج ہمارے پاس ہے ان کا لکھا ہوا ہے وہ بنی امیہ کے ابتدائی دور میں رہتے تھے ۔طبری کے پاس ان سے نقل ملیں گی لیکن انہوں نے بنی امیہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اگرچہ بعض سوالات جو خلفاء بنی امیہ ان سے کرتے تھے وہ ان کا جواب دیتے تھے ان کے سنہ کو لکھتے اور ان کے ساتھ رہتے تھے انہوں نے خلفاء راشدینؓ کے دور کو تفصیل سے لکھا ہے ان کا دور اجماع احزاب' جنگ وجدال کا دور تھا ۔

زھری کے شاگرد:

زھری کے بعد ان کے علوم اور معلومات کو ان کے شاگردوں نے تسلسل سے محفوظ کرنے کے ساتھ نشر کیا ہے ۔یہاں ہم ان کے شاگردوں میں اہم ۳ برجستہ شخصیات کا ذکر کرتے ہیں:

ا۔موسیٰ بن عقبہ الاسدی المدنی:

یہ ۵۵ھ میں پیدا ہوئے بعض نے ۶۰ھ بتایا ہے ۱۴۱ھ میں وفات پائی انہوں نے مغازی' تاریخ خلفاء راشدینؓ اموی زھری سب کو نقل کیا ہے ۔چنانچہ ابن عباس کی کتابیں ان کے پاس پہنچیں ہیں ان سے ابن سعد' ابن اسحاق' واقدی اور طبری نے نقل کیا ہے مالک بن انس ان کے شاگرد رہے انہوں نے ان اصحاب کا نام لکھا جو حبش میں ہجرت کر کے گئے تھے یا جنہوں نے بیعت عقبہ میں پیغمبرؐ کے ہاتھوں بیعت کی ۔

۲۔معمر بن راشد البصری:

۹۶ھ بصرہ میں پیدا ہوئے ۔۱۵۴ھ کو صنعاء (دارالخلافہ دمشق) میں وفات پائی ۔بصرہ سے یمن منتقل ہوئے ۔آپ یمن کی طرف منتقل ہونے والے پہلے محدث ہیں آپ کے وہاں جانے سے عراق اور یمن کے درمیان علوم کا وصل اور رابطہ قائم ہوا' یمن میں جا کر مصروف ہونے سے پہلے مغازی کے بارے میں کتاب لکھی زھری سے نقل کیا اور ان سے بلاذری نے نقل کیا ہے اس طرح ابن سعد نے نقل کیا ہے ۔معمر نے اپنی کتاب کو زمانہ کے حوالے سے ترتیب نہیں دیا جس طرح ابن عقبہ نے کیا ہے لیکن انہوں نے موضوع کی ترتیب بیان کی ہے جس طرح انہوں نے علم حدیث میں کیا تھا ۔محدثین میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے ابواب میں تصحیح کی اور موضوعات بنائے ہیں لیکن انہوں نے پیغمبرؐ کی سیرت لکھتے ہوئے کتاب میں پیغمبرؐ کی سیرت پر تنہا اکتفا نہیں کیا بلکہ دیگر انبیاء کی سیرت کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے ۔معلوم ہوتا ہے وہ ان سے نقل شدہ ہے جو طبری میں آیا ہے بہت سی کتب جو انبیاء سے متعلق قصہ کہانی پر مشتمل ہیں انہوں نے انہیں نقل کیا ہے اسی طرح ابن سعد نے ان کے اخبار کو ان کے شاگرد عبدالرزاق بن ھمام (متوفی ۲۱۱ھ) کے توسط سے نقل کیا ہے انہوں نے خود مغازی کے متعلق کتاب لکھی ہے جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے ۔

۳۔ محمد بن اسحاق المطلبی:

یہ زھری کے شاگردوں میں سب سے بارز، فاضل، اہم مشہور شخصیت اور مدرسہ مدینہ کے ستون ہیں ۸۵ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۱ھ کو وفات پائی۔ ان سے تاریخ مفصل طور پر لکھنا شروع ہوئی۔ سب سے قدیم کتاب جو اس وقت سے ابھی تک محفوظ ہے وہ ان کی کتاب ہے ان کے دادا عین تمر سے پہلی بار اسیر ہو کر لائے گئے محمد نے مدینہ میں اس کے اہل سے اخبار اخذ کیے خود اس نے تنہا ۱۰۰ راویوں سے زیادہ سے بالمشافہ اخذ کیا ہے۔ محمد بن اسحاق خود لوگوں سے جنگوں کی جگہ پوچھتے اور وہاں جاتے اور اہل مدینہ سے پوچھتے اہل کتاب سے سوال کرتے تھے یا مدینہ میں باہر سے آنے والے عجمیوں سے دریافت کرتے تھے۔ آیات، خطوط، قصص عوامی، عربی قصوں سب کو جمع کیا اور ان اخبار کو بھی جمع کیا ہے جو وھب بن منبہ نے یمن کے بارے میں نقل کی ہیں۔ محمد بن اسحاق نے مختلف موضوعات کے حوالے سے معلومات جن افراد سے لی ہیں وہ ۱۱۴ ہیں۔ وہ سب سے زیادہ منصور دوانیقی کے دور میں عراق آئے اور منصور دوانقی کو انہوں نے اپنی کتاب پیش کی۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جو انہوں نے مدینہ میں جمع کیا تھا ان سے جزیرۃ اور ایران والوں نے استفادہ کیا اور بہت سے راویوں نے نقل کیا ہے لیکن اہل مدینہ نے ان سے نقل نہیں کیا، اہل مدینہ نے اس کو متہم کیا ہے سوائے مالک بن انس کے بلکہ دجال ہونے کی تہمت لگائی ہے اور ان کی خبر کو نقل کرنے سے پرہیز کرتے تھے مستشرق فوک نے ان کے شاگردوں کی تعداد ۱۵ بتائی ہے جو سب عراقی اور ایرانی ہیں، اس نے کتاب میں خلفاء راشدینؓ کے بارے میں جو لکھا ہے وہ دیگر کتابوں میں منتشر ہے جیسے طبری وغیرہ ہیں ان کی کتاب ''مبداء''، جس میں ابتداء خلقت سے ظہور اسلام کا ذکر کیا گیا ہے اس کی کتاب سے واضح نظر آتا ہے وہ ابن منبہ، اسرئیلیات اور قصص یمن سے، متاثر ہوا ہے۔ اس میں پیغمبرؐ کی سیرت کے بارے میں آیات قرآنی، احادیث اسرائیلیات، صحیح، غلط اور جعلی سب کو جمع کیا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے محدثین اخباریین سب کے قول کو جمع کیا ہے اور سیرت کے بارے میں لکھا ہے سب کا اتفاق ہے اس نے سند میں دقت نہیں کی ہے بلکہ انساب میں خود بھی جعل کرتے تھے۔ قصیدہ کہتے تھے اور پھر احادیث کے حوالے سے جمع کرتے یہاں تک کہ انہوں نے عاد و ثمود کے قصیدے بنائے ہیں۔ ان کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سیاسی و دینی حوالے سے بنی امیہ، اہل تشیع دونوں اور فقہ میں مالکیوں کے ساتھ تھے۔ **معلق ھاملتون** محمد بن اسحاق کے مغازی کے بارے میں لکھتے ہیں'' ان کی سیرت وسیع اور کھلی ہے ان کی سیرت نے مدینہ کی بجائے مشرق میں رواج پایا۔ محمد بن اسحاق کے دور میں ان کے مقابل میں کچھ دوسرے افراد جنہوں نے سیرت پر توجہ مرکوز کی اس میں درج ذیل مؤرخ آتے ہیں:

ابو معشر السندھی:

۱۷۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ اصلی نام عبد الرحمن بن ولید بن ھلال تھا کہتے ہیں محمد بن اسحاق ابو معشر کو سندھ سے لائے اور مدینہ لا کر فروخت کیا۔ مدینہ میں اس کا نام نجیح رکھا پھر یہ معشر ابن موسیٰ بنت منصور کے ولاء میں آئے مھدی موسیٰ کی ماں کے غلام بنے۔ پھر انھوں نے مکاتبہ کر کے خود کو آزاد کیا اور بنی عباس کے ہاں کام کیا انہوں نے جنگ اور اصحاب کے بارے میں لکھا ہے ان کی کتاب کا نام تاریخ خلفاء ہے جو سنہ کے حوالہ سے لکھی گئی ہے واقدی نے ان کی سیرت سے لیا ہے اور ابن سعد نے بھی ان سے نقل کیا ہے یہ دونوں آخر میں مدینہ چھوڑ کر عراق آگئے۔

واقدی محمد بن عمر:

۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۷ ھ میں وفات پائی۔ یہ مامون رشید کے دور میں تھے یہ موالی تھے۔ مالک بن انس اور سفیان ثوری کے شاگرد تھے اپنے دور کے مشہور عالم تھے یہ ہارون رشید کے ساتھ رہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے مامون رشید کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ بہت زیادہ کتب خریدتے اور ان کی نسخہ گیری کرتے تھے جب مرے تو ان کے پاس ۶۰۰ اونٹ کے بار کتابیں تھیں۔

عبد اللہ بن لہیعہ المصری: [معلم ثقافۃ الاسلامیۃ فی القرنین الاولین من الہجرۃ ص ۱۲۳]

امام حدیث تھے مصر کے مدرسہ حدیث میں لیث بن سعد جو قرن دوم ھجری کے ہیں کے بعد ان کا نام آتا ہے ابن لہیعہ طالب علم تھے علم کو جمع کرنے کا بچپن سے شوق تھا، بہت سی روایتوں کے ناقل ہیں اپنے دور کے دیگر علماء کی بنسبت بہت آثار رکھتے تھے اپنے بعد آنے والے بہت سے علماء کبار مثلاً ابن وہب وغیرہ کی

بنسبت زیادہ علم رکھتے تھے۔ابن ہلیعۃ کی حدیث شناسی کا اندازہ بیان کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بارے میں کسی قاطع مطمئن رائے کا قائم کرنا بہت مشکل ہے۔

۱۔ان کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں چنانچہ صاحب کشف حدیث کہتے ہیں ابن ہلیعۃ کے بارے میں جرح وتعدیل حد سے زیادہ ہے بعض نے ان پر تنقید کی ہے اور بعض نے ان سے دفاع کیا ہے سادہ الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ علماء ان کے بارے میں تجسس کا شکار ہیں بعض ان کی تعریف کرتے ہیں جبکہ بعض ان کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

۲۔بعض ناقد ہیں حتیٰ ایک ناقد کی آراء خود مضطرب ہیں چند روایات جو ان سے نقل کرتے ہیں جن میں بعض موثق متوقف متحفظ اور منفرد ہیں بعض سے نقد کی بو آتی ہے جو ان کے بارے میں بحث کرنے والوں کیلئے تشویش وحیرت کا سبب بنتی ہے کہ کس بات کو قبول کریں اور کس بات کو رد کریں۔

۳۔بعض نے صریح عبارت میں ان پر جرح وتعدیل کی ہے لیکن بغیر کسی سبب کے کسی نے کوئی مثال اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے بیان نہیں کی لیکن صریح الفاظ میں ان کی مذمت کی ہے۔

۴۔ان کے بارے میں نقد وتنقید کی بنیاد بذات خود مضطرب ہے مثلاً ابن ہلیعۃ مختلط آدمی تھے ان کی کتابوں سمیت ان کے گھر کو جلایا گیا ہے اس وجہ سے ان کے بارے میں بعض حیران ہیں اور بعض متوقف ہیں ان کے بارے میں کوئی حکم صادر کرنے سے پہلے ان کے بارے میں فیصلہ کرنا ضد سے ضد کی طرف جانا ہے بعض تائید کرتے ہیں بعض ثابت کرتے ہیں اور بعض ان کی شخصیت کی نفی کرتے ہیں۔

ان کے نظریات کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے ان کا نظریہ سمجھنا مشکل ہے۔اس شخصیت کے بارے میں ایک کامل سوانح حیات نہیں ملتی جو علماء نے حدیث کے بارے میں نقل کیا ہے۔ان آراء کو جمع کرنا ایک ناقد کیلئے مشکل ہے جن بنیادوں پر متناقص ناقدوں نے ان کی نقد مناقشی کی ہے اس کا سمجھنا مشکل ہے جن لوگوں نے ان کی تائید کی ہے اور ان سے اختلاف کو رد کیا ہے۔یہ سب ابن لھیعۃ کی شخصیت کو سمجھنے میں مشکل ہیں۔

ہشام بن محمد:

ہشام بن محمد بن سائب کلبی کنیت ابامنذر کا شمار ابتدائی دور کے مشہور ترین علماء انساب میں ہوتا ہے۔یہ متعدد کتب اور مختلف موضوعات کے مؤلفین میں سے ہیں۔ہشام کوفہ میں پیدا ہوئے وہیں اقامت کی اور وہیں پر وفات پائی۔آپ بغداد بھی گئے ہیں۔ان کا تعلق ایک علمی گھرانہ سے تھا۔ان کے باپ محمد بن سائب کلبی کوفہ کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے وہ حلقہ دروس حدیث، روایت، تفسیر رکھتے تھے ہشام نے اپنے باپ اور اس وقت کے بڑے علماء سے درس لیا ہے ابن کلبی جلد حفظ کرتے تھے اور جلد ہی بھول جاتے تھے وہ کہتے ہیں میں نے وہ چیزیں یاد کی ہیں جو کسی نے یاد نہیں کیں اور وہ چیزیں بھلا دیں جو کسی نے بھی بھلائی نہ ہوں گی۔

اپنی قدرت حفظ کے بارے میں دلیل کے طور پر وہ پیش کرتے ہیں کہ میرے چچا نے حفظ قرآن کے سلسلے میں میری ملامت کی کہ تم قرآن کو حفظ نہیں کرتے تو میں گھر میں داخل ہوا اور قسم کھائی کہ جب تک قرآن حفظ نہیں کروں گا گھر سے باہر نہیں نکلوں گا یہاں تک کہ اس نے تین دن کے اندر پورا قرآن حفظ کیا۔وہ اپنی جلد فراموشی کے بارے میں لکھتے ہیں میں نے ایک دن خود کو آئینے میں دیکھا پھر اپنی داڑھی کو پکڑا تاکہ ہاتھ سے زائد کاٹ دوں لیکن اس سے زیادہ کاٹ لیا۔ہم ان کے قول کے پہلے حصہ کی تصدیق نہیں کرتے ہیں کیونکہ تین دن حفظ قرآن کرنے کیلئے کافی نہیں شاید کچھ حصہ بھول گئے ہوں یا بعض سورہ وہ بھول گئے تھے ایسی باتیں اس لیے کی جاتی ہیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ روایت میں ثقہ نہیں ہیں۔

چنانچہ ایک دن لوگ بغداد میں گفتگو کیلئے بیٹھے تھے تو خطیب بغدادی نے ذکر کیا کہ کوئی شخص ان کی حدیث پر اعتماد نہیں کرسکتا کیونکہ وہ صاحب نسب اور سیرت ہے یاقوت حموی نے کہا ہے احمد بن حنبل نے ان سے نقل کیا ہے وہ صاحب سیر ونسب تھے ان سے کسی نے حدیث نقل نہیں کی۔لوگ کلبی پر ایک محدث کے طور پر اعتماد نہیں کرسکتے۔وہ عالم انساب تھے، اخبار ایام عرب قبائل بادشاہان، ان کی تاریخ ان کے ملک کی تاریخ، تعلیم القاب ادب، ان کے محاسن اور ان کی برائی، ان کی عادات اور ان کے اجتماع وغیرہ ان موضوعات پر وہ کافی عبور رکھتے تھے ان پر انہوں نے ۱۵۰ کتابیں لکھی ہیں ان کی کتابوں کی فہرست ابن ندیم کی

فہرست میں چار صفحات میں ذکر ہوئی ہے۔ابن کلبی کے بارے میں اسحاق موصلی کہتا ہے کہ ابن کلبی کا تخصص وتوجہ یا ان کا موضوع زیادہ تر انساب سے متعلق تھا ان کی صفت صفت نسابہ ہے وہ ہر شخص کو اس کے نسب سے ملاتے تھے ان کی چار کتابیں ہیں اس سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب "الجمھرۃ" ہے معرفت انساب عرب میں یاقوت حموی لکھتے ہیں بہترین کتاب ابن کلبی کی یہ کتاب ہے ان کی نسب میں ایک اور کتاب "المنزل" کے نام سے ہے وہ اس سے بڑی ہے ایک کتاب "الفرید" ہے یہ انہوں نے علم نصب میں مأمون کیلئے لکھی ہے ایک کتاب "الملوکی" ہے جو جعفر برمکی کیلئے لکھی ہے۔

ھشام کے علم انساب میں شہرت کی وجہ سے ان کی حیات کے بارے میں بہت سی عجیب وغریب باتیں نقل کی گئی ہیں کہتے ہیں ان کی حیات میں بعض اہل فارس نے عالم انساب عرب ہونے کا دعوی کیا وہ جانتے تھے کہ یہ پیسہ لے کر جعل کرتے ہیں ابن نواز نے ایک دن ایک نسب عربی کا دعوی کیا جبکہ ابن کلبی نے اسے مسترد کیا تو ابونواز نے دو بیت لکھ کر بھیجے۔

ابن ندیم نے اور بھی کتب کلبی سے منصوب کی ہیں جن میں "کتاب اولاد فقھا" "کتاب امھات نبی" "کتاب امهات الخلفاء" "کتاب تسمية ولد عبد المطلب" "کتا ب كنى آباء الرسول" "کتاب جمهره الجمهرة" شامل ہیں۔

ھشام بن محمد بن سائب کلبی انساب تاریخ کے عالم تھے ان کے بیٹے نے اپنے باپ کی جمع کردہ معلومات کو آگے بڑھایا' ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب جمہرۃ النسب ہے اس نے تاریخ انبیاء' تاریخ عرب' تاریخ فرس وعصر سب کو جمع کیا ہے لہذا ہشام کلبی سب سے زیادہ تاریخ عرب پر عبور رکھتے تھے۔ہشام بن کلبی کے نام سے بہت سی کتابوں کا ابن ندیم نے فہرست میں ذکر کیا ہے اس کے باوجود ہشام سائب کلبی وضع جعل حدیث میں متہم ہیں بہت سے علما ان سے روایات کرنے میں اجتناب برتتے ہیں لیکن بروک سیمان مستشرق ان سے اتفاق کرتے ہیں۔

سلیمان بن ترحان تمیمی:

بصری ہیں لیکن بنی تمیم میں قیام کرنے کی وجہ سے انہیں تمیمی کہتے ہیں، وہ محدثین عباد، مجتہدین ثقات میں سے ہیں۔انہوں نے احادیث مغازی اور مغازی اور حدیث بعض صحابہ سے سنی ہیں۔انہوں نے انس بن مالک، حسن بصری، طاؤس سے روایات لی ہیں ان کا ایک بیٹا تھا۔وہ بھی موثق تھے، ۱۰۶ میں پیدا ہوئے۔۱۸۷ھ میں وفات ہوئی۔سلیمان نے ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب کو خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے دیکھا ہے اور انہوں نے دمشق میں نقل کرنے کی اجازت دی ہے۔طبری نے ان سے نقل کیا ہے ان سے ان کے بیٹے نے نقل کیا ہے۔بخاری نے بھی ان کی کتاب مغازی سے نقل کیا ہے۔یہ بھی نقل میں تجربہ، تحقیق، امانتداری رکھتے تھے۔شعبہ نے کہا ہے؛ جب وہ پیغمبرؐ سے حدیث نقل کرتے تھے تو ان کا رنگ بدل جاتا تھا۔

لوط بن یحیٰ مشہور بہ ابی مخنف متوفی ۱۵۷ھ:

کوفہ کے رہنے والے تھے اخبار انساب جمع کرتے تھے اور خاص کر کے فتوح عراق سے متعلق اخبار جمع کیں جس طرح واقدی اخبار حجاز اور سیرت نبوی پر توجہ رکھتے تھے اور مدائن' خراسان' فارس اور ہند کے اخبار پر توجہ رکھے ہوئے تھے۔خوارج، انقلابات شیعہ سے واقف تھے۔ان کی گرائش علوین کی طرف ہے۔مستشرق بروک لیمان کہتا ہے؛ ابومخنف اول شخص ہے جس نے فتوحات، خوارج، ایام عرب، خلفاء اور والیان خلفاء کے بارے میں نقل کیا ہے۔ابن ندیم نے لوط بن یحیٰ کی طرف ۲۵ کتب کو نسبت دی ہے۔وہ عراق میں بنی امیہ کی تاریخ کو بہت اہمیت دیتے تھے ان میں مقتل حسینؑ، سیرت حسینؑ، صفین، جمل وغیرہ شامل ہیں لیکن علماء اور محدثین نے ابو مخنف کے بارے میں کہا ہے وہ ثقہ نہیں ہیں۔ابو حاتم نے کہا ہے ان کی حدیث نقل نہیں کی جا سکتیں۔دار قطنی نے کہا ہے ان کی اخبار ضعیف ہیں، اس کے باوجود طبری نے ان سے بہت نقل کیا ہے۔مدائنی اور اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں، ابن حجر نے الاصابۃ میں نقل کیا ہے۔انہوں نے کہا ہے تاریخ اور حدیث میں معیار مختلف ہے۔

سیف بن عمر ابن تمیمی ص ۲۵۷ سیف ہشام بن عمر وموسی ابن عقبہ کلبی ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں۔ان کو محدثین علماء ابن معز نسائی دار قطنی نے ضعیف گردانا ہے ابو حاتم نے ان کی احادیث کو واقدی جیسا متروک کہا ہے۔محدثین نے ان سے منقول روایت کو ضعیف گردانا ہے، سیف بن عمر کو ابتدائے عصر عباسی کے مؤلفین میں گنا جاتا ہے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ: (ص ۱۷۷)

ابو مخنف نے ۳۲ کتابیں لکھی ہیں مؤرخین کا کہنا ہے ان میں سے بعض ان سے منسوب ہیں کیونکہ ان کی جنگوں ان فتوحات شوریٰ صفین، خوارج اور حوادث عراق پر مشتمل ہیں طبری نے اپنی تاریخ میں ابو مخنف کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ گرچہ بعض محدثین نے ان کی اسناد کو ضعیف گردانا ہے ابو مخنف کے بارے میں معروف ہے شام کی مقابل عراق کی اور امویوں کے مقابل میں علویوں پر توجہ رکھتے تھے۔ وہ اپنے نقل حوادث میں تسلسل کا خیال رکھتے تھے اس کی کتب کا مجموعہ رسائل کی شکل میں تھا اس نے سنہ ۱۵۷ھ کو وفات پائی۔ محققین کا کہنا ہے اس وقت جو مقتل ابو مخنف سے منسوب ہے اس کی تالیف کردہ نہیں ہیں یہ طبری سے نقل شدہ ہے۔ جبکہ عوانہ ھشام کلبی کا کعبہ شام کی طرف تھا اور وہ یزید کو بری کرنے پر تلا ہوا تھا۔

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تمیمی:۔

یہ فارس الاصل یہودی ہے یعنی فارسی اصل و یہودی نژاد ہے لیکن عربی تمیمی کے موالی ہیں۔ علم وثقافت میں وسعت واحاطہ رکھتے تھے۔ اس نے عربی و فارسی یہودی علماء کو جمع کیا ہوا تھا ابو عبیدہ نے علم اپنے اساتید ابو عمرو بن علاء یونس ابن حبیب وغیرہ سے حاصل کیا ہے ایام عرب، اخبار، اشعار انساب لغات میں سب سے اعلم تھے ابو عبیدہ جاہلیت واسلام کے صف مقدم کے مؤرخین میں سے ہیں وہ عرب شمال کی تاریخ اسلامی کے واقف تھے۔ عصر نبوت، فتوحات اسلام بھی رکھتے تھے وہ مفاخر و مسالیب قبائل شخصیات جنگ احزاب خاص کر کے خوارج، قضاوت، موالی قرآن حدیث، شعر سب کے عالم تھے۔ انہوں نے عربوں کی مذمت میں بہت کچھ لکھا ہے احمد امین نے ان کی شعوبیت کے بارے میں بتایا ہے۔

شعبی:

عامر ابن شراحیل بن عبدی ذی کبار۔ ان کا سلسلہ نسب یمن کے خاندان حمیر سے ہے۔ لقب شعبی ہوا ہے، لیکن وہ خود ھمدان سے ہیں۔ متوفی ۱۰۳ یا ۱۰۵ ھ یہ سنہ ۱۹ ہجری میں دور خلافت عمر میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں پرورش پائی ہے۔ شعبی تابعین میں سے جلیل القدر تابع گنے جاتے ہیں۔ علم و معارف میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو دیکھا ہے علی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اسی طرح اور بھی صحابہ جیسے سعد بن ابی وقاص، ابوموسیٰ اشعری، ابی ہریرہ، عائشہ، عبداللہ بن عمر عاص وغیرہ سے ملے ہیں۔ علماء ان سے روایات نقل کرتے ہیں خود ان سے سبعی، ثوری، اعمش وغیرہ نقل کرتے ہیں۔ شعبی فتوحات اسلامی لکھنے میں نام رکھتے ہیں۔ انھوں نے تاریخ خلفاء راشدین اور ان کے بعد والوں کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ سب سے پہلے اموئین، شوریٰ، مقتل حسینؑ کے بارے میں لکھنے والوں میں سے ہیں۔ شعبی مغازی اور فتوحات کے بارے میں لکھنے والوں کے قائدین میں سے ہیں، انھیں اس پر لکھنے کی قدرت انکی حدیث، فقہ اور شعر شناسی ہے۔

انہوں نے مختار ثقفی سے فرار ہو کر مدینے میں چند مہینے گزارے ہیں وہ واقعہ دیر جماجم میں ابن اشعث کے ساتھ تھے پھر انہوں نے حجاج کے انتقام سے نجات پا کر کتابت شروع کی۔ ایک دور میں وہ قتیبہ علم بن باہلی کے کاتب بنے چنانچہ وہ عبدالملک بن مروان کی سفارت میں بزنطیہ گئے۔ عمر و ابن عبدالعزیز نے ان کو قاضی بنایا۔ اس حوالے سے شعبی پر فقہ و تفسیر چھا گئے ہیں وہ نقل اخبار میں اسرائیلیات نقل کرنے میں مشہور ہوئے ہیں یعنی انھوں نے اخبار اہل کتاب سے مسلمان ہونے والوں سے لئے ہیں۔ وہ قصہ کہانی اور اخبار یمن وحجازی میں مشہور ہوئے۔ زیادہ تر اخبار تبع کی طرف میل رکھتے تھے حتیٰ ان عربوں سے جو دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نے عجیب وغریب شہروں کو دیکھا ہے سے بھی متمسک ہوئے۔ اس میں طبری کے پاس شعبی کی کسی تالیف کا ذکر نہیں ہے لیکن ان کی روایات نقل کرتے ہیں۔ کتب مصادر میں ان کی کسی کتاب کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن ان کا ذکر ضرور آتا ہے۔ اخباریوں نے ان سے بہت سے اخبار نقل کئے ہیں۔ یہیں سے شبہ ہوتا ہے مدرسہ مدینہ میں ہمارے پاس شعبی کی کوئی چیز نہیں ہے وہ اِدھر اُدھر منتشر ہے۔

عبید بن شریہ جرہمی: [کتاب تاریخ والمورخون ص ۴۵]

ان کی اصل نسب میں اختلاف رکھتے ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ وہ صنعاء یمن سے تعلق رکھتے تھے بعض نے کہا ہے وہ عراق کے شہر رقہ سے تعلق رکھتے تھے بعض نے کہا ہے وہ یمنی اور جرہمی نژاد ہے وہ اخبار و قصہ خوان تھے انھوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے لیکن پیغمبرؐ سے کوئی چیز سنی نہیں ہے وہ دور اقتدار میں معاویہ بن

ابی سفیان کے پاس شام آئے' معاویہ ہر رات کو ایام عرب و عجم اور ان کے بادشاہان کے حالات زندگی اور رعیت کے ساتھ سیاست کے بارے میں قصے سنتے تھے انہوں نے ان کیلئے کتاب الملوک' اخبار مغازیین لکھی ہے جو کتاب تیجان فی ملوک حمیر کے ذیل میں حیدر آباد دہند سے اخبار عبید بن شریہ جرھمی فی الاخبار یمن واشعار وانسابھا کے نام سے نشر ہوئی کتاب ابن شریہ میں بہت سے اخبار جاہلیت بھی ملتے ہیں جو عاد وثمود نامین حدیث بتاتبہ کے نام سے ہے اس طرح اس میں اخبار بنی اسرائیل بھی بہت ہیں صاحب کتاب لکھتے ہیں ان کی تمام کتاب پر عوامی اخبار اسرائیل چھائے ہوئے ہیں۔

عبید بن شریۃ الجرھمی:[مروج الذہب ج ۲ص ۹۹]

یہ شخص دور جاہلیت واسلام دونوں سے گزرے ہیں ان کی اصل یمنی ہے، لیکن تاریخ نویسی میں وہ مدرسہ شام سے منسوب ہے کیونکہ معاویہ نے ان کو شام بلالیا تھا۔ یہ معاویہ کے پاس آئے تو معاویہ ان سے سوالات کرتے رہے اور دیکھا کہ لوگ تاریخ سننے میں شوق و ذوق رکھتے ہیں، عبیدان کو گزشتگان کے حوادث و واقعات اور قبائل وعشائر کے انساب سناتے تھے اسی طرح بادشاہان عرب وعجم تبدیلی زبان اور لوگ کیوں افتراق وانتشار کے شکار ہوئے ،ایسی کہانیاں سنایا کرتے تھے ۔معاویہ نے انہیں لکھنے کا حکم دیتا تھا اور یہ سب عبید ابن شریف ان کو سناتے تھے۔ تدوین تاریخ کرنے والا یہ پہلا شخص تھا وہ عبدالملک بن مروان کے دور تک زندہ رہا۔ان کے شاگردوں میں غربی، سیمن، جرہمی، عبدو د، زبید ابن قیس شامل ہیں۔

۱۔محمد بن علی آعثم کوفی:(متوفی ۳۱۴ھ)[تاریخ عربی ومؤرخون ج ۲ص ۴۲]

کتاب **الفتوح** یہ کتاب اوئل خلفاء سے لے کر عہد معتصم تک کے بارے میں ہے اس میں تاریخ کا مختم قصص کی صورت میں ہے یہ دو جلدوں میں ہے پہلی جلد ۲۷۰ صفحہ پر مشتمل ہے یہ خلیفہ عثمان کے سنہ ۲۳ھ سے لے کر مختار ثقفی کے سنہ ۶۶ھ تک کا دور ہے دوسری جلد ۲۷۸ صفحات پر ہے یہ مختار کے قیام سے لے کر بابک دور معتصم تک ہے اس کے اور بھی مخطوطات ہیں کتاب میں بہت سی معلومات ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ عرب خراسان میں کیسے داخل ہوئے اور آرمینیہ کو عربوں نے کیسے فتح کیا۔اس میں ہر خطہ کی اسلامی حکومت کے اندر رہنے والوں کا ذکر ہے، خضر کے ساتھ جنگ کا ذکر جو خراسان کے شمال میں واقع ہے۔آپ کو یہ ابن آعثم کوفی کے کہیں اور نہیں ملے گا لیکن مؤلف پر نقل قصص اور کہانی میں شیعہ جانب داری یا شیعہ نقطہ نظر نمایاں نظر آتا ہے کتاب فتوح کا ۵۹۶ھ میں فارس میں احمد بن محمد مستوفی ھروی نے ترجمہ کیا ہے اس کے کچھ حصے کا ترجمہ المانی زبان میں مستشرق ویلکنس کے توسط سے ہوا ہے اور ابھی بھی بعض اس پر تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔

۲۔جھشیاری:

ابوعبداللہ محمد بن عبدوس کوفی نے ۳۳۱ھ میں وفات پائی ۔آپ کوفہ میں بڑے ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی اس کے بعد وہ بھی اپنے والد کی طرح بغداد کے بعض وزراء کے مصاحب تھے جیسے وہ علی بن عیسیٰ بن جراح ابن مقلۃ حطاط مشہور کے ساتھ ہوتے تھے ۔انہیں اس وظیفہ کی وجہ سے بہت سی مصیبتیں اور پریشانیاں لاحق ہوئیں قید کاٹنا پڑی اور مالی نقصان بھی ہوا جس طرح اکثر وزراء کے قریبی ساتھیوں کے ساتھ ہوتا ہے ۔جھشیاری صاحب سیف اور صاحب قلم بھی تھے۔وہ امیر حج بھی بنے ۔۳۱۷ھ کو جیسا کہ ابن اثیر سے نقل کیا ہوا ہے یہ ایک مہم تھی چنانچہ اس وقت قرامطہ جنہوں نے تمام راستوں کو بدامنی کا شکار کیا تھا اس کے بعد انہوں نے تاریخ پر لکھنا شروع کیا ان کی کتابوں میں اخبار مقتدر ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب **اثمار** جیسے کہ ابن ندیم سے نقل ہوا ہے یہ ۱۰۰۰ راتوں کا قصہ ہے عرب وعجم اور روم والے نقل کرتے تھے کتاب الف لیلۃ انہوں نے لکھی ہے اس میں ۴۸۰ھ کا ذکر ہے جب انہوں نے ۵۰۰ صفحات لکھے تو انہیں موت آگئی اور وہ اس کتاب کی تکمیل سے پہلے مر گئے۔

۳۔صولی:

ابوبکر محمد بن یحییٰ صولی ۔انہوں نے ۳۳۵ھ کو حطاطات میں وفات پائی ان کی اصل حجاز ہے ان کے اجداد نے پہلے مغرب میں سکونت اختیار کی پھر عراق آئے مسعودی عراق میں پیدا ہوئے ۔وہ ۳۰۰ھ میں جوان تھے انہوں نے ملتان منصورا کا سفر کیا ۔۳ سال کے بعد وہ فارس کرمان تک گئے اور ۳۰۴ھ میں وہ

سندھ میں تھے پھر جزیرۃ سرندیب سری لنکا پہنچے۔پھر وہ کشتی پر سوار ہو کر افریقہ کا مدغاسکر اور پھر عمان آئے۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد:[موسوعہ عربی مصر ج ۲ ص ۱۷۳۰]

۱۰ھ کو بیت المقدس میں پیدا ہوئے شاید اسی وجہ سے ان کو مقدسی کہا جاتا ہے وہ سب سے بڑے جغرافیہ دان تھے سیاح و نقاش تھے ان کی کتاب '**احسن تقاسیم فی معرفۃ اقلیم**' کے نام سے ہے۔

ابو العباس احمد بن شہابی معروف بہ ثعلب:[تاریخ المورخون ص ۱۰۱]

امام کوفہ تھے۔کوفہ میں مؤسس مدرسہ نحو تھے یہ مامون کے دور میں پیدا ہوئے لغت اور شعر میں ابتکار رکھتے ہیں فراء کے شیداء اور شاگرد تھے ۴۰ سے زائد کتابیں **غرائب القرآن** کے بارے میں لکھیں۔انہوں نے ۲۰۰ھ سے ۲۹۱ھ تک زندگی پائی۔

طبقہ سوم مورخین:

اس طبقہ ہی سے ہمارے پاس تاریخ مکتوب صورت میں دستیاب ہیں یہ کتب یہ ہیں:

۱۔تاریخ ابن خیاط کتاب تاریخ العربی والمورخون ج ا ص ۲۳۴ پر آیا ہے خلیفہ ابن خیاط ۱۶۰ھ کو پیدا ہوئے ۲۴۰ھ کو وفات پائی مامون کا دور پایا اس نے تاریخ پر تاریخ طبقات لکھی ہے۔اس وقت ہماری دسترس میں تاریخ خلیفہ بن خیاط موجود ہے ان کی کتاب پیدائش رسول سے لے کر ۲۳۱ھ تک کے حوادث پر مشتمل ہے۔

۲۔محمد بن اسماعیل ابراہیم حفص بخاری ہیں اور صاحب البخاری ہیں۔۱۹۴ سے ۲۵۶ تک کے دور میں تھے،ابو حنیفہ دینوری احمد بن داود تیسری صدی کے پہلے سال میں پیدا ہوئے ۲۸۲ کو وفات پائی۔

طبری:

آپ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید کے دور میں تھے آپ کا تعلق ایران کے شہر طبرستان سے ہے۔آپ نے قرآن کی تفسیر اور تاریخ پر کئی کتابیں لکھی ہیں،یہاں ہم ان کی تاریخ پر لکھی گئی کتاب کے بارے میں کچھ وضاحت کرتے ہیں اس کتاب کے دو نام ہیں: یہ کتابیں بعد میں تاریخ طبری کے نام سے ہی معروف ہوئیں۔

۱۔تاریخ الامم والملوک: ۲۔تاریخ الرسل والملوک:

یہ کتاب کائنات کی ابتدائے خلقت کے موضوع سے لے کر اور ۳۰۲ھ تک کے حالات کے بارے میں لکھی گئی ہے۔حضرت آدمؑ،بنی اسرائیل کے انبیاءؑ، بادشاہانِ بابل، فارس اور ان کا یونان اور روم سے تعلقات کا ذکر آیا ہے۔اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے آباؤ اجداد کے نسب اور آپؐ کی سیرت بیان کی گئی ہے پھر آپؐ کی حیات میں پیش آنے والے حوادث و واقعات کو سنہ کے ساتھ جمع کیا ہے اور ہر ایک حادثہ کی سند کا بھی ذکر کیا ہے،اس زمانہ کی تاریخ کے بارے میں سب سے زیادہ مواد اس کتاب میں جمع ہے۔انہوں نے مشہور حوادث کے بارے میں وارد مختلف روایات کو یکجا جمع کیا ہے تاکہ اہل تحقیق اس کی طرف رجوع کریں۔محب الدین خطیب تاریخ طبری کے بارے میں لکھتے ہیں:"یہ کتاب مصادر تاریخ میں سب سے قدیم ترین ہے جو تیسری صدی کے نصف میں لکھی گئی ہے۔

طبری نے ان دو واسطے سے نقل کیا ہے موسیٰ بن عقبہ کے شاگردوں میں سے مؤرخ شام ابو اسحاق فزاری حافظ متوفی ۱۸۶ھ ہیں،آپ اسماء بن خارجہ فزاری کے پوتے ہیں،یحییٰ بن سعد بن ابان بن سعید بن عاص اموی متوفی ۱۹۴ھ،شام کے مؤرخین میں سے ولید بن مسلم ابو العباس دمشقی ہیں متوفی ۱۹۵ھ،محمد بن عمر واقدی المدنی قاضی عراق متوفی ۲۰۷ھ انھوں نے بھی مغازی لکھی ہے،حافظ محمد بن سعد بن منیع بصری متوفی ۲۳۰ھ ہیں ان سے طبری نے مواد اخذ کیا ہے۔ان کے علاوہ طبری نے ایسے مصادر سے واقعات کو نقل کیا ہے،جن پر خود انھیں بھروسہ نہیں ہے،اسی طرح انھوں نے بہت سے اخبار،ابی مخنف لوط بن یحیٰ بن سکیم ازدی سے نقل کئے ہیں،جن کے متعلق حافظ ذہبی کتاب "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں ابی مخنف کی اخبار پر ان کے اخباری ہونے کی وجہ سے اعتماد نہیں کیا ہے یہ مطمئن انسان نہیں جو ابن حبان نے لکھا ہے وہ رافضی تھے اور صحابہ کو دشنام دیتے تھے۔ابن عدی نے لکھا ہے وہ افراطی، انتہا پسند شیعہ تھے[لسان المیزان ج ۴،ص ۳۴۴۔الکامل فی

ضعفاء الرجال ج۲، ش۲۱۱۰] لیکن شیعہ رجال شناس جیسے نجاشی نے ان کی تائید کی ہے جنہوں نے ۱۷۰ھ میں وفات پائی ۔طبری نے سو(۱۰۰) خبریں ان سے نقل کی ہیں، اب جو افراد مقتل کے سلسلہ میں لوط بن یحیٰ سے یا ابی مخنف سے نقل کرتے ہیں وہ تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ طبری پر ظلم ہے کیونکہ طبری نے صرف ان کی طرف نسبت دی ہے جبکہ خود طبری نے انہیں نہیں دیکھا ہے، لوگوں کو چاہئے تاریخ کا از خود موازنہ اور مقابلہ کریں طبری کہتے تھے راوی نے خود حوادث کو نہیں دیکھا یا لکھا نہیں ہے بلکہ انھوں نے لوگوں سے نقل کیا ہے ۔ان کی کتاب کا بیشتر حصہ زمان خلفاء اموی اور عباسی پر مشتمل ہے یہ کتاب (۳۲۰) تک کے حالات پر لکھی گئی ہے، طبری نے تاریخ لکھنا ۲۹۱ھ سے شروع کیا اور خلیفہ مہدی عباسی کے دور میں ۳۲۰ھ میں تمام کیا۔

منتظم فی تاریخ ملوک والامم:

[نقل از کتاب معجم مؤرخین مسلمین تالیف بصرہ عبدالغنی عبداللہ ص ۸۶]

یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اس کا مؤلف عبدالرحمٰن بن علی محمد الجوزی ہے سنہ ۵۱۰ کو بغداد میں پیدا ہوئے اور اپنے دور میں بغداد میں فقہ حدیث تاریخ کے مشہور نامور علماء وہ احمد بن حنبل کے سرسخت معتقد تھے وہ فقہ حنفی کے علاوہ دیگر اہل سنت وشیعہ سے مناظرہ مجادلہ میں رہتے تھے ابن جوزی کی تاریخ نویسی طبری کی نہج پر ہے کہ ہر سنہ یعنی سنوں کے حوالہ سے لکھی ہے کہ اس سنہ میں کیا حوادث پیش آئے اور کتنے اکابر اعیان وفات پائے انہوں نے زیادہ تر فقہ محدثین صوفیوں کو بہت اونچا چڑھا کے پیش کیا ہے۔

تاریخ ابن خلدون:

تاریخ بن خلدون تالیف عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحزرمی وہ تونس میں ۷۳۲ھ کو پیدا ہوئے وہ اصل میں اندلس اشبیلی سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ان علماء سے تعلیم حاصل کی جو اندلس سے ہجرت کر کے آئے تھے جوانی میں بنی مرین کے اقتدار کے دوران ان کا وہاں کے وزیر لسان الدین ابن خطیب سے رابطہ ہوا جس وقت وہ اپنے بادشاہ سلطان کے ساتھ مغرب میں جلاوطنی گزار رہے تھے ۔ابن خلدون اپنے دوست صدیق ابن خطیب کے قتل کے بعد وہ سیاست سے الگ ہوئے بقیہ زندگی چار سال ۷۷۶ھ سے ۷۸۰ھ تک جزائر میں رہے ۔اس وقت انہوں نے اپنی تاریخ کا مقدمہ لکھا بعد میں یہ کتاب مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہوئی ۔اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے، کلام معانی کے وہ قطرات ہیں جو فکر پر برسی ہیں۔

ابن خلدون مشہور و معروف شخصیات اسلامی میں شمار ہوتے ہیں وہ مفکرین مغرب و مشرق دونوں کے پاس بہت اونچا مقام رکھتے ہیں بلکہ مغرب والے ان کے افکار اور نظریات کو بہت اہمیت دیتے ہیں کیونکہ مشرق پر مغرب والوں نے زیادہ توجہ دی ہے ان کی مشرق شناسی میں ابن خلدون کی کتاب اہم مصادر میں سے قرار پائی لہٰذا یہ کتاب یورپی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوئی ہے۔

بہت کم یورپی امریکی شخصیات ہونگی جن کی توجہ ابن خلدون کی کتابوں پر نہ پڑی ہو اور ان کی کتاب کو پڑھنے اور ان کے انداز کو سمجھنے میں جلب توجہ نہ کی ہو۔ بعض کا کہنا ہے ابن خلدون کی شخصیت آراء نظریات اس چیز کے قابل ہے کہ ہر مفکر اس پر نظر کرے ابن خلدون نے اپنی تاریخ پر ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں تاریخ کے علل و اسباب و نتائج کو بھی بیان کیا ہے ۔یہ کتاب فلسفہ تاریخ سے آگائی میں معاون ہے ۔ابن خلدون اپنی اس کتاب میں اشارہ کرتے ہیں جو تاریخ میں مصروف ہونا چاہتا ہے اس میں کتنی اہلیت و صلاحیت ولیاقت ہونی چاہیے، ایک مؤرخ صالح کتنے ماخذ و مصادر کا نیاز مند ہے، کتنے علوم و معارف اس کو سمجھنے چاہیے اسے کس حد تک حسن نظر کا مالک ہونا چاہیے تاکہ وہ حق تک پہنچ جائے اور کس حد تک گمراہ غلطیوں کے راستوں سے محفوظ رہے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے اخبار گری میں اعتماد صرف نقل پر ہی ہے وہ اصول عادت قواعد سیاست 'طبیعت عمران حالات اجتماع پر اعتماد نہیں رکھتے' اس کیلئے غائب سے شاہد کیلئے قیاس ممکن نہیں وہ حاضر کو دیکھ کر گزشتہ سے نتیجہ نہیں لے سکتا تو ایسا شخص غلطیوں اور گمراہیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ۔جادہ ثواب پر استقامت نہیں کر سکتا ہے ۔ابن خلدون کی تاریخ اس وقت لکھی گئی جب انھوں نے بلاد اسلامی کے سفر کو مکمل کیا ۔اندلس مغرب کے بادشاہوں کے ساتھ ان کی خدمت گزاروں میں ان کے اداروں سے وہ گزرے ہیں ۔لہٰذا انھوں نے بہت سی چیزوں اور ملکوں کے حالات نزدیک سے دیکھے ہیں ۔انھیں احساس ہوا ہے کہ یہ لوگ پسماندہ کیوں ہیں ۔یہ لوگ غربت زدہ کیوں ہیں یہاں ترقی کیوں نہیں ہوئی ۔اس نقطہ نظر کی وجہ سے ابن خلدون کی تاریخ کو ایک مقام و منزلت ملا ہے ۔ابن خلدون ایک طویل مدت کیلئے شام مصر گئے وہاں منصب قاضی قضات مالکیہ پر فائز رہے ۔یہ کتاب فہرست کے ساتھ ۷ اجزاء پر مشتمل ہے۔

ووفیات اعیان:

تالیف عبدالرحمٰن احمد بن محمد بن ابراہیم اصل برمکی اردبیلی ہیں مذہب شافعی ہے۔ان کی تاریخ میلاد گیارہ ربیع الثانی ۶۰۸ھ بتائی جاتی ہے ۶۲۶ھ تک وہ اپنے دور کے علماء سے حلب میں تعلیم حاصل کرتے رہے پھر دمشق گئے ۶۳۶ھ میں مصر گئے اور وہاں نائب قاضی قضات معین ہوئے۔پھر دوبارہ ۶۵۹ھ کو شام میں قاضی ہوئے۔ابن خلکان نے اپنی اس کتاب کو کتاب ووفیات اعلام انباء ابناء زمان ۶۹۴ھ کو ۴۶ سال کی عمر میں لکھا ہے لیکن وہ جب دمشق کے قاضی بنے تو یہ کام رک گیا ۶۷۲ھ کو انھوں نے اپنا کام دوبارہ شروع کیا۔یہ شخص مطعون اور مشکوک مرتکب کبائر اور کثیر الکذب تھا۔اس نے شہر لبنان میں ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔

تاریخ بن اثیر وکامل:

مؤلف عزالدین ابوالحسن متولد ۵۵۵ھ سے ۶۳۰ھ تک کے دور میں عراق کے شہر موصل میں قیام پذیر تھے۔ان کا گھرانہ علوم عربی وعلوم اسلامی میں نبوغ کا حامل تھا۔ان میں سے ایک بن اثیر تھے وہ گزشتہ اور اپنے بعد کی تاریخ سے عالم تھے۔انساب عرب آباء اور ان کے واقعات کو انھوں نے پڑھا ہے کتاب کامل فی التاریخ ابن اثیر ان کی اہم تالیفات میں سے شمار ہوتی ہے،اس کتاب میں تاریخ عام اسلامی کو ابتداء خلقت سے شروع کرتے ہوئے ۶۲۸ ہجری تک بیان کیا ہے یہ کتاب تاریخ اسلامی میں ایک اہم کتاب ہے مؤلف نے اس کتاب کی تنظیم وترتیب میں اقلیموں میں توازن کو برقرار رکھا ہے ہر سنہ میں ایک کے بعد دوسرے سنہ کا آغاز کیا ہے۔

نقل تاریخ میں وہ نہج طبری پر چلے ہیں۔مصادر کے نصوص میں تحقیق کی ہے ان کی تاریخ دسویں جلد کے بعد اہمیت خاصہ ہے کیونکہ کے دسویں جلد کے واقعات وحوادث کو انھوں نے قریب سے مشاہدہ کیا ہے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کی تاریخ کو لکھ رہے تھے یہ ۴۵۰ھ سے شروع ہوتی ہے جس دور میں مغرب مسیحی اور عالم عربی میدان میں نبرد آزما میں تھے اور وہ جنگ حروب صلیبیا کے نام سے معروف ہوئی۔اتابکیہ موصل پر انکی زیادہ توجہ تھی جو سنہ ۶۰۷ھ میں واقع ہوا ہے سلطان زنگین،حلب،دمشق تک ان کی حکومت چلتی تھی۔اما ابن کامل کی روایات نقل سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے بارے میں ان کے تاثرات عجیب ہیں۔وہ انھیں کراہت مکروہ اندازہ میں پیش کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک مرد شجاع تھے ابن اثیر نے اس کو اس کی تمام قابلیت کو عسکریت میں محصور دیکھا ہے۔کتاب ابن اثیر حروب صلیبیا کے مصادر میں شمار ہوتا ہے،مشرقیوں نے اس کو مصدر بنایا ہے۔[نقل از معجم مورخین مسلمین ص ۳۶]

عوانہ بن حکم:

کوفہ سے تعلق رکھنے والے اخباری ہیں۔ایک عادی متواضع گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ابومخنف کے ہمعصر تھے لیکن ابومخنف سے زیادہ شعر وانساب عرب سے آگاہ وباخبر تھے۔زیادہ تر حوادث تاریخ پر توجہ دیتے تھے۔انہوں نے خلفاء راشدین،جنگ مرتدین،فتوح عراق،شام،فارس،علی ومعاویہ کی جنگ،امام حسن کے منازل،عراق وشام کے حالات،عبدالملک بن مروان تک کے حالات نقل کئے ہیں۔سیرت معاویہ وبنوامیہ پر خاص کتاب لکھی ہے۔عوانہ کی کتابیں مصدر وماخذ ابن یحییٰ مدائنی،ہشیم بن عدی وغیرہ کے توسط سے طبری نے نقل کی ہیں عوانہ نے ۱۴۷ھ میں وفات پائی ہے۔

سیف بن عمر تمیمی:

انہوں نے مدینہ میں پرورش پائی وہیں علم حاصل کیا پھر وہاں سے کوفہ گئے اور خلیفہ منصور تک پہنچے۔انھیں سے اہل کوفہ اخبار،عروہ احادیث،عروہ عائشہ سے نقل کرتے تھے۔سیف بن عمر کیلئے کوئی کتاب نہیں ہے اس کی دو کتابیں ہیں دونوں کتابیں ایک ردّہ اور فتوحات اور دوسرا واقعہ جمل کے بارے میں ہے۔دونوں کی روایات اس نے اپنے قبیلہ والوں سے نقل کی ہیں لہٰذا اس میں اپنی طرف جھکاؤ زیادہ ہے اس میں زیادہ قصص جذباتی ہیں اسے طبری نے سیف سے نقل کیا ہے کہتے تھے ان کی کوئی کتاب تھی جو گم ہوگئی۔لیکن سیف بن عمر متہم ہے جس طرح عام اخباری متہم ہیں لیکن طبری نے ان پر اعتماد کیا ہے۔طبری نے تین سو جگہوں پر سیف بن عمر سے نقل کیا ہے۔سیف بن عمر کی خبریں سنہ ۱۰ھ سے شروع ہوتی ہیں جہاں سے مسیلمہ کذاب نے دعوئ نبوت کیا اور ان سے نقل ۳۶ھ کو ختم ہوتی ہے جس سال علیؑ صفین کے لیے نکلے۔طبری نے اخبار ردّہ میں زیادہ تر سیف پر اعتماد کیا ہے۔سیف کی خبروں کا مصدر ہشام بن عروہ متوفی ۱۴۷ھ ہے یہ مدینہ کے

محدث ونساب تھے۔دوسرا عروہ خود عبداللہ بن زبیر، خسر بن مزاحم بن سیار ابوالفضل منقوی تمیمی ؛ یہ کوفہ کے رہنے والے اخباری تھے۔

بروک لیمان کا کہنا ہے ؛ وہ پہلا اخباری شیعی ہے۔اس لئے کہتے ہیں اس کی کتاب کی گردش جمل ،صفین ،مقتل حسینؑ ،مقتل حجر بن عدی ،اخبار مختار اور مناقب ائمہ پر مشتمل ہے۔ان کی کتاب میں سے کوئی چیز ہمارے پاس نہیں پہنچی ،سوائے کتاب صفین کے جسے طبری نے نقل کیا۔اس سے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔ان کے انداز بیان سے پتہ چلتا ہے وہ قصص وکہانی شعروا خبار خطب رات گزارنے والی خبروں پر زیادہ توجہ رکھتے تھے۔

وہ زیادہ تر حوادث تاریخ پر توجہ دیتے تھے ،خلفاء راشدین ، جنگ مرتدین ،فتوح عراق ،شام ،فارس ،علیؑ ومعاویہ کی جنگ ،امام حسنؑ کی جنگ ،کے علاوہ عراق وشام اور عبدالملک بن مروان تک کے حالات جمع کئے ہیں ،سیرت معاویہ بنوامیہ پر خاص کتاب لکھی ہے ۔عوانہ کی کتابیں مصدر وماخذ ابن کلبی مدائنی ،ہیثم بن عدی وغیرہ کے توسط سے طبری نے نقل کی ہیں۔عوانہ نے سنہ ۱۴۷ء میں وفات پائی۔

مدائنی:

علی ابن محمد ابن عبداللہ کو اخباریوں کی ترقی کا آخری مینار سمجھا جاتا ہے۔ان کی اصل بصری ہے وہ مدائن گئے پھر وہاں سے بغداد گئے ،وہاں ابن اسحاق بن ابراہیم موصلی موسیقی بغدادی سے رابطہ ہوا وہ ان کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے تھے موصلی ان کی عیش نوش میں زیادہ حصہ لیتے تھے ۔مدائنی کثرت تالیفات میں معروف ومشہور شخصیات میں سے ہیں۔جس طرح ابن جوزی ،ابن سینا اپنے دور میں کثرت تالیفات کے حوالے سے مشہور تھے ۔مدائنی کی کتابوں کی تعداد ۲۴۰ ہے۔اکثر و بیشتر مقالات وخطوط چند صفحے کے ہیں۔مرغ ہوس نے ان کی کتابوں کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

محمد بن صاحب کلبی:

ان کا قبیلہ شام میں رہتا تھا وہ علم انساب سے وابستہ تھے ،ساتھ ہی ادب ،اخبار نقل کرتے تھے ،وہ شیعہ ہونے کے متہم تھے وہ سب سے پہلا علم نسب نقل کرنے والا ہے ان کے بعد ان کے بیٹے نے اس میں برامکہ کے ساتھ مل کر کام کیا بعد میں وہ مامون سے مل گیا۔

ابن قتیبہ دینوری:

ابومحمد عبداللہ بن مسلم ،ابن قتیبہ مروزی دینوری سے معروف ہیں (متوفی ۲۷۰ھ)،آپ کی تالیفات میں مشہورترین :عیون الاخبار اور المعارف ہے لیکن "الامامۃ والسیاسۃ" آپ سے منسوب کردہ کتاب ہے جس کے بارے میں مارجلیوث کہتے ہیں : تاریخ نے اس کتاب کو مسترد کیا ہے کیونکہ اس کا اصل مؤلف معلوم نہیں ہے ،ثروت عکاشہ کتاب المعارف کے مصحح نے بھی اس کتاب کی نسبت کو ابن قتیبہ کی طرف غلط گردانا ہے ۔حتیٰ بڑے بڑے علماء نے بھی اسے رد کیا ہے جتنے بھی واقعات اس کتاب میں موجود ہیں وہ ابن قتیبہ کی وفات کے بعد کے ہیں ،اس میں ایسی روایات ہیں جو مصر کے دو علماء سے نقل کی گئی ہیں جبکہ ابن قتیبہ کبھی بھی مصر نہیں گئے ہیں اور ان سے کبھی ملے بھی نہیں ہیں ان کے علاوہ وہ بنی امیہ سے لگاؤ نہیں رکھتے تھے۔

آپ طبری کے ہم عصر ہیں (متوفی بین عامی ۲۸۲،۲۹۰ھ) ان کی ایک تاریخ "اخبار طوال" ہے جس میں عہد معتصم کی تاریخ لکھی گئی ہے اس میں اسلام سے پہلے ایران کے حالات کا ذکر ہے لیکن اس میں سند کا ذکر نہیں ہے۔

تاریخ یعقوبی:

احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وھب بن واضح ،انہیں مصری ،اصفہانی ،یعقوبی کے نام سے پکارا جاتا ہے آپ کو ابن واضح بھی کہتے ہیں۔ان کے والد "واضح" منصور دوانقی کے مقربین میں سے تھے جس کی حکومت کے دوران آپ آرمینیہ ،آزربائیجان میں اور خلیفہ مہدی کے دور میں مصر میں حاکم رہے۔آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور یہاں بڑے ہوئے۔کہتے ہیں یعقوبی شیعہ اثناعشری معتزلی تھے جنھوں نے مصر سے ادریس بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب (نفس زکیہ کے بھائی) کو مغرب کی طرف فرار کرایا اور اس کام کیلئے اپنی جان بھی خطرے میں ڈال دی چنانچہ اس بناء پر انہیں ہادی عباسی نے قتل کیا آپ کی تاریخ کا خلاصہ ڈاکٹر حسن ابراہیم نے تالیف کیا ہے ،آپ نے ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

احمد بن اسحاق بن جعفر بن واضح: (متوفی ۲۹۲ھ)

احمد بن اسحاق خلافت کے دفتر میں کام کرتے تھے۔اس نے ایک کتاب جغرافیہ اور ایک تاریخ پر لکھی ہے۔یہ جغرافیہ میں لکھی ہوئی پہلی کتاب ہے، دوسری کتاب تاریخ پہ ہے وہ بہت مختصر ہے جس میں خلقت کائنات سے لے کر ۲۵۹ھ تک کے واقعات درج ہیں۔اس نے تاریخ میں تاریخ انبیاء، تاریخ فارس، جاہلیت عرب و دیگر اقوام و ملل کو جمع کیا ہے جیسے عاشوری بابلی، ہنود، یونان، رومان، فراعنہ، بربر، حبش، زنج، ترک سین سب کو جمع کیا ہے گویا یہ ایک تاریخ عالمی ہے لیکن ان سب پر رنگ اسطوری چھایا ہوا ہے۔اسطورہ خرافات اس لئے ہے کہ ان کیلئے مصادر میسر نہیں تھے، اس میں زیادہ تر اس نے سیاسی پہلو کو اٹھایا ہے اس میں ثقافتیں مخلوط نظر آتی ہیں، فارسی رومی فلکیات سب کو جمع کیا ہے، پھر اس نے اختتام پر ہر دور کی شخصیات کا نام ذکر کیا ہے۔اس میں خلفاء امراء حج، قائدین لشکر، مشاہیر قضات کا ذکر ہے، جب وہ تاریخ ایران کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں کی کہانیاں ذکر کرتے ہیں اور جب یونانیوں کا ذکر کرتے ہیں تو یونانی زبان کے ترجموں سے استناد کرتے ہیں۔

بلاذری:

یحیی بن جابر بغدادی (متوفی ۲۷۹ھ) صاحب کتاب "فتوح البلدان" یہ شخص خلیفہ متوکل کے دربار میں معلم تھے پھر ان کے بیٹے معتز کے معلم کے طور پر معین ہوئے۔ان کی کتب ملکوں کی فتح، نظام مالیت، اجتماعی نظام "اصول حکومت اسلامی" پر مشتمل ہے، کہتے ہیں مورخ شیعہ کی طرف مائل تھے، ان کی ایک اور کتاب "انساب الاشراف" ہے۔

حافظ ابن عساکر:

علی بن حسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین بن عساکر شافعی دمشقی، حافظ کبیر سے مشہور تھے۔آپ ۴۹۹ھ دمشق میں ابی منصور ظہیر الدین کے دور میں پیدا ہوئے، بچپنے سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔

ابن عساکر نے اپنی کتاب "تاریخ مدینہ دمشق" میں ہر اس انسان کا نام لیا ہے جو شہر شام، دمشق، حلب، حمص، حماہ، بعلبک، صیدا، فلسطین، رملہ میں داخل ہوا ہے چاہے شخصیت، علماء میں سے ہو یا کوئی باہر سے آیا ہو۔یہ کتاب تین مرحلے میں مکمل ہوئی ہے، جس کی ابتداء ۵۴۹ھ میں ہوئی اور اختتام ۵۵۹ھ میں ہوا ہے۔

مقریزی:

مقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد بن ابراہیم بن تمیم بعلی، عبیدی حسینی ان کا نام تقی الدین ہے لیکن مقریزی کے نام سے مشہور ہیں۔مقارزہ شہر بعلبک کے ایک محلے کا نام ہے جہاں یہ رہتے تھے پھر وہاں سے ان کا خاندان اپنے والد کی حیات میں مصر آیا جو معبد شمس قدیم سے نزدیک تھا مقریزی ۷۶۶ھ قاہرہ کے برجوان نامی علاقہ میں پیدا ہوئے۔یہ دور خلیفہ فاطمی عزیز باللہ، مدبر دولہ تک ہے۔

مسعودی:

ابوالحسن علی مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) صاحب کتاب "مروج الذھب و معادن الجوھر" شیعہ مورخ تھے، مماقانی نے اپنی کتاب "تنقیح المقال" میں ان کی تالیفات کا ذکر کیا ہے، "مروج الذھب" سیاسی، اجتماعی، جغرافیائی ذکر کے ساتھ ساتھ جنگوں کا تذکرہ بھی ہے، ان کی کتاب "التنبیہ و الاشراف" ہے۔

اثبات الوصیہ تالیف مسعودی ناشر منشورات رضی قم میں ترجمہ ہوا مؤلف کے بارے میں لکھتے ہیں وہ ذریہ عبداللہ بن مسعود صحابی تھے شیخ طوسی کا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے ان سے ملتا ہے آپ اپنی کتاب مروج ذھب ج اص ۲۷۳ پر لکھتے ہیں اقلیم بابل میں پیدا ہوئے ہیں بغداد میں پرورش پائی اور ایک زمانہ وہاں گزارنے کے بعد مصر، بصرہ وہاں سے طلب علم کرتے ہوئے مشرق بعید فارس، کرمان سے ہوتے ہوئے ہندوستان، ملتان اور پھر سرندیپ سیلان پہنچے وہاں سے بذریعہ کشتی چین گئے پھر مڈغاسکر گئے اور واپس ۳۱۴ھ کو آذربائیجان، جرجان اور پھر شام و فلسطین گئے آخر میں مصر کے شہر فسطاط میں ۳۴۵ میں وفات پائی۔

آپ علماء اعلام فرقہ اثناعشری سے تعلق رکھتے تھے۔کتاب روضات الجنات میں آیا ہے عامہ میں مشہور ہے کہ آپ شیعہ تھے۔انہوں نے آپ کے شیعہ

ہونے اور اثناءعشری پر شواہد پیش کیے ہیں شیخ نوری اپنی کتاب اثبات وصیت میں لکھتے ہیں کہ ہر دور میں حجت الٰہی کا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے روئے زمین حجت اللہ سے خالی نہیں رہ سکتی ہے کے بعد واضح ہے کہ آپ کا عقیدہ عقیدہ فرقہ اسماعیلی سے تعلق رکھتا ہے یہ عقیدہ کے ہر دور میں حجت خدا ہونا ہے یہ صریح آیات قرآن اور کلمات امیر المومنین کے منافی ہونے کے علاوہ آپ سے یہ سوال ہے کہ امام حسن عسکری کے بعد اب تک ایک ہزار سال سے زائد عرصہ گزر گیا ہے بتائیں اس مدت میں اب تک اللہ کی مخلوق کو اللہ کا دین بتانے اور سمجھانے والا کون ہے؟ ان کیلئے حجت کون ہے؟ حجت کا جب لوگوں سے فاصلہ ہوتا ہے وہ محجوب ہو جاتا ہے اور اس کا کردار و گفتار نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے لہٰذا حجت ختم ہو جاتی ہے اب یہ خلائق جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں قیامت کے دن اگر یہ کہیں کہ "ماجاءنا من نذیرو ماجائنا الحجۃ" ہمارے لئے کوئی مبلغ اور رجحت نہیں آئی ہے تو اللہ ان کو کیا جواب دے گا۔ دراصل آپ کی حجت وہی معمہ جیسی طلسمی روایات ہیں جو دنیا کے برگزیدہ ترین نوابغ و فلاسفہ کے ادراک سے خارج ہے چہ جائیکہ عامۃ الناس انھیں سمجھ سکیں۔

ابن مسکویہ:

ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب (متوفی سنہ ۴۲۱ھ) صاحب کتاب "تجارب الامم وتعاقب الھمم" تھذیب اخلاق والھوامل والشوامل' ابوعلی حکومت عباسی کے دوسرے دور میں تھے لیکن ان کا سلاطین آل بویہ سے خاص رابطہ تھا، ابوعلی فارسی اور عربی دونوں پر عبور رکھتے تھے، انھوں نے تاریخ طبری اور ابن کامل سے لی ہے ان کی ایک کتاب عام تاریخ پر مشتمل ہے جس میں ابتداء خلقت کا ذکر کرتے ہوئے جہاں تاریخ طبری نے سنہ ۳۶۹ھ میں اس موضوع کو چھوڑا اس پر لکھا ہے، مسکویہ زیادہ تر اجتماعی، سیاسی اور اداری نظام، اقتصادی اور جنگی مسائل پر لکھنے کو اہمیت دیتے تھے اسی طرح انہوں نے بنی عباس کے دوسروں سے تعلقات اور روابط کو موضوع بنایا ہے مسکویہ نے تاریخ میں زیادہ تر صدور ایام آل بویہ سے لیا ہے۔ مسکویہ نے اپنے اخبار مھلبی سے جنہوں نے ۳۵۲ھ میں وفات پائی اور اس کے امین بن ابی الفضل بن عمید (متوفی ۳۶۰) سے لیے ہیں۔

مارجلیوث ان کے بارے میں لکھتے ہیں: اس وقت کے حوادث میں مسکویہ کا بہت کردار تھا کیونکہ جو منصب وعہدہ انھوں نے اٹھایا تھا اس حوالے سے ان پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں اور اس دور کے حوادث وواقعات کے متعلق دوسروں سے نہیں بلکہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں انھوں نے طبری کی مانند تاریخ نگاری میں بنیاد سنہ کو بنایا ہے۔ مسکویہ کی علمی صلاحیت طبری سے زیادہ تھی کیونکہ مسکویہ آل بویہ سے مستقل رابطہ میں تھے اور اپنے زمانے کے حالات، حکومتی نظم ونسق اور جنگی مسائل وادارہ سے واقف تھے اور آل بویہ کی خدمت میں سرگرم رہتے تھے۔ تاریخ مسکویہ کے آخر میں ظہیر بن محمد بن حسین روز راوری وزیر خلیفہ عباس نے ۳۶۹ھ سے ۳۸۹ھ تک کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔

ابن عساکر:

ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ الشافعی الدمشقی ہیں جو ۴۹۹ھ سے ۵۷۲ھ کے دور میں تھے۔ انکے خاندان کو عساکر نہیں کہتے تھے۔ سب سے پہلے ابن جوزی نے انہیں عساکر کہا ہے جو بعد میں انکا لقب بن گیا۔ آپ چھ سال کی عمر سے ہی علم دوست انسان تھے ہمیشہ علم میں مشغول رہتے۔ دمشق، بغداد، مکہ ومدینہ، اعراق وجزیرہ، کوفہ، موصل، ایران، خراسان اور اصفہان تمام جگہوں پر گئے۔ آخر میں ۵۳۳ھ میں واپس دمشق پلٹے۔ اس دوران آپ نے جو کچھ ان جگہوں سے حاصل کیا تھا اس پر دروس دینا شروع کئے۔ اس حوالے سے آپ نے چالیس سال درس و دروس دیئے۔ اس دوران آپ نے بہت سی کتب تالیف کی ہیں۔ تاریخ بغداد کے مقابل میں تاریخ دمشق تالیف کی جو ۸۰ جلد اور سولہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور ۵۲۹ھ سے ۵۵۹ھ تک کے دور پر مشتمل ہے۔

سبط ابن جوزی:

ابومظفر شمس الدین یوسف بن قزاوغلو بن عبداللہ الترکی العونی ہیں۔ آپ ۵۸۲ میں بغداد میں پیدا ہوئے پھر موصل اور دمشق گئے اور دمشق میں قیام کیا۔ انہوں نے چالیس جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔

یاقوت الحموی:

آپ ۵۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۲۶ھ میں وفات پائی۔ آپ اسلام کے مشہور مؤلفین میں سے ہیں۔ آپ کی اصل روم ہے۔ آپ بچپن میں اسیر ہوئے آپ کو ایک تاجر حموی جسکا نام عسکر بن ابی نصر ابراہیم نے خرید ابعد میں اسی تاجر کا نام آپ کے نام پر غالب آیا۔ اس تاجر نے اپنے کاروباری معاملات میں آپ کو کاتب کے طور پر رکھا۔ علوم وفنون کتابت میں ماہر ہونے کی وجہ سے انہیں یاقوت کالقب ملا۔ آپ اپنے آقا کی طرف سے مختلف جگہوں جن میں شام، مصر، ایران وغیرہ گئے۔ بعد میں اس نے ۵۹۶ھ میں آپ کو آزاد کردیا۔ آپ نے کتابوں کو نقل کرنے کا کام تجارتی بنیادوں پر کرنا شروع کیا رفتہ رفتہ انکی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر علم دوستی میں آپ شام سے ایران پھر مروے خوارزم میں گئے۔ تجارت کے ساتھ ساتھ کتب کی تألیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ جب مغلوں نے خراسان پر حملہ کیا تو آپ وہاں سے فرار ہو کر شام کی سرحد پر پہنچے۔ آپ کی دو کتابیں معجم الادباء جسکا اصل نام ارشاد الالباء الی معفتہ الادباء ہے۔ دوسری کتاب معجم البلدان ہے جو تاریخ جغرافیا پر مشتمل ہے اور حروف تہجی کے حساب سے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر کسی ملک سے متعلق آگاہی حاصل کرنا مقصود ہو تو اس ملک کے نام کے پہلے کلمہ کے تحت اس صفحہ پر جایا جاسکتا ہے۔

ابن اثیر:

(متوفی ۶۳۰ھ) ان کی کتاب ''الکامل فی تاریخ'' سنہ وفات کے حالات پر مشتمل ہے آپ نے بھی طبری کی طرح سنہ کے حوالے سے یہ کتاب لکھی ہے، طبری اور بلاذری نے جو کچھ نقل کیا ہے اس پر ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں مزید اضافہ کیا ہے۔

ابن کثیر:

اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ابن کثیر کی دو معروف کتابیں ''البدایہ والنہایہ'' اور ''تفسیر'' ہے۔ آپ نے تاریخ کی کتاب کو سیرت نبوی سے مختص کیا ہے گرچہ ''البدایہ والنہایہ'' آپ کی تفسیر کی کتاب کے بعد آئی ہے لیکن اس میں ان روایات کو جمع کیا ہے جو متقدمین کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

ابن کثیر، اپنے دور کے بہت بڑے مؤرخ ہیں ان کے زمانہ میں بہت سے حوادث وواقعات وجود میں آئے۔ اس میں سے ایک ''الھجری'' کا شام میں آنا یا ان کی ولادت کے سنہ میں آیا ہے اس وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ شام سے اہل مصر کو جہاد کی طرف دعوت دینے کیلئے گئے انہوں نے وہاں جو مصیبتیں اٹھائی ہیں ابن کثیر نے اپنی جوانی میں ابن تیمیہ پر گزرنے والے حالت کو دیکھا ہے ابن کثیر نے اپنے بڑھاپے میں فرنجیوں کا اسکندریہ پر حملہ دیکھا ان کی کتاب ''البدیہ والنہایہ'' ہے یہ تاریخ اسلامی پر ہے اور اس نے سیرت نبوی کے بارے میں چار جلد نشر کی ہیں۔ اسلام سے پہلے لکھی گئی کتابوں کے بعد چار جلد سیرت نبوی سے مخصوص ہیں اس کے بعد وہ تاریخ ہے جو خلیفہ ابوبکرؓ کے دور کے بعد دیگر ملکوں کی حالت کے بارے میں ہے۔

سنہ ۶۷۰ھ تک وہ اپنی اس کتاب میں زیادہ ابن جوزی کی کتاب منتظم بغدادی کی تاریخ یا ابن عساکر کی تاریخ دمشق کے حوالے دیتے ہیں۔ ''ذہبی نے اپنی معجم میں ان کے بارے میں لکھا ہے: آپ فقیہہ، محدث اور متقن تھے (یعنی فقہ وحدیث بیان کرنے میں دقیق تھے) آپ نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے ابن کثیر اسرائیلات کو بہت نقل کرتے ہیں، روح محدث ان پر غالب تھی وہ حدیث کی سند میں زیادہ دقت کرتے تھے لیکن زیادہ واقعات میں صرف نظر رکھتے تھے۔

تاریخ ابن کثیر میں عام تاریخ بھی ہے اور شخصیات کے تراجم بھی۔ انھوں نے ہر سنہ کے آخر میں اسلام کے ہر اس موحد کا ذکر کیا ہے جس نے روم کے خلاف جنگ لڑی ہے ان کے علاوہ زمینی، آسمانی، اجتماعی اور دیگر حوادث کو بھی نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ فکر اسلامی کی اور دو بڑی شخصیات ہیں۔

ابن تیمیہ: (۶۶۱ھ۔ ۷۲۸ھ)

مشہور فقیہ ومجاہد ہیں جنھوں نے عقائد، احکام، تاریخ سب پر لکھا ہے، ان کی کتاب جس میں تاریخی مسائل کو بھی چھیڑا گیا ہے اس کا نام ''منہاج السنہ'' ہے جو کہ انھوں نے علامہ حلیؒ کی رد میں لکھی ہے کیونکہ انھوں نے صحابہ کے مقام کو گرایا تھا۔ ابن تیمیہ نے اس کتاب کو رد کیا ہے اور اس میں ایسے بہت سے حوادث تاریخ کو لکھا ہے اور راویوں سے مربوط افراد کا بھی ذکر کیا ہے۔

ابن عربی (۴۶۸ھ-۵۴۳ھ)

ابن عربی اشبیلیہ میں پیدا ہوئے وہ مغرب ،مصر،شام ،عراق میں رفت وآمد کرتے تھے،انھوں نے غزالی سے بھی ملاقاتیں کی ہیں منصب قضاوت سنبھالا ہے ان کی تفسیر،حدیث اورفقہ پر بہت سے کتابیں ہیں،آپ کی ایک کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' ہے جو کہ آپ نے ۵۳۶ھ میں لکھی ہے۔

مندرجہ بالا مشہور مورخین کی کتب کے علاوہ اور بھی کتب ہیں جیسے:

ا۔''اصحاب موسوعہ''جوشخصیات کی بارے میں لکھی گئی ہیں جیسے ابن خلکان کی ''وفیات اعیان'' ہے۔

۲۔معجم ادبا،جس کو یعقوب معجمہ نے لکھا ہے یہ جغرافیہ پر مشتمل ہے۔

۳۔کتاب''المشانخ فی علم تاریخ'' یہ سیوطی نے لکھی ہے،ایک اور کتاب ''الاعلان بالتوابیخ لمن ذم لتاریخ'' اسکے علاوہ اور بھی کتب ہیں جو آثار باقیہ ہے۔

تاریخ ابوفدا (۷۳۲ھ/۱۳۳۱م) میں لکھا ہے اس کتاب کا نام ''مختصری فی اخبار بشر'' ہے۔

ذہبی نے (۷۳۸ھ) میں لکھی ہے اس کا نام ''تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام'' ہے۔

بحوری کی (۷۳۹ھ) ''تاریخ البحوری'' ہے۔

ابن طباطبا (الفخری) سنہ (۷۰۱ھ)

ابن خلدون (۸۰۸ھ)

المقریزی (۷۴۵ھ)

سیوطی (۹۱۱ھ)

نہایہ عرب (۷۳۲ھ)

صبح الاعشی للقلقشندی (۸۲۱ھ)

تاریخ کتب:

تاریخ کتب میں ہمیں کمی بیشی،خلط ملط بطور فراواں ملتا ہے ۔بعض کتب ایسی ہیں جنکا مصنف تو کوئی اور ہے لیکن یہ کسی دوسرے نے اپنی منصوب کی ہیں ۔بعض ایسی ہیں جو تالیف تو کسی اور کی ہیں لیکن کسی دوسرے نے اپنی طرف نسبت دی ہے ۔بعض تین چار شخصیات کی طرف منصوب ہیں اور متنازعہ ہیں ۔بعض کتب میں سے مواد حذف کیا گیا ہے جبکہ بعض میں اضافہ ہے۔اس صورت حال نے کتب میں ایک جنجال پیدا کردیا ہے ۔اس طرح کتب شناسی بھی اپنی جگہ ایک علم کی صورت اختیار کرگیا ۔یہاں یہ مسئلہ سامنے آیا کہ اگر کسی کو کسی کتاب یا اس کے مصنف کے بارے میں یا اسکے محتوی کے بارے میں آگاہی حاصل کرنی ہے تو اسے کس طرف رجوع کرنا پڑے گا۔جس سے اعتماد ہو سکے کہ یہ کتاب واقعا اس مصنف کی ہے یا اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے یا اسکا بعض حصہ حذف ہوا ہے۔

کتب شناسی کیلئے اس حوالے سے سب سے قدیم کتاب ''فہرست ابن ندیم'' ہے ۔شاکر مصطفیٰ کتاب التاریخ العربی والمورخون جلد ۲ صفحہ پر لکھتے ہیں ابو الفرج محمد بن اسحاق ابی یعقوب بن الندیم الوراق بغدادی ہیں ۔آپ اعراق میں پیدا ہوئے آپ کی تاریخ وفات مجہول ہے بعض کے مطابق ۳۸۵ھ سے ۳۹۰ھ کے درمیان ہے ۔انکا باپ کتب نقل کرنے کا کام کرتے تھے اسے تجارت کے طور پر اپنائے ہوتے تھے اور تشیع کی طرف میل رکھتے تھے ۔محمد بن اسحاق نے بھی اس شعبے کو اپنایا ۔کتاب ابن ندیم میں ۳۸۵ھ سے پہلے لکھی گئی ایک ہزار سے زائد کتب کی فہرست ملتی ہے ۔انہوں نے یہ کام کرکے عالم عربی اور مسلمانوں کی بہت خدمت کی ہے ۔علم دین، علوم عربی، علوم فلسفہ اور علم مذہب وغیرہ جیسے موضوعات پر تمام کتب کی تفصیل انہیں کس نے لکھا کب لکھا وغیرہ اس کتاب میں میسر ہیں ۔مستشرق فلوجل نے ۱۸۷۱عیسوی میں اس کتاب کا کچھ حصہ حذف کرکے ۱۹۳۰ میلادی کو اسے مصر سے چھپوایا ہے ۔اسکا دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے ۔فہرست ابن ندیم کی مثل دوسری کتاب کشف الظنون تالیف ابن خیاط اور دوسری ریاض العلماء تالیف عبد اللہ آفندی مشیرو کاتب علام مجلسی تھے۔

مؤرخ کیلئے تاریخ کے تمام شعبوں پر احاطہ ضروری و ناگزیر ہے ۔بصورت دیگر تاریخ پر تحقیق ممکن نہ ہوگی ۔لہذا ضروری ہے مؤرخ کے پاس تاریخ کی

اقسام واضح و روشن ہوں۔

تاریخ رجالی:

یعنی اگر کسی شخصیت کو سمجھنا اسکے بارے میں جاننا چاہیں وہ کب اور کہاں پیدا ہوئی اسے کہاں تلاش کریں گے۔ چنانچہ اس کے لئے کتب رجال سے متعلق کتب پڑھنا ہوگی۔ تاریخ اسلامی میں علم رجال ہی تدوین تاریخ کی بنیاد بنا ہے۔ رجال کی تلاش کیلئے طبقات کبری، ابن عساکر، تہذیب، سقاط، رجال الحدیث آیت اللہ خوئی وغیرہ اس حوالے سے ہیں۔ شخصیات ہمیں طبری اور کامل میں آسانی سے نہیں ملیں گی جبکہ رجال دیکھنے سے جعلی اور گھڑی گئی شخصیات ظاہر ہو جائیں گی۔ اسکی مثال ہم نے کتاب شیعہ اہل بیت میں پیش کی ہے۔ قنبر جسے مولا علی کے غلام کے طور پر متعارف کروایا جاتا ہے یہ موثر اور معتبر نہیں رجال میں اسکا نام و نشان نہیں ہے، علی بن محمد سمری جسے چوتھا نائب امام مہدی کہتے ہیں اسکا بھی کتب رجال میں ذکر نہیں ہے یہ ایک تصوراتی شخصیت ہے۔ اسی طرح فضہ کنیز زہرا کا تاریخ میں تذکرہ تو ملے گا لیکن انکے ماں باپ یا کس خاندان سے ہیں کس شہر سے تھیں نہیں ملتا۔

تاریخ جغرافیائی:

ملکوں اور شہروں کے بارے میں لکھی گئی کتب تاریخ کا اہم شعبہ ہے۔ اگر کسی ملک وشہر کا نام ان کتب میں نہیں ملتا تو یہ قابل اعتماد نہیں ہوگا۔ سورۃ ذاریات کی شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں یہ علی کی شان میں نازل ہوئی ہے پیغمبرؐ نے علی کی قیادت میں ایک لشکر شہر یابس کی طرف بھیجا۔ یہاں جب ہم تاریخ جغرافیائی میں دیکھتے ہیں تو اس شہر کا کوئی ذکر نہیں ملتا اس سے پتہ چلتا ہے یہ جعل کردہ ہے۔ تاریخ جغرافیائی میں سرفہرست یاقوت حموی کی معجم البلدان ہے۔ بعض مورخین نے جغرافیہ اور شخصیت کو مرکب انداز میں کتب تدوین کی ہیں۔ اس میں تاریخ دمشق، تاریخ بغداد وغیرہ ہیں جس میں تذکرہ ہے کونسی شخصیت کس دور میں اس شہر میں آئی۔ اس طرح بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ نعیم اصفہانی نے کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابوحنیفہ اور جعفر صادق کے مناظرے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی حقیقت سے آگاہی کیلئے دیکھنا ہوگا امام جعفر صادق کس دور میں اعراق تشریف لائے اگر آمد ملی تو احتمال قوی ہوگا یہ مناظرہ ہوا ہوگا اور اگر نہیں ملا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اسی طرح ابوحنیفہ بھی ایک بڑی شخصیت تھے اگر وہ مدینہ گئے تو تاریخ جغرافیائی میں اسکا تذکرہ ہونا چاہیے اگر نہیں تو یہ مناظرہ نہیں ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے تاریخ جغرافیہ ناگزیر ہے۔

☆☆☆_☆☆☆☆☆_☆☆☆

☆☆مصادر تاریخ عربی☆☆

اولاً ـ القرآن الکریم :

١ ـ المعجم المفھرس لا لفاظ القرآن الکریم ـ لمحمد فواد عبدالباقی ـ

٢ ـ الجامع لموضوعات آیات القرآن الکریم ، لمحمد فارس برکتات ـ

٣ ـ تفصیل آیات القرآن الحکیم : من تایف المستشرق : جول لا بوم وترجمه محمد فواد عبد الباقی ـ

٤ ـ تفسیر الطبری ـ

٥ ـ تفسیر ابن کثیر ـ

٦ ـ التفسیر الحدیث ، لمحمد عزة دروزة ، ویتمیز انه رتب تفسیره حسب اسباب النزول وزمانھا ـ

٧ ـ لباب النقول فی اسباب النزول ـ للسوطی ـ

٨ ـ النبوه والانبیاء ـ محمد علی الصابونی ـ

ثانیاً الحدیث النبوی الشریف :

وھی کتب الصحاح ، وکتب السنن ولمسانید ولموطاً : ومن الکتب المساعدة علی البحث فی کتب الحدیث وفھم مولولا تھا ، ودراسة السند ولمتن :

١ ـ مفتاح کنوز السنه : لمحمد فواد عبد الباقی ـ

٢ ـ معجم الفاظ الحدیث الشریف : وضعه جماعة من المتشرقین ـ

فتح الباری بشرح صحیح البخاری لا بن حجر ـ

٤ ـ شرح صحیح مسلم للامام لنووی ـ

٥ ـ جامع الوصول من أحادیث الرسول لا بن الجزری ، وقد جمع فیه الکتب لاصول فی الحدیث النبوی ، وصنعھا علی ابواب الفقه ، ثم صنف البواب علی حروف المعجم ـ

٦ ـ الجامع الصغیر للسوطی ، رتبه علی حروف الھجاء مراعیاً اول الحدیث ـ

ثالثاً ـ کتب التراجم :

١ ـ استیعاب فی معرفة الاصحاب : لابن عبد البر ـ

٢ ـ الا صابة فی تیمیز الصابة ـ لا بن حجر العسقلانی ـ

٣ ـ تذکرة الحفاظ ـ للذھبی : وھو خاص بروواة الحدیث متبدئاً بالصحابة ومنتھیاً بسنه ،٧٤٢ھ مرتب علی طبقات حسب زمانھم ـ

٤ ـ تھذیب التھذیب : لا بن حجر العسقلانی التموفی سنه ،٨٥٢ھ : وه ھوخاص برواة الحدیث ، مرتبه علی حروف المعجم ـ

٥ ـ میزان الاعتدال ، للذھبی المتوفی سنه ٧٤٩ھ مرتب علی حروف المعجم ، زکر فیه اقوال العلماء فی الرواة جرحاً وتعدیلاً ـ

٦ ـ لسان المیزان لابن حجر ، وھو فی موضوعه کسابقه ولکنه یزید علیه ـ

٧ ـ والتابعین والمشاھیر الی قبیل وفاة المولف سنه ٢٣٠ھ ـ

٨ ـ تاریخ بغدا للخطیب البغدادی المتوفی سنه ٤٦٣ھ ، وھو خاص بلکل من نزل بغداد من الرجال ، وھو مرتب علی حروف المعجم ـ

٩ـ تاريخ دمشق ،لابن عساكر المتوفى سنه ٥٧١ﻫ وهو خاص بلكل من وقد الى دمشق من الرجال ،وهو مرتب على حروف المعجم ـ

١٠ـ سير اعلام النبلاء ،للذهبي :وهو من اوسع ماصنف في تراجم الرجال ـ

١١ـ الواقي بالوفيات تأليف ،خليل بن أيبك الصفدى المتوفى سنه ٧٦٤ﻫ في تراجم الرجال عامة مرتب على حروف الهجاء ـ

١٢ـ الدور الكانة في اعيان المعائة الثامنة لابن حجر ـ

١٣ـ الضوء الامع لا هل القرن التاسع ،للسخاوى المتوفى سنه ٩٠٢ﻫ ـ

١٤ـ جمهرة انساب العرب لابن حزم ـ

١٥ـ نسب قريش ،لمعصب الزبيرى ـ

١٦ـ التحفة في اخبار المدينة الشريف :ترجم فيه لكل من حل بالمدينه حتى زمان المولف ـ

١٧ـ الاعلام ـ لخير الدين الزركلى :تراجم موجزة ،ولكنه يدلك على مصادر الترجمة ـ

رابعاً كتب السيرة النوية :

١ـ سيرة النبيﷺ لابى محمد عبد الملك بن هشام المتوفى سنه ٢١٨ﻫ ـ

٢ـ سيرة النبى في طبقات ابن سعد الجزء اول والثانى ـ

٣ـ الشمائل انبوية والخصائل المصطفوية ـ للترمذيى صاحب السنن ـ

٤ـ سيرة الرسول في تفسير الطبرى ـ

٥ـ زاد المعاد في هدى خير العباد لابن قيم الجوزية المتوفى سنه ٧٥٢ﻫ يجمع بين السيرة وما يستنبط الطبرى ـ

٦ـ سيرة الرسول ،مقتبسه من القرآن :لمحمد عزة دوزة ـ

خامساً كتب التاريخ :

١ـ تاريخ الامم والملوك لا بن جرير الطبرى ،مرتب على السنن ،وينتهى سنه ٣١٠ﻫ ـ

٢ـ الكامل في التاريخ ...وينتهى سنه ٦٢٨ﻫ

٣ـ البداية والنهايه ،لابن كثير ينتهى قريب وفاة المولف سنه ٧٧٤ﻫ ـ

٤ـ كتاب العبر وديوان المبتدأ والخبر ـ لابن خلدون المتوفى سنه ٨٠٨ﻫ :وتعتبر مقدمته من اجود ماكتب في نقد التاريخ ...ويفيد كتابه في اخبار البرير في المغرب ،وفي تاريخ الاندلس ،ويتميز بانه يتكلم على الدولة منذ بدايتها حت نهايتها ـ

٥ـ النوادر السلطانية والخاسن اليوسفية لابن شداد ،وهو خاص بتاريخ صلاح الدين ـ

٦ـ كتاب الروضين في اخبار الدولتن لا بى شامة عبدالرحمن بن اسماعيل المتوفى سنه ٦٦٥ﻫ ...وهو خاص باخبار الدولة ،ودلة صلاح الدين ـ

٧ـ الفتح القسى في الفتح القدسيى ،للعمادد الا صبهانى كاتب صلاح الدين ،وهو خاص أيضاً بفتوحات صلاح الدين الا يوبى ـ

٨ـ كتاب الاعتبار الا سامة بن منقذ ،في تاريخ الحروب الصليبيه والجمتمع العربى في زمينه ـ

سادساً ـ في اصول الحديث :

١ـ تدريب الرواى في شرح تقريب النواوى ـ للسوطى ـ

٢ـقواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث لمحمد جملا الدين القاسمي ـ

٣ـعلوم الحديث ومصطلحه للدكتور صبحي الصالح ـ

سابعاً ـ كتب الادب والشعر واللغة :

١ـلسان العرب لابن منظور ـ

٢ـتاج العروس ـللزبيدى ـ

٣ـالمعلقات العشر مع شرحها ـ

٤ـالاصمعيات ـوالمفضليات ،وحماسة ابيى تمام ـ

٥ـدواوين الشعروء الجاهيلن وصدر اسلام خاصة ـ

٦ـالشعر الزبى ورد فى كتب السيرة والتاريخ ،ومنه شعر الجهاد الزى قاله المجاهدون اثناء المعارك وبعدها،وقبلها ـ

٧ـايام العرب فى الجاهلية ـ

٨ـمجمع الامثال للميدانى ـ

٩ـادب الكاتب لابن قيبة ـ

١٠ـمجالس ثعلب ـ

١١ـالامالى لا بى على القالى ـ

١٢طبقات الشعراء الابن سلام الجمحى ـ

١٣ـالشعر والشعراء لا بن قتيبه ـ

ثامناً ـ كتب متنوعة فى التاريخ ،والنقد التاريخى :

١ـالمدينه فى العصرالاموى ،محمد محمد حسن شراب ـ

٢ـاخبار الوادى المبارك (العقيق)محمد محمد حسن شراب ـ

٣ـصلاح الدين بين شعراء عصره و كتابه ،الدكتور احمد بدوى ـ

٤ـفى السنوات لاخيرة من حياة صلاح الدين ،للدكتور احمد لاحمد ـ

٥ـالمدخل الى التاريخ العربى ،اسماعيل العرقى ـ

٦ـالمجتمع المدنى فى عهد النبو ة ،للدكتور اكرم العمرى ـ

مصادر السيرةالنبوية وتقويمها ،الدكتور فاروق حمادة ـ

٨ـأغالط المورخين ـللدتور ابو اليسر عابدين ـ

٩ـالتاريخ الاسلامى بين الحقيقةالتريف ،للدكتور عمعر الشقر ـ

١٠ـالشعر والتاريخ :للدكتور نورى القيسمى ـ

١١ـمنهاج السنة لابن تيمية ـ

١٢ـالعواصم من القواصم :لابن العربى ـ

تاسعاً ـمصادر خاصة بتاريخ فلسطين القديم واحديث :

راجع مصادر تاریخ العصر الحدیث من هذا الکتاب ۔

مصادر تاریخ

تاریخ دعوت اسلامیه	
تاریخ والمورخون	
تاریخ الحضاره	
تاریخ العرب قبل از اسلام	
حرکة المجتمع	محمد مهدی خالدی
تاریخ التاریخ مدخل الیٰ علم تاریخ	سعد بدیر حلوانی
المدخل الیٰ علم تاریخ	عبد الرحمن عبد الشیخ
التاریخ العربی والمورخون	شاکر مصطفیٰ
المدخل الیٰ التاریخ السلامی	محمد قتیحی اسلام
ضحی اسلام فجر اسلام	احمد امین
المدخل الیٰ علم تاریخ	محمد بن صامل سلمی
قاموس اسماء العربیه	شفیق الاراووط
الاوئل	ابی هلال حسن بن عبدالله بن سهل عسکری
تاریخ اسلامیه	شهید باقر صدر
مقدمه ابن خلدون	
کتب سیرت وتواریخ ۔	

☆☆☆_☆☆☆☆☆_☆☆☆

تألیفات مؤلفِ دار الثقافته اسلامیة

تفسیر قیام امام حسین

انتخاب مصائب

اسرار قیام امام حسین

دار الثقافتہ اسلامیہ سے عروۃ الوثقیٰ

معجم مولفین قیام امام حسین

قرآنیات

قرآن سے پوچھو

قرآن اور مکتب تشیع

اٹھو قرآن سے دفاع کرو

اہل ذکر سے پوچھو کے جوابات

قرآن میں شعر وشعراء

قرآن میں مذکر و مونث

انبیاء قرآن حضرت محمد ﷺ

انبیاء قرآن نوح و ابراہیم

فصل جواب

انبیاء قرآن موسیٰ و عیسیٰ

انبیاء قرآن ھود صالح لوط یعقوب و یوسف

تاریخ :

۱۔ مدخل الدرسۃ تاریخ الاسلامی

۲۔ دور رشد ور شادت

۳۔ دور ضالہ

۴۔ دور لحادہ

کائنات کا خالق

حج وعمرہ

معجم حج وحجاج

متفرقات

شیعہ اہل بیت

باطنیہ و بناتھا

متنوعہ

دفاعیات

فصلنامہ عدالت

تحفہ منورین

جواب سے لاجواب

جوابات صارخہ

صرخہ حق

مکتوبات شرف الدین

افق گفتگو

حوزات و مدارس پر نگارشات

ہماری سیاست وثقافت

جواب شکوہ

شکوں کے جواب

عقائد ورسومات

علم اور دین

مجلّہ اعتقاد

ائمہ کے خلاف ائمہ کی جدوجہد

ترجمات

حضرات حسنین

تفسیر شہید الصدر

http://www.sibghtulislam.com

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان